باغ و بہار

تالیف کیا ہوا میر امن دلّی والے کا

تالیف و ترتیب، مقدمہ و فرہنگ

از

ممتاز حسین

(صدر شعبۂ اردو اسلامیہ کالج۔ کراچی)

ناشر "اردو ٹرسٹ" کراچی

سنہ ۱۹۵۸ء

سلسلۂ مطبوعات آردوٹرسٹ، کراچی

نمبر (۱)

بار اوّل . . . . نومبر ۱۹۵۸ع

تعداد . . . . دو ہزار

قیمت . . . . چھ روپے آٹھ آنے

ناشر، آردو ٹرسٹ کراچی

مطبع : انٹر سرویسز پریس ، کراچی

تعارف

اُردو ٹرسٹ کراچی ۱۳ جون سنہ ۱۹۵۷ع کو وجود میں آیا۔ اسکی بنیاد یوں پڑی کہ حکومت پاکستان نے بیس ہزار روپیہ کی ایک امدادی رقم ''حلقہ ارباب ذوق،، کو اُردو کی کلاسیکی کتابوں کے عمدہ اور سستے ایڈیشن کی طباعت اور اشاعت کیلئے دی تھی۔ حلقۂ مذکور کے ارباب حل و عقد نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عطیہ کی ابتدائی رقم سے ''حلقے،، سے آزاد ایک ایسا ٹرسٹ قایم کیا جائے جو آردو ادب کی توسیع و اشاعت کا کام باقاعدہ ایک ادارے کی حیثیت سے سنبھال لے۔ چنانچہ 'آردو ٹرسٹ کراچی' حلقے کے اسی فیصلے کی رو سے وجود میں آیا۔ اسکے اغراض و مقاصد خالصتاً ادبی ھیں۔ اُردو زبان کی کلاسیکی اور نایاب کتابوں کو دور حاضر کے مذاق اور ریسرچ کے اعلیٰ معیار کے مطابق، تالیف کرکے چھاپنا۔

اس ٹرسٹ کی پہلی پیشکش جو ناظرین کی خدمت میں پیش کی جارھی ھے، میرامن کی شہرۂ آفاق کتاب ''باغ و بہار،، ھے۔

یوں تو یہ کتاب نایاب نہیں، بلکہ اسکے متعدد ایڈیشن چھپتے رھے ھیں، لیکن اسکا کوئی ایسا نسخہ جسکے ہر لفظ کی صحت پر غور کیا گیا ہو، اور کسی مستند نسخے کے تقابلی مطالعے کے بعد، میر امن کی زبان کو بدلے بغیر، یہاں چھاپا گیا ہو، میری نظر میں نہیں ھے چنانچہ اس کتاب کو جو آردو نثر کی اعلیٰ ترین اور قدیم ترین کتابوں میں سے ھے، اسی ضرورت کے تحت منتخب کیا گیا۔ اور اسکی تالیف و ترتیب کا کام ممتاز حسین صاحب کے سپرد

کیا گیا جنھوں نے نہ صرف اسے تالیف کیا ہے بلکہ اسپر ایک جامع اور مبسوط مقدمہ بھی سپرد قلم کیا ہے اور اسکی ایک ایسی جامع فرہنگ تیار کی ہے جو اس کتاب کے مطالعے میں بڑی مددگار ہے ۔ ممتاز حسین صاحب نے جس کاوش اور محنت سے یہ کام انجام دیا ہے اس کا اندازہ کتاب کے مطالعے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے ۔

اس سلسلے میں اپنی ایک دشواری کا اظہار کرنا بھی کچھ ضروری سا معلوم ہوتا ہے جو برسبیل شکایت نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے تحت ہے ۔ ہمارے یہاں ابھی تک اردو ٹائپ کا چھاپا صحیح معیار پر نہیں پہنچا۔ لاکھ جتن کئے جاتے ہیں پھر بھی طباعت میں غلطیاں رہ جاتی ہیں ،ممتاز حسین صاحب نے اس کمزوری کو ایک غلط نامے کے اضافے سے دور کرنے کی کوشش کی ہے ، لیکن وہ صحت کا کوئی معقول بدل نہیں ہے ۔

ہمارے اشاعتی پروگرام میں جو کتابیں زیر تالیف ہیں انکے نام یہ ہیں :۔

کبیر کے دوہے ۔ (مستند گرنتھ صاحب کے نسخے سے اخذ کئے ہوئے) مرتبہ سلیم جعفر صاحب

کلیات امانت ۔ مرتبہ قیوم نظر صاحب

قصص ہند (مولانا محمد حسین آزاد) مرتبہ حمیداحمد صاحب

ولی سے پہلے دکھنی شعرا کے کلام کا ایک انتخاب
مرتبہ چاند حسین صاحب

ممتاز حسن
صدر، آردو ٹرسٹ کراچی

۲۶ نومبر ۱۹۵۸ ع

فہرست کتاب

صفحہ

مقدمہ

ممتاز حسین

فہرست مقدمہ

تالیف نسخہ سے متعلق

اس کتاب کا متن باغ و بہار کے اس ایڈیشن پر مبنی ہے جسے ڈاکٹر ڈنکن فاربس نے تالیف کرکے سنہ ۱۸۴۹ء میں لندن سے شائع کروایا تھا۔ چونکہ صحت کا مسئلہ بہت اہم ہے اسلئے انہوں نے اپنے پہلے ایڈیشن کے متن کی صحت سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے نقل کیا جا رہا ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس نا چیز نے اسی نسخے کو کیوں منتخب کیا ہے—

،، اس کا متن کلکتے کے اس پہلے ایڈیشن سے لیا گیا ہے جو کہ سنہ ۱۸۰۳ء میں شائع ہوا تھا پھر بھی اس کا مقابلہ دو مسودوں سے کیا گیا ہے۔ ایک تو اس سے جو کہ ڈاکٹر جان گلکرایسٹ مرحوم کی تحویل میں تھا۔ اور اب میرے پاس ہے اغلب یہی ہے کہ یہ مسودہ وہی ہے جسے میر امن نے ڈاکٹر جان گلکر اسٹ کی خدمت میں شرف قبول پیش کیا تھا۔ دوسرا مسودہ وہ ہے جو کہ مسٹر رومر کے پاس ہے۔ مسٹر رومر آنرایبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے سول ملازم اور میر امن کے شاگرد تھے۔ وہ مسودہ کچھ تو مصنف کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے اور کچھ ان کی نگرانی میں لکھا گیا۔ میں نے اکثر جگہوں میں مطبوعہ نسخے (۱۸۰۳) کے بالمقابل ان دونوں مسودوں کے مطالعے کو ترجیح دی ہے،،—

اس پر انہوں نے جو اپنے دوسرے ایڈیشن میں اضافہ کیا ہے وہ یہ ہے ،،اس دوسرے ایڈیشن میں میں نے کتاب کا مقابلہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک بہت ہی صاف ستھرے مسودے سے کیا ہے۔ اس میں پہلے ایڈیشن کی ان غلطیوں کی تصحیح کردی گئی ہے جو کہ چھاپے خانے کی کوتاہیوں سے پیدا ہوئی تھیں—،،

ڈاکٹر ڈنکن فاربس کی اس یقین دہانی کے باوجود ان کے دوسرے ایڈیشن میں بھی چھاپے خانے کی بہت سی غلطیاں ہیں۔ وہ غلطیاں نہ صرف املے کی ہیں

بلکہ کا، کی، ہے، ھیں وغیرہ کی بھی ھیں ۔ اس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے الفاظ کے تلفظ کی نشان دھی یا اعراب میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ھے پھر بھی بعض الفاظ کے تلفظ کے بارے میں قدامت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی اشتباہ پیدا ھو سکتا ھے ۔ مثلاً گدڑی کی جگہ گڈری، ڈھارس کی جگہ ڈھاڑس وغیرہ ۔ ایسے مواقع پر میں نے مروجہ تلفظ کو راہ دی ھے کہ گدڑی، ڈھاڑس وغیرہ سننے میں نہیں آیا ھے ۔ بجز ان معمولی ترمیمات کے جو کہ اس قسم کے چند الفاظ کے تلفظ میں کی گئی ھیں میں نے ان کی کتاب کے متن کو بے داغ رہنے دیا ھے۔

مجھے اس کتاب کی فرہنگ تیار کرنے میں ڈنکن فاربس کی ملحقہ فرہنگ سے مدد کے بجائے گمراھی زیادہ ہوئی ھے اس لئے میں نے ان کی فرہنگ کے بالمقابل اردو لغات کے مطالعے اور حوالے کو ترجیح دی ھے۔ تاھم اس سے انکار نہیں کر سکتا ھوں کہ ایک آدھ لفظ کی صحت کے بارے میں انکی فرہنگ سے بھی مستفید ھوا ھوں ۔ میں نے فرہنگ میں صرف اپنے ھی الفاظ رکھے ھیں جنسے کہ ایک عام قاری کو جاننے کی ضرورت پڑ سکتی ھے ۔ ان میں بعض ایسے الفاظ بھی شامل ھیں جنکے معنی سے ھم مبہم طور سے تو آشنا ہوتے ھیں لیکن صحت اور ماخذ کےساتھ انھیں نہیں جانتے ھیں —

میں آخر میں مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاھتا ھوں کہ انھوں نے مجھے میر امن کے سن وفات سے متعلق ایسی نادر اطلاعات بہم پہنچائیں جن کا ذکر اردو ادب کی کسی بھی تاریخ میں اب تک نہیں کیا گیا ھے ۔ وہ اطلاعات کس حد تک مستند ھیں اس کا فیصلہ آپ کرینگے —

داستانوں کی ماہیت

حامع مسجد دھلی کے ,, دروازۂ سمالی کی طرف ۹۳ سڑھیاں ھیں ۔ ا گرحہ اس طرف بھی کبابی سٹھیے ھیں اورسودے والے انبی دوکانیں لگائے ہوئے ھیں لیکن بڑا تماشا اس طرف مداریوں اور قصہ خوانوں کا ھوتا ھے ۔ تسرے پہر ایک قصہ خواں مونڈھا بچھائے ہوئے بیٹھتا ھے ۔ اور داستان امیر حمزہ کہتا ھے ۔ کسی طرف قصہ حاتم طائی اور کہیں بوستان خیال ہوتی ھے ۔ اور صدھا آدمی اسکے سننے کو جمع ہوتے ھیں — ،،

(آثار الصنادید ۔ سر سید احمد خاں)

دلی والوں کو قصہ کہنے اور سننے کا یہ حسکا کچھ سر سید ھی کے زمانے میں نہ تھا بلکہ محمد شاھی عہد میں بھی ان کا یہی عالم تھا۔ خواجہ بدرالدین امان دھلوی بوستان خیال کے مترجم حدائق الا نظار کے دیباچے میں تحریر کرتے ھیں کہ ,, اتفاقاً جہاں میر محمد تقی خیال (مصنف بوستان خیال) فرو کش تھا ۔ قریب مکان کے ایک نشست گاہ میں چند اشخاص جمع ہوتے تھے اور ایک قصہ گو ان کے رو برو امیر حمزہ کا جو تمام جہان میں مشہور ھے بیان کیا کرتا تھا،،—

قصہ گوئی کی یہ عادت دنیا کی ھر تہذیب اور ھر ملک میں پائی جاتی ھے جہاں ارسطو نے آدمی کو سیاسی حیوان اور حیوان ناطق اسے نام دئے وھاں اسے ایک نام قصہ گو کا بھی دینا چاھئیے۔ گویا قصہ کہنے پر وہ مختارھی نہیں بلکہ مجبور بھی ھے ۔ وہ اپنی نفسیات کے دفینے اور اپنے مستقبل کے خواب کو انھیں قصوں کے آئینے میں دیکھتا ھے ۔ خواہ وہ قصے دیوی دیوتا، جن و پری وحوش و طیور کے ہوں یا اشجاع پاستان اور ھمارے آپ کے ایسے چلتے پھرتے انسانوں کے یہ سارے اقسام قصص کے اس ایک مظہر کی مختلف صورتیں ھیں کہ

جن نعمتوں سے ہمیں زندگی میں محروم کیا جاتا ہے ہم ان کے حصول کی آرزو اپنے خوابوں کی دنیا میں کرتے ہیں۔ باتیں ساری عالم ہوش ہی کی ہوتی ہیں، صرف ان کا اعادہ عالم خواب میں کیا جاتا ہے شاید اسلئے کہ قصہ گو جسقدر بے خود و بے ہوش اور خواب میں ڈوبا ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ وحدت زماں یا قومی تاریخ کی وحدت کا احساس رکھتا ہے، لیکن چونکہ قصہ صرف قومی یا انفرادی نفسیات ہی کی ایک تاریخ نہیں ہے بلکہ انسانی تجربات کے نجوڑ، تصور حیات و کائنات کی ترسیل کا بھی ایک ذریعہ ہے اس لئے یہ عالم بیداری کی بھی ایک شے ہے۔ وہ ایک مخصوص عہد کے ایک مخصوص معاشرے کے شعور کا بھی مظہر ہوتا ہے۔ اس شعور کی نوعیت اور اس کی سطح کیا ہے؟ مظاہر فطرت کو دیوی دیوتاؤں کے روپ میں پیش کیا گیا ہے یا ان سے جدا کرکے ان کے اسباب و علل پر غور کیا گیا ہے یہ باتیں تاریخی اور اضافی ہیں۔ اس سے اس بات پر حرف نہیں آتا کہ آدمی فطرتاً قصہ گو واقع ہوا ہے۔ وہ حقیقت کو خواہ وہ عالم خواب کی ہو یا عالم بیداری کی، زندگی کی ہو یا بعد زندگی کی، ٹھوس اور محسوس صورتوں میں متصور کرنے کا عادی رہا ہے اور غالباً رہے گا۔ قصہ کوئی زندگی سے فرار اختیار کرنے کا نہیں بلکہ زندگی سے دست و گریباں رہنے کا ایک مقصدی مشغلہ ہے۔ ہم زندگی میں جن طاقتوں سے ہار جاتے ہیں انہیں خواب میں یا ان قصوں میں مفتوح کرنے کی آرزو کرتے ہیں۔ ہم جن چیزوں کی آرزو میں مرتے ہیں، ان کی تحصیل کا خواب انہیں کہانیوں میں دیکھتے ہیں، لیکن ان کہانیوں کا یہ صرف ایک پہلو ہے، اسکا دوسرا پہلو یہ ہے کہ زندگی کے سفر میں جو نشیب و فراز، امتداد سن و سال کے آتے ہیں، ان سے مساعدت اور مطابقت پیدا کرنے کی تعلیم اور بقدر حوصلہ مبدا اور معاد کو سمجھنے اور سمجھانے کا کام بھی ہم ان کہانیوں کے ذریعے لیتے آئے ہیں۔ زندگی کی اس عظیم خدمت کو جو کہ ہم ان کہانیوں سے لیتے آئے ہیں، کیونکر فرار اور عیش کوشی سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قصہ کہنے کے لئے فراغت درکار ہے اور اسکے سننے کے لئے شاید اس سے زیادہ فراغت چاہئے اور یہ فراغت اسی وقت ملتی ہے جبکہ معاشی خوشحالی ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ

نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا ہے کہ اسکا مقصد ھی تفریح ہے جیسا کہ مرزا غالب نے ازرہ تفنن طبع کہا ہے ،، داستان گوئی منجملہ فنون سخن ہے سچ ہے دل بہلانے کا اچھا فن ہے،، تفریح تو اسکا صرف ایک پہلو ہے جیسا کہ کسی بھی مقصد کی تعمیل میں پایا جاتا ہے بشرطیکہ وہ مقصد بہ حسن تمام پورا ہو۔ مقصد اور ادائے مقصد کا اتحاد ھی کسی عمل کو فنکارانہ عمل میں تبدیل کرتا ہے۔ حسن ان دونوں کے اتحاد کامل سے نمو کرتا ہے۔ نہ کہ وہ پہلے سے کہیں موجود رہتا ہے - یہی تو ہمارے شعرائ دست قاتل کی اداکاری کی بھی داد دیتے رہے ہیں - ع ، نظر لگے نہ کہیں انکے دست و بازو کو ، پھر بھی وھی فرماتے ہیں کہ یہ دل بہلانے کا اچھا فن ہے - شاید اس لئے کہ ہمارا یہ فن انکے زمانے میں زندگی کے مقاصد سے اپنا رشتہ توڑ رہا تھا - لیکن ہم انکی یہ بات اس دور کی داستان کے بارے میں کیونکر سچ مانیں جبکہ ہمارے فن اور ہماری زندگی کے مقاصد کے درمیان ایک گہرا رشتہ تھا - میں نے قصہ چہار درویش کو اسی نقطہ نظر اور اسی زمانے کے پس منظر میں دیکھا ہے ، لیکن اس سے اس حقیقت پر پردہ نہیں پڑتا ہے کہ غالب کے زمانے سے بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ جب سے کہ سرسید احمد خاں نے سوپر نیچرل کو نیچرل کے میدان سے خارج کر دیا ، داستان گوئی جس میں سوپر نیچرل کا ذکر لازمی طور سے ہوتا ہمارے لئیے صرف دل بہلانے کا ایک فن رہ گیا تھا - اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسکے لئے ہم معذرت خواہ ہوں - زندگی کے ارتقائی تغیرات میں نہ صرف زندگی کے مقاصد بدلتے رہتے ہیں بلکہ حصول مقاصد کے ذرایع بھی بدلتے رہتے ہیں - سر سید کے نیچری عہد میں داستانوں نے ناول اور مختصر کہانیوں کے لئیے جگہ خالی کی جن میں اب ہم نیچرل دنیا کی باتیں کرتے ہیں - لیکن اس سے داستانوں سے لطف اندوز ہونے کی ہماری صلاحیت کم نہیں ہوئی ہے ، بلکہ اسکے برعکس کچھ زیادہ بڑھی ھی ہے کیونکہ اب ہم ان داستانوں کی جذباتی اور داخلی گرفت سے آزاد ہوگئے ہیں - آج ان کا تجزیہ ہم خارجی انداز سے کرنے پر زیادہ قادر ہیں اور جسطرح کہ ایک بالغ آدمی اپنے بچپن کے تجربوں کے اعادے سے محظوظ اور مستفید دونوں ھی ہوتا ہے اسی طرح اس عہد کا بالغ آدمی بھی ، ان داستانوں کے مطالعے سے محظوظ اور مستفید دونوں ھی ہو سکتا ہے - وہ اپنے طریق فکر کی بدلتی ہوئی

صورت کو دیکھکر از منۂ قدیم کے طریق فکر کو سمجھنے پر زیادہ سے زیادہ قادر ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح انسانی نفسیات کے مطالعے میں زیادہ گہرائی اور بصیرت حاصل کر سکتا ہے۔

ہماری داستانوں کا خاندان اپنی ابتدائی منزلوں میں اساطیری ادب یا دیومالاؤں ہی سے ملتا ہے۔ لیکن اسلامی داستانیں دیو مالائی ادب سے مختلف بھی ہیں۔ دیو مالائی ادب میں دیوی دیوتاؤں کی کہانی ہے اور اسلامی داستانوں میں مشیت ایزدی کی کہانی ہے۔ یہ فرق دونوں کے درمیان بہت بڑا ہے لیکن اسکی اہمیت کو آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جبکہ آپ ان کی مماثلت اور مغایرت دونوں ہی کو جانیں۔ چونکہ ان دونوں میں تقدم دیومالاؤں ہی کو حاصل ہے اسلئے میں انکی تاریخی جدائی کو ظاہر کرنے کے لئے، پہلے دیو مالائی ادب ہی کی ماہیت کو لے رہا ہوں۔

انسان اپنے شعور کی ابتدائی منزلوں میں فطرت کو یا دھر کو اپنے ہی پر قیاس کیا کرتا تھا۔ وہ فطرت کو غیر ذات تصور نہیں کرتا تھا۔ اسلئے اس زمانے میں انسان کا ادراک فطرت بھی میں و تو کے رشتے کا یا داخلی تھا نہ کہ خارجی جس میں فطرت کو اپنی ذات کے بالمقابل غیر ذات تصور کیا جاتا ہے۔ وہ فطرت کو اپنی خصوصیات اور اپنی ذات کو فطرت کی خصوصیات کے آئینے میں دیکھتا۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ وہ فطرت کے ہر مظہر کو شخصیت یا انسانی صفات سے متصف کرتا۔ چاند سورج خاک و باد آگ پانی ان میں سے ہر ایک کو دیوی دیوتا قرار دیتا جو کہ انسانوں کی طرح زندگی گذارتے اور جو حادثات کہ ان کی حرکت سے وجود میں آتے وہ انہیں کسی غیر شخصی اور مجرد اصول کا پابند یا نتیجہ نہ ٹھہراتا بلکہ ان کی شخصیت یا قوت ارادی کا نتیجہ سمجھتا۔ اسطرح اسکی نظر میں ہر حادثہ اپنی جگہ پر منفرد ہوتا۔ نہ صرف منفرد شخصیت سے سرزد ہوتا بلکہ اپنی جگہ پر بھی منفرد ہوتا، کیونکہ اسکا تعلق کسی سلسلہ اسباب سے نہ ہوتا۔ وہ حادثہ کیفیاتی خصوصیات کا حامل ہوتا نہ کہ کمیاتی خصوصیات کا۔ اسکے اسی طریق فکر کو دیو مالائی شاعرانہ

(Mythopoetic) طریق فکر کہا جاتا ہے ۔ وہ ہر واقعہ کو کسی دو شخصیتوں کی کشمکش یا ٹکراؤ کا نتیجہ سمجھتا نہ کہ کسی غیر شخصی اور مجرد اصول کے سلسلہ' عمل کا نتیجہ ۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ دیومالائی ادب میں مظاہر فطرت کا کوئی خارجی تجزیہ پیش نہ کیا جاتا کہ اسے دور حاضر کی سائنسی تحقیقات کی روشنی میں پرکھا جا سکے ۔ وہاں تو صرف شاعری اور ڈرامہ ہے جس میں نفسیاتی حقائق ہیں نہ کہ طبیعاتی سائنس ۔ لیکن ایسا وہ خود نہیں سوچتا، وہ اپنے اسی گیان پر جسمیں تخیل کی بے پناہ قوت شامل ہوتی حقیقت کا اعتبار کرتا ۔ اور اس کا ادراک کبھی عالم خواب میں کرتا تو کبھی عشق یا بے خودی کے عالم میں دیوتاؤں سے محو گفتگو ہوکر۔ آج شاید آپ اسکے اس دھیان گیان اور عالم خواب کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہ دیں اور یہ کہکر ٹال دیں کہ یہ سب خواب و خیال کی باتیں ہیں ۔ لیکن اسوقت کے انسانوں کے لئے عالم خواب بھی ایسا ہی حقیقی تھا جیسا کہ عالم بیداری ۔ زندگی اسی ہی حقیقی تھی جتنی کہ موت کے بعد کی زندگی، اور ورق الفطرت دنیا اسی ہی جاندار اور حقیقی بھی جتنی کہ فطری دنیا ۔ اور بعض اقوام کے دیو مالاؤں میں تو دیوتاؤں کی زندگی انسانوں کی زندگی سے زیادہ اہم دکھلائی گئی ہے کیونکہ دیوتا لافانی تھے اور انسان فانی ۔ پھر بھی چونکہ ان دیوتاؤں کا تصور مادی ہے اسلئے ان کے اعمال و افعال میں حیات انسانی ہی کا رس اور نچوڑ ہے ۔ اور وہ کہانی ہماری آپ کی کہانی معلوم ہوتی ہے ۔ انھیں کہانیوں میں ایسے انسان بھی ابھرتے ہیں جو کہ لافانی دیوتاؤں کی کلائیاں موڑ کر خود امر بن جاتے ہیں ۔ مزدک اور پرامیتھئس انھیں انسانوں میں سے ہیں ۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں انسانوں میں خیر و شر دونوں کی طاقتیں چھپی ہوئی ہیں وہاں ان دیوتاؤں میں بھی خیر و شر دونوں کی طاقتیں ملتی ہیں ۔ چنانچہ جب انکا معارکہ ہوتا ہے تو خیر و شر کی طاقتوں کا بٹوارا ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے نہ کہ دیوتا ایکطرف اور انسان ایکطرف ہوتے ہیں ۔ اور خیر و شر کی اس کشمکش میں وہ اپنی نفسیات کی ایسی ایسی پیچیدگیوں کو بے نقاب کرتے ہیں کہ فرائیڈ کے کلینک کی رپورٹ اسکے سامنے بازیچہ' اطفال نظر آتی ہے ۔ اسطرح یہ دیو مالائی ادب اس وقت کے

انسانوں کے بہت سے نفسیاتی اور روحانی نقاضوں کا مداوا پیش کرنا ۔ وہ اگر ایک طرف مقاومت زمانہ یا امتداد سن وسال کی نیرنگیوں کے مقابلے میں انھیں نفسیاتی اعتبار سے مسلح کرنا یا فطرت کی مخالف قوتوں کو انکے لئے خواب و خیال کی دنیا میں سر نگوں کرنا ۔ تو دوسری طرف رسم و رواج کی بندشوں اور فطری میلانات کے درمیان جو کشمکش پیدا ہوتی، اسکا استخراج اظہار جذبہ سے کرنا۔ لیکن انسان تابہ کے ادراک حقیقت کے باب میں من وتو کے اس داخلی رشتے میں اسیر رہا، اسے خارجی ادراک حقیقت کی طرف تو بڑھنا ہی تھا ۔ اس سمت میں جہاں تک ادب کا تعلق ہے بنیٔ اسرائیل نے سب سے پہلے پہلا قدم اٹھایا ۔ اور اس بت کو ڈھایا جو کہ دیوی اور دیوتا کا تھا ، ہر چند کہ اس سے دست آزر کو صدمہ پہنچا ۔ انھوں نے مظاہر فطرت کو شخصیت کے صفات سے آزاد کیا اور ایک مجرد قوت اور طاقت کے احکام و فرمان کا نفاذ کیا ۔ عالم تشبیہ سے عالم تنزیہ کے طرف آنے کا یہ عمل خارجی ادراک حقیقت کیلئے ضروری تھا ۔ لیکن جہاں یہ عمل ادراک حقیقت کی ترقی کے لئے ایک انقلابی عمل تھا وہاں شعر و شاعری اور فنون لطیفہ کے حق میں مہلک بھی تھا ۔ کیونکہ شعر و شاعری، داستان گوئی اور فنون لطیفہ، ان میں سے ہر ایک کی بنیاد حسی تصور یا معنی کو پابند حواس کرنے پر ہے ، جہاں ہوش و خرد کو دعوت چشم و گوش ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم بنیٔ اسرائیل سمبالک آرٹ سے ہٹکر الیگاریکل ارٹ یا تمثیل ذوالمعنین کی طرف آگئی ۔ یورپ کے امثال (Parables) کی بنیاد یہی ہے جو کہ خرافہ سے مختلف ہے ۔ لیکن یہ فرق جزوی ہے نہ کہ کلی۔ عجائبات یعنی عالم ارواح اور خواب کا جتنا ذکر کہ بنیٔ اسرائیل کے قصوں میں ہے، وہ کچھ بابل و مصر کے دیو مالاؤں سے کم نہیں ۔ بس فرق یہ ہے کہ بنیٔ اسرائیل نے دیوی اور دیوتاؤں کی کہانیوں کو مشیت ایزدی کی کہانیوں میں تبدیل کر دیا ہے ۔ اور چونکہ مشیت ایزدی کی تعمیل کے لئے ان کی قوم برگزیدہ اور منتخب تھی اسلئے انکے قصوں میں مظاہر کائنات کی تاریخ نے انسانی تاریخ کی جگہ لے لی ہے ۔ اس بار امانت کے اٹھانے سے اگر ایک طرف انکے قصوں میں افراد و اشخاص کی انفرادیت چمکی، انکا سماجی عمل ظاہر ہوا تو دوسری طرف دیو مالاؤں کا ما بعدالطبیعاتی

عنصر گھٹ بھی گیا ۔ کیونکہ مشیت ایزدی کی کہانی میں احکام کی تعمیل اہم ہے نہ کہ مظاہر فطرت کی تاویل ۔ اس مغایرت کے باوجود دونوں میں ایک قدر مشترک بھی ہے۔ قانون سبب (Law of Causality) کی تلاش نہ تو دیو مالاؤں میں ہے اور نہ اسرائیلی قصوں میں، جو کچھ کہ پہلے دیو مالاؤں میں مصدر شخصیت سے سرزد ہوتا اب وہ معجزات فرمان الٰہی سے سرزد ہونے لگا ۔ اسلامی داستانیں انہیں اسرائیلی قصوں اور امثال کی روایات پر مبنی ہیں، وہی نقش سلیمانی، وہی طلسم سامری، وہی عالم خواب، عالم ارواح اور وہی مابعدالطبیعات ہے ۔ لیکن دور حاضر کے ذہن سے ان داستانوں کی ذہنی فضا کا جو آج ٹکراؤ ہے وہ کچھ اس سبب سے نہیں ہے کہ اس میں عالم خواب کی یا فوق الفطرت باتیں ہیں ، کیونکہ ہماری داستانوں کے جن و پری بالکل انسانوں جیسے ہیں، ان کی کہانی اور سرگزشت ہماری اپنی کہانی اور سرگزشت ہے اور اگر ہم کولیرج کے الفاظ میں عدم یقین کو تھوڑی دیر کے لئے معطل کردیں جیسا کہ آرٹ کی دنیا میں ضروری ہے تو ان سے محظوظ ہونا مشکل نہیں ہے۔ بلکہ اس سبب سے ہے کہ اب معجزات کی جگہ عالم اسباب نے لے لی ہے۔ زمان و مکان کے تصورات بدل گئے ہیں ۔ اور اعتقادات کی جگہ معقولات کو فروغ ہوا ہے ۔ میں اس ذہنی تصادم کو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں اور اسے کسی صورت سے بھی نظر انداز کرنے کے لئے تیار نہیں، لیکن یہ ہماری بھول ہوگی اگر ہم ادب سے سائنس یا معقولات کا کام لیں ۔ ادب سائنس سے آزاد نہیں ہے لیکن وہ سائنس کا بدل بھی نہیں ہے ادب کچھ تو انسان کی بدلتی ہوئی نفسیات کی ایک کہانی ہے اور کچھ ان انسانی اقدار کی تبلیغ کا ایک آلہ کار ہے جس سے کہ انسان اپنی انسانیت کو پانے یا تکمیل خودی کی کوشش کرتا رہا ہے ۔ اس میں شبہہ نہیں کہ زندگی کے بدلتے ہوئے رشتے ہماری جذباتی زندگی کے پیٹرن کو بھی متاثر کرتے ہیں، اور اس تغیر میں کسی اٹل حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مشکل ہے پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جسطرح ایک سمندر پیہم طوفانوں کی زد میں رہنے کے باوجود اپنے ہی ظرف میں رہ جاتا ہے اسی طرح انسانی زندگی بھی ہر قسم کے تغیرات اور ارتقا سے دو چار ہونے کے باوصف زندگی ہی رہ جاتی ہے ۔

جہاں ہماری ایک سماجی اور تاریخی عمر ہے وہاں ہماری ایک عمر طبعی بھی ہے جسکے موسم فطرت کے موسم کی طرح بہ تکرار آتے رہتے ہیں۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپا زندگی کے یہ موسم کب بدلے ہیں، ان موسموں سے گزرنے کے سامان بدلتے ہیں نہ کہ موسم بذات خود۔ اسی طرح تبسّم دل کی مئے بدلتی رہی ہے لیکن اسکی موج کب بدلی ہے، جذبات کے مدوجزر، بیم ورجا کی متلون کیفیتوں کو لئے ہوئے پیہم اٹھتے ہی رہتے ہیں۔ معلوم نہیں اس جوار بھاٹے کا سبب کیا ہے؟ اسکا مرکز دل کہاں اور کیوں ہے۔ یہ کچھ معلوم اور کچھ نا معلوم ہے۔ اسپر قابو پانے کا یہ عمل نہیں کہ فطرت کو دبایا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ شعور حاصل کیا جائے۔ کیونکہ جسطرح روشنی تیرگی کی وحشت کو دور کرتی ہے، اسی طرح شعور بھی دل وحشت زدہ کی تیرگی کو دور کرتا ہے۔ اگلے وقتوں میں جبکہ شعور کی روشنی زیادہ میسر نہ تھی، جذبات کے ڈھکوسلے سے سکون، استخراج جذبہ سے حاصل کیا جاتا۔ یونانی ٹریجڈی اسکی بہترین صورت تھی۔ لیکن اب وہ کام ادب میں خواہ جذبات سے سکون حاصل کرنے کا ہو یا جذبات پر قابو پانے کا ایک دوسری تکنیک سے لیا جارہا ہے۔ آج جذبات کو شعور کی روشنی میں دیکھا اور جانچا جارہا ہے۔ لیکن ادب کا یہ صرف ایک پہلو ہے۔ اسکا دوسرا پہلو ماضی اور مستقبل کے خواب دیکھنے اور دکھلانے کا بھی ہے۔ چونکہ مستقبل نادیدہ اور ماضی دیدہ ہوتا اسلئے اگلے وقتوں میں مستقبل کا خواب ہمیشہ ماضی ہی کے آئینے میں دکھلایا گیا ہے آنے والی بہشت ارضی کو کبھی باغ ارم سے تو کبھی شداد کے باغ سے منسوب کیا گیا ہے

یا رب بہ جہانیاں دل خرم دہ
در دعوئے جنت آشتی باہم دہ

شداد پسر نداشت با غیس از تست
آن مسکن آدم بہ بنی آدم دہ (غالب)

ماضی کا یہ خواب پیچھے کی طرف لوٹنے کا نہیں بلکہ آگے بڑھنے کا

ایک حقیقت شناس بہانہ تھا۔ اسکی حقیقت شناسی اس میں مضمر ہے کہ کبھی کبھی انسان تیز روی میں اپنی حقیقت کو فراموش بھی کر دیتا ہے۔ وہ تمام تر آیڈیلسٹ ہو جاتا ہے۔ اس وقت ادب انسان کی نفسیات کے ماضی کا آئینہ لئے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ اور شاہراہ حیات کے تیز رو مسافر کی راہ روک کر یہ کہتا ہے کہ اک نگاہ واپس کے صدمے اس حقیقت کو بھی دیکھ کہ تو پابند سِل گوشت و پوست بھی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو اپنی تیز روی میں اسے بھول جائے اور تیرا آدرش نا آشنائے حقیقت رہ کر سرمندۂ تعبیر رہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ماضی کے اساطیر کو مزخرافات نہیں بلکہ انسانی نفسیات اور اس کے ہوش و خرد کی ایک داستان سمجھتے ہیں۔ ہم قوم قبیلوں میں بٹنے سے پہلے انسان ہیں اور بحیثیت انسان ایک دل اور ایک دماغ رکھتے ہیں۔ دنیا کا سارا ادب خواہ وہ اساطیری ہو یا غیر اساطیری ہمارا اپنا ورثہ ہے۔ ہماری اپنی تاریخ ہے۔ آج ایک گلگامش کی حکایت نے بنیٔ اسرائیل کی حکایتوں پر سے کتنے پردے اٹھائے ہیں۔ اسی سے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اور جسمۂ حواں کا سراغ پایا ہے۔ جسقدر زیادہ ماضی کے مطالعہ میں وسعت اور گہرائی پیدا ہوتی جا رہی ہے اسی قدر زیادہ انسان اپنی برادری میں ایک ہوتا جارہا ہے ایک جگہ کا قصہ دوسری جگہ کے قصے سے ماخوذ نظر آتا ہے۔ پھر یہ تو دیکھئے انکے طریق فہم اور انکی قصہ گوئی کی ٹکنیک میں کسقدر یکسانیت ہے۔

ہیرو اپنی دنیائے سود و زیاں سے نکل کر عجائبات کی دنیا کی سیر کرتا ہے۔ اس سیر میں مہیب اور محیرالعقول طاقتوں کا مقابلہ کرتا ہے، اور ان پر فتح پاتا ہے۔ گویا وہ ان کی طاقتوں میں در آتا ہے اور اسطرح نئی طاقتوں سے لیس ہوکر پھر اپنی اسی دنیائے سود و زیاں میں لوٹتا ہے تاکہ اس نئی قوت کے شعور اور مال غنیمت کو اپنی برادری کے سب انسانوں میں بانٹ سکے۔*

---

*اس ٹکنیک کے تفصیلی مطالعہ کیلئے Cambell کی کتاب A hero with thousand faces کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے

اس سفر میں کئی بار وہ مثل ماہ کنعاں چاہ میں ڈوبتا یا زندان سلیمان میں گرفتار ہوتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سولی پر چڑھ جاتا ہے لیکن ہر بار کسی نہ کسی تائید غیبی سے ابھرتا ہے اور اپنے گوہر مقصود کو پاتا ہے۔ وہ اپنے اس سفر میں کبھی کسی پری پر عاشق ہوتا ہے اور اجنا کی طاقت سے مقابلہ کرتا ہے تو کبھی کسی مردم زاد کی محبت میں جن و بشر دونوں کی رقابت مول لیتا ہے۔ لیکن کبھی بھی ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اس سفر سے کامراں نہ لوٹے۔ چنانچہ آپ دیکھینگے کہ داستان کا اختتام کبھی بھی ٹریجڈی پر نہیں ہوتا ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ داستان پوری زندگی پر محیط ہوتی ہے۔ وہ نظام مطرب کو اضداد کے مجادلے سے صرف داش داش ہی نہیں کرتی ہے بلکہ اسکی تکوین بھی کرتی ہے بانآیہ کہ چونکہ داستانوں میں حقیقت کو داخلی اعتبار سے معطل دکھلایا جاتا ہے اسلئے یہاں بگڑی بھی بن جاتی ہے۔ زندگی برقرار ہے امید پر نہ کہ مایوسی پر۔ داستان کو اسی سررشتۂ امید دو حزن و یاس کے چاک گریباں سے باہر نکالتا ہے۔ "وجہاں نماند و جہیں نیز هم نخواهد ماند"۔ یہ ہے اس کا نغمۂ سرمدی۔

قصۂ چہار درویش بھی ایک ایسی ہی مختصر داستان ہے جسکا ہیرو مزدک اور پرامیتھیس نہیں، حمزہ اور عمرعیار نہیں، بلکہ درویش ہے، اسکا سفر روحانی ہے۔ وہ مقامات عشق سے گذرتا ہے، اور کبھی اس سفر میں استغنا سے بے نیاز نفس ہو جاتا ہے کہ شہزادۂ نیمروز کے دکھ میں اپنے عشق کو بھلا دیتا ہے۔ ہم اس داستان کے مختلف قصوں پر روشنی آگے کے صفحات میں ڈالینگے جبکہ ہم اس داستان کے ماخذ پر روشنی ڈال چکے ہونگے۔ آخر کو داستان جو ٹھہری کیوں نہ ذرا قصے کو طویل دیکر آپ کے جذبۂ شوق کو اور زیادہ ملتہب کیا جائے۔

باغ و بہار کا ماخذ

اس وقت اردو نثر میں قصہ' چہار درویش کے تین ترجمے پائے جاتے ہیں - سب سے قدیم میر حسین عطا خاں تحسین کا ہے جسے انھوں نے اپنی رنگینئی عبارت کے باعث ''نو طرز مرصع'' کے نام سے مشہور کیا، آزاد کے بیان کے مطابق یہ ترجمہ ۱۷۹۸ع میں کیا گیا، چنانچہ اور لوگ بھی یہی تاریخ نقل کرتے آئے ہیں اب یہ تاریخ غلط بتلائی جاتی ہے - گیان چند نے اپنی پی-ایچ-ڈی کی کتاب ''اردو نثر کی داستانیں'' میں اس کا سن تالیف ۱۷۷۵ ع اور ۱۷۸۱ع کے درمیان بتایا ہے - اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ اسکے دیباچے میں شجاع الدولہ اور آصف الدولہ دونوں ہی کے شان میں قصاید موجود ہیں، اور ایک جگہ مرزا رفیع الدین سودا کے اشعار کا ذکر اس انداز میں کیا گیا ہے جیسے کہ وہ اسوقت تک زندہ تھے-

''چندس اشعار مرزا سودا صاحب کے کہ داد سخن کی دیتے ہیں میرے (تئیں؟) ، حسب حال اپنے یاد پڑے''، بہر حال اب سبھی نے یہ بات مان لی ہے کہ اسکا سن تالیف ۱۷۹۸ع نہیں ہے جیسا کہ آزاد نے بتایا ہے بلکہ اس سے قبل کا ہے - یعنی ۱۷۸۱ ع سے پہلے کا جبکہ سودا کا انتقال ہوا اور ۱۷۷۵ع سے بعد کا جبکہ آصف الدولہ تخت پر بیٹھے ہیں—

دوسرا ترجمہ میر امن کا ہے جو کہ باغ وبہار کے تاریخی نام سے مشہور ہے اس سے اسکا سنہ تالیف ۱۲۱۷ ھجری یعنی سنہ ۱۸۰۲ع نکلتا ہے- تیسرا ترجمہ میر محمد عوض زریں کا ہے.جسکا ایک عجیب قصہ ہے - پہلے زریں نے فارسی قصے کا خلاصہ فارسی زبان ھی میں تیار کیا- پھر اپنے

مربی راجہ رام دین کے کہنے سے اپنے اس خلاصے کا نہ کہ فارسی قصے کا، ترجمہ اردو زبان میں کیا اور اسے ،، نو طرز مرصع،، کے نام سے مشہور کیا اور اسکی تاریخ ،، باغ وبہار،، نکالی۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان دونوں ناموں کا توارد حسن اتفاق کا کرشمہ ہے۔ ورنہ وہ ایسی غلطی کاہے کو کرتے کہ تحسین اور میر امن دونوں کی کتابوں کے نام سمجھتے۔ بہر حال یہاں ہم انکے ترجمے کو نظر انداز کر رہے ہیں کیونکہ وہ ایک خلاصے کا ترجمہ ہے اور بہت ہی مختصر ہے*۔ اب صرف دو ترجمے ہمارے سامنے آتے ہیں ایک تحسین کا ،، نوطرز مرصع،، اور دوسرا میر امن کا ،، باغ وبہار،، جو کہ سنہ ۱۸۰۳ع میں پہلی بار کلکتے سے ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا۔ کلکتے والے ایڈیسن کے سرورق یہ عبارت جلی حرفوں میں درج ہے جو کہ غالباً میر امن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ ،،باغ و بہار تالیف کیا ہوا میر امن دلی والے کا۔ ماخذ اسکا ،،نو طرز مرصع،، کہ وہ ترجمہ کیا ہوا میر حسین عطا خان کا ہے فارسی قصہ چہار درویش سے،، چنانچہ ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ نے اپنے مقدمے میں بھی اسکے ماخذ کا ذکر کیا ہے۔ اسکے بعد کسی شخص کو اس امر میں شبہ نہ ہونا چاہئے تھا کہ اسکا ماخذ نو طرز مرصع نہیں ہے، لیکن چونکہ ہندوستانی مطبعوں نے سر ورق یہ عبارت درج کرنی چھوڑ رکھی تھی، اور اسکی نقل صرف انگلستان کے ایڈیشنوں میں ہوتی رہی تھی اسلئے مولوی عبدالحق صاحب کو باغ وبہار کی اشاعت کے وقت یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ اسکے ماخذ پر بھی روشنی ڈالیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کی نظر سے باغ وبہار کا کوئی ایسا ایڈیشن نہیں گذرا جسپر یہ عبارت درج تھی اور نہ انہیں ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ کے مقدمے کے دیکھنے ہی کا موقع

---

*مگر اسکی عبارت تحسین کی عبارت کے مقابلے میں بہتر ہے۔ عبارت کا یہ نمونہ ہے۔ ،،درویش بولا کہ یہ آوارۂ وطن باشندۂ یمن ہے۔ اس بندۂ بے مقدار کا والد بزرگوار ملک التجار اور صاحب اقتدار تھا۔ دولتمند اس سے قرض لاتے اور فقیر روز روزینہ پاتے دو فرزند رکھتا تھا یک یہ فقیر دوسری ہمشیر۔ لیکن کارخیر ہمشیر سے اپنے حین حیات میں فراغت کی اور میری پرورش بناز و نعمت کی۔،،

ملا ورنہ وہ میرؔ امن پر یہ الزام نہ لگاتے کہ وہ ,, نو طرز مرصع کا ذکر صاف اڑا گئے ،، اور اپنی کتاب کا ماخذ امیر خسرو کے فارسی قصۂ چہار درویش کو ٹھہرایا ۔ اس پر مولوی عبدالحق صاحب کی بڑی نکتہ چینی کی گئی۔ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اپنے ایک طویل مضمون ,, قصۂ چہار درویش ،، میں وہ عبارت نقل کرکے جسکا کہ ابھی حوالہ دیا گیا ہے نہ صرف میرامن کو مولوی عبدالحق صاحب کے الزام سے بری کیا بلکہ میر امن کی اس روایت کو بھی غلط ثابت کیا کہ ,, یہ قصہ چہار درویش کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زر بخش جو انکے پیر تھے انکی طبعیت ماندہ ہوئی تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور بیمار داری میں حاضر رہتے ،،

انہوں نے میر امن کی اس روایت کو غلط ثابت کرنے میں جو سب سے بڑی دلیل دی ہے وہ یہ ہے کہ محمد شاہ کے عہد کا ایک شخص حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں قصۂ چہار درویش کے ایک مخطوطے کے دیباچے میں بقلم خود اپنے کو فارسی قصۂ چہار درویش کا مصنف قرار دیتا ہے ۔ وہ عبارت یہ ہے—

,, بہ تقریبے حکایتے از دل رسان درویشاں و سرگزشتے از سرگزشتگان قلندراں بہ زبان ہندی بہ عز عرض ہمایوں رسانید و آں حکایت مرغوب پسند خاطر مشکل پسند بادشاہ فیروز مند آمد ۔ پایں کمینہ یعنی حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں فرمان فرماں فرمائے دل و جاں صادرشد کہ آں را از عبارت ہندی بزبان فارسی ترجمہ نماید ۔ بر بنائے علی ہذا، اطاعت فرمان واجب‌الاذعان نمودہ آں حکایت را بالسطربہ زبان عجمی نقل نمودہ ،،

اس مخطوطے کے اختتام پر کاتب کی یہ عبارت درج ہے ,, تمت حکایت عجیب و غریب بتاریخ ۲۴ شہر شوال سنہ ۱۵ محمد شاہی الراقم عبدالکریم—

(۱۷۳۳ع—)

(سنہ ۱۱۴۶ ہجری)

اس مخطوطے کی مزید خصوصیات جو کہ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اپنے مضمون میں دی ہیں یہ ہیں—

(۱) یہ نسخہ رائج الوقت مطبوعہ نسخہ' فارسی سے جسے احمد شاہ خلف شاہ محمد نے تالیف کیا حجم میں نصف ہے۔ ،،اگرچہ محمد علی کا یہ متن مطبوعہ نسخہ کے اکثر مطالب و دیگر خدو خال کو تمام و کمال پیش کرتا ہے لیکن مطبوعہ نسخے کے مقابلے میں بہت ہی مختصر ہے،،

(۲) اسکی عبارت سادہ اور عاری ہے۔ حسن بیان کے بجائے واقعات پر توجہ صرف کی گئی ہے (یعنی خلاصہ ہے) بر خلاف اسکے مطبوعہ نسخے کی زبان میں بڑی شگفتگی و برجستگی ہے،،

(۳) اس کتاب کا کوئی نام موءلف نے نہیں دیا ہے، اور نہ سرورق کوئی نام لکھا ہوا ہے صرف کانب اسے حکابت عجیب و غریب کے نام سے یاد کرنا ہے جو کہ نام نہ ہوا بلکہ حکایت کی صفت ہوئی—

اس میں شبہ نہیں کہ اگر فارسی کے قصہ' چہار درویش کا سب سے قدیم نسخہ یہی ہونا تو ہم محمد علی کے بیان کے مطابق بالکل خاموش ہو جاتے کیونکہ اسے جھوٹا نو کہنے سے رہے، لیکن اب جبکہ آکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں ایک نسخہ فارسی کے قصہ' چہار درویش کا اس سے پہلے کا برآمد ہو چکا ہے تو پھر ہم محمد علی کے بیان کو بھی جانچنے پر مجبور ہوئے۔ اس نسخے کی خبر گیان چند نے اپنی کتاب ، اردو کی نثری داستانیں، میں دی ہے، اس مخطوطے کی سب سے بڑی خصوصیت تو یہ ہے کہ اسکے سر ورق قصہ' چہار درویش لکھا ہوا ہے، اور اسے صرف حکایت عجیب و غریب کہکر ٹالا نہیں گیا ہے، کاتب کی عبارت اختتام قصہ میں یہ ہے جس سے کہا اس کے سن تالیف کا پتہ چلتا ہے—

تمام شد نسخہ قصہ' چہار درویش بہ وقت دو کری روز یکشنبہ بتاریخ بست و هفتم شہر شعبان سنہ ۱۱۴۱ ہجری (۱۷۲۸ع) ۱۰ محمد شاهی د

مکتب (دو سر سدھ؟) بہ عمل نواب مستطاب امارت و ریاست مرتبت شجاع الدین محمد خاں ناظم صوبہ اوڑسہ بہ کاتب الحرف جمال الدین تحریر یافت—،،

اب جبکہ حافظ محمود شیرانی کے مخطوطے کا تقدم زائل ہو چکا ہے ہم انکے مخطوطے کے مؤلف کے اس بیان پر کیونکر ایمان لائیں کہ ،،میں نے اسے ہندی عبارت سے فارسی زبان میں سطر بسطر ترجمہ کیا،، تا وقتیکہ ہمیں اسکا یقین نہ ہوجائے کہ یہ قصہ ہندی میں موجود تھا، اول تو وہ یہ نہیں بتاتا کہ اس نے کس ہندی سے ترجمہ کیا، برج سے راجستھانی سے، اودھی سے یا کھڑی سے—دوم یہ کہ وہ اس قصے کا کوئی نام نہیں بتلاتا ہے۔ بہر حال اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قصہ بغیر کسی نام کے ہندی میں رائج تھا تو پھر یہ دیکھنا پڑیگا کہ یہ قصہ اپنے ماخذ میں ہندی الاصل ہے یا یہ کہ عربی اور فارسی زبان کے قصوں سے آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حافظ محمود شیرانی مرحوم اس روایت کو مسترد کرتے ہیں کہ یہ محمد شاہی عہد سے پہلے فارسی یا عربی زبان میں موجود نہ تھا تو پھر بھی ایک پہلو باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اپنے ماخذ میں ہندی الاصل ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر گیان چندنے اچھی خاصی تحقیق اور جستجو سے کام لیا ہے اور گو ہم انکی تحقیق کو حرف آخر نہیں مانتے تاہم انکے نتائج قابل غور ہیں۔ وہ قصہ، چہار درویش کی مختلف کہانیوں کے ماخذ پر بحث کرتے ہوئے اسکی بیشتر کہانیاں الف لیلہ، حاتم طائی، گل بکاؤلی اورگل صنوبر وغیرہ سے ماخوذ ٹھہراتے ہیں۔ ان میں سے صرف گل بکاؤلی ہندی الاصل ہے ورنہ بقیہ دوسرے قصے عجمی الاصل ہیں۔ اب ذرا اسکی تفصیل سنئے۔ ،،چوتھے درویش کی سرگزشت تمامتر بجز اختتام کے الف لیلہ کی کہانی شہزادۂ زین الاصنام اور شاہ جنات سے ماخوذ ہے۔ تیسرے درویش کی سیر میں داروغہ بہزاد خاں کا قصہ الف لیلہ کی قمرالزماں کی کہانی سے ماخوذ ہے۔ اذربائیجانی جو ان کی سرگزشت جیسے خواجہ سگ پرست بیان کرتا ہے سند باد جہازی کے چوتھے سفر سے ملتی جلتی ہے۔ خواجہ سگ پرست کے بیوفا بھائیوں کا نقش اول الف لیلہ کی کہانی ،،سوداگر اور جن،، میں ملتا ہے۔ رومیوں کو کتے کا جھوٹا کھلانے کی سزا گل و صنوبر میں بھی

ملتی ہے ۔ جوگی اور کھنکھجورے کے علاج کا واقعہ جالینوس اور اسکے شاگرد بقراط کے بارے میں بھی بیان کیا جاتا ہے،، ابتک جتنے بھی ماخذ پیش کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ہندی‌الاصل نہیں ہے ۔ صرف شہزادی بصرہ کی ایک کہانی ایسی ہے جسکا ماخذ ہندی اور فارسی دونوں زبانوں کے قصوں میں ملتا ہے ۔ ،،اگر ایک طرف جینیوں کے کتھاکوش میں مدن منجری کی کہانی اس سے ملتی جلتی ہے تو دوسری طرف حاتم طائی کے قصے میں حسن بانو کی سرگذشت بھی اس سے ملتی جلتی ہے،، اس جزوی مماثلت کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ قصہ‌ٔ چہار درویش کی کہانیاں اپنے ماخذ میں ہندی‌الاصل ہیں ۔ اور نہ ہندی زبان اور ادب کی تاریخ میں اس قصے کا کہیں سراغ ملتا ہے ایسی صورت میں محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں کا یہ بیان سخت مشتبہ ہے کہ ،،میں نے ہندی عبارت سے اسکا ترجمہ سطر بسطر عجمی زبان میں کیا،،—

اب اس سلسلے کے اور دوسرے دلائل پر غور کیجئے ۔ اگر حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں جوکہ محمد شاہی عہد میں تھا اس قصے کا فارسی میں مصنف ہوتا تو میر امن جوکہ محمد شاہی عہد میں پیدا ہوئے اور جوکہ دلی سے سنہ ۱۷۶۱ع میں جلا وطن ہوئے اسکی تصنیف سے ضرور آشنا ہوتے جوکہ سنہ ۱۷۳۳ع میں مرقوم ہوئی ۔ اور اگر وہ اسکی تصنیف سے واقف نہ ہوئے تو کم از کم اسکے نام سے تو ضرور ہی واقف ہوتے ، اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی ضروری نہیں ہے تو پھر وہ فورٹ ولیم کالج کے کسی استاد سےتو پوچھ ہی سکتے تھے، وہاں تو ایک درجن حضرات دہلوی میر امن سے عمر میں بڑے اور چھوٹے دونوں ہی موجود تھے ۔ قصہ‌ٔ چہار درویش کا مصنف حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں دہلوی محمد شاہی عہد کا ہو اور ان دلی والوں کو اسکے نام اور کام کا بالکل علم نہ ہو جنہوں نے دلی کی گلیاں ابدالی کے حملے کے وقت چھوڑیں ۔ یہ کچھ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ محمد علی نے اس قصے کا خلاصہ فارسی میں لکھا ۔ انکار تو اس بات سے ہےکہ ہم اسے فارسی قصہ چہار درویش کا پہلا

مصنف نہیں مانتے ھیں، کیونکہ اول تو ایک مخطوطہ اسکے نسخے سے پہلے کا موجود ھے۔ ثانیاً یہ کہ جب اسنے اس قصے کو ھندی زبان سے سطر بسطر ترجمہ کیا تو معلوم ایسا ھوتا ھے کہ یہ قصہ بہت پہلے سے رائج تھا* ۔ ایسی صورت میں اگر میر امن نے اسے امیر خسرو سے منسوب کیا تو اس میں انکی جدت طبع کو دخل نہ تھا بلکہ ایک مقبول عام روایت کو نقل کیا ۔ اب سوال یہ ھے کہ کیا میر امن سے پہلے بھی کسی نے اس قصے کو امیر خسرو سے منسوب کیا ھے؟ ۔ جہاں تک میرے علم اور مطالعے کا تعلق ھے، اس کا ذکر باغ وبہار کے دیباچے سے پہلے کسی اور کے قصہ' چہار درویش میں نہیں ملتا ھے، نہ تو اس روایت کا ذکر عطا خاں تحسین کرتے ھیں اور نہ رزمن ۔ رہ گیا حافظ محمود شیرانی مرحوم کا یہ بیان کہ میر امن نے یہ روایت فارسی کے مطبوعہ نسخے مواہـہ میر احمد شاہ خلف محمد شاہ کے دیباچے سے نقل کی ھے صحیح نہیں ھے کیونکہ میر احمد شاہ خلف محمد شاہ نے فارسی کا نسخہ باغ وبہار کی اشاعت کے بعد تالیف کیا ھے ۔ اور اپنے دیباچے میں میر امن کے اردو ترجمے کا ذکر کیا ھے ۔ معلوم ایسا ھوتا ھے کہ حافظ محمود شیرانی مرحوم کے سامنے احمد شاہ کا مولفہ وہ مطبوعہ نسخہ نہ تھا جس میں کہ اس کا دیباچہ بھی شامل ھے ۔ میں وہ متعلقہ عبارت قارئین کے استفادے کے لئے نقل کر رھا ھوں—

,,چند نسخہ' قلمی بہم رسانیدند اما بسبب اندراس و کہنگی یک نسخہ از انہا سالم و صحیح نہ برآمد ۔ یکے دو جز از سر ندارد و دیگرے از پا غرضیکہ ھمہ بوسید و کرم خوردہ پس بکمال محنت و جانفشانی باھم ارتباط دادہ و اجزائے از ھم پاشیدہ خلط نمودہ و از نسخہ' اردو ترجمہ میر امن دھلوی نیز مقابلہ کردہ——،،

یہ میر احمد شاہ خلف محمد شاہ بھی حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں کا کوئی ذکر نہیں کرتا ھے ۔ صرف سر ولیم اوسلے نے اپنی

---

* اگر اسے کسی نے ھندی میں سنایا تو اس سے یہ کب ثابت ھوتا ھے کہ وہ فارسی میں رائج نہیں تھا ۔ مولف

فہرست میں قصہ چہار درویش کا مصنف معصوم علی خاں کو بتلایا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اسی اوسلے کی فہرست سے تقویت حاصل کرتے ہوئے معصوم علی خاں کے اس بیان کو صحیح سمجھا کہ ,,میں نے ہندی زبان سے سطر بسطر اس کا ترجمہ عجمی زبان میں کیا،، اور اسکے بیان کی صحت کو جانچنے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں پر میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمیں اسپر کوئی اصرار نہیں ہے کہ میر امن نے جو یہ لکھا ہے کہ اسے امیر خسرو نے کہا اسے درست سمجھا جائے۔ کیونکہ اب تک فارسی کے جتنے نسخے ملے ہیں ان کا اسلوب امیر خسرو کے اسلوب سے نہیں ملتا ہے اور نہ تاریخ کی کوئی کتاب اس بات کا حوالہ دیتی ہے کہ اس نام کا کوئی قصہ امیر خسرو نے تصنیف کیا۔ ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ قصہ محمد شاہی عہد سے پہلے سے مشہور تھا۔ اور کیا عجب جو اس حکایت کے ساتھ مشہور رہا ہو کہ اسے امیر خسرو نے اپنے پیرو مرشد نظام الدین اولیا کی تیمار داری میں کہا۔ کیونکہ اس قسم کی نسبتیں داستانوں کی کسی بادشاہ یا ولی اللہ سے بالعموم دے دی جایا کریں۔ بختیار نامے کے سبب تالیف میں بھی ایک ایسی ہی حکایت لکھی ہوئی ہے ,,شاهزادۀ بختیار یکےازاں قصہ هارا برائے استخلاص خود طرح و نقل کردہ و از مرگ رهائی یافتہ و خوش بخت گردیدہ است،، اس قسم کی نسبتوں کو تاریخی حقیقت پر محمول نہ کرنا چاہئے۔ داستان کی ساکھ بٹھانے اور اسکی برکت کو جتانے کا یہ ایک انداز تھا، جیسے ہمارے اطبا ہر نسخہ هوالشافی لکھ دیا کرتے ہیں۔ میر امن جیسا اپنے بزرگوں سے سنتے آئے تھے ویسا انہوں نے لکھ دیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر اسکا مصنف معصوم علی خاں ہوتا تو وہ بے شک یہ بات نہ لکھتے۔ اور اسی کا نام لکھتے۔ لیکن وہ حکیم مغفور کب اسکا مصنف تھا۔ اس سلسلے میں میں نے چونکہ میر امن کی جلا وطنی کی تاریخ بھی مقرر کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ محمد شاہی عہد میں پیدا ہوئے تھے اسلئے اب ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ کچھ اسپر بھی روشنی ڈالی جائے۔ تاکہ قارئین کو یہ تو معلوم ہو سکے کہ جسوقت حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں نے قصہ چہار درویش کو بغیر کسی نام کے سنہ ۱۷۳۳ع میں ہندی عبارت سے ترجمہ کیا

اسوقت میر امن کی عمر کیا تھی ، لیکن قبل اسکے کہ ہم اس ذکر کو چھیڑیں ایک بات مصحفی کی بھی لکھنا چاہتے ہیں مصحفی اپنے تذکرے ,, عقد ثریا،، میں لکھتے ہیں کہ ,,بدیع العصر حاجی ربیع انجب نے ایک بار شتر کتابیں تصنیف کی تھیں ان میں قصہ چہار درویش بھی تھا یہ سب حوری چلی گئیں ،،۔

میر امن کے حالات زندگی

ارباب نثر اردو کے مصنف مولوی سید محمد صاحب اور داستان تاریخ نثر اردو کے مصنف مولانا حامد حسن قادری دونوں نے لکھتے ہیں کہ میر امن کا نام میر امان تھا اور امن تخلص تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں بتلاتا کہ اس نام اور تخلص کا پتہ انھیں کہاں سے چلا۔ بس یہ لکھ دیتے ہیں کہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں باتیں بے بنیاد ہیں کہ ان کا نام میر امان تھا اور امن تخلص تھا۔ انکا نام ہی امن تھا۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اردو شعراء کے سارے تذکرے میر امن کے ذکر میں خاموش ہیں اور بجا طور پر خاموش ہیں کیونکہ میر امن نہ تو شاعر تھے اور نہ شاعر کے بھائی کہ ان کا ذکر کیا جاتا۔ وہ تو صرف ایک تک بند تھے۔ ،،اگرچہ فکر سخن کہنے کی ساری عمر نہیں کی ہاں مگر خود بخود جو کوئی مضمون دل میں آیا تو اسے باندھ ڈالا نہ کسو کا استاد نہ کسی کا شاگرد۔ بیت

نہ شاعر ہوں میں اور نہ شاعر کا بھائی
فقط میں نے کی اپنی طبع آزمائی،، (دیباچہ گلشن خوبی)

ایک ایسے شخص کے بارے میں جو صرف تک بند تھا یہ کہنا کہ وہ امن اور لطف دونوں تخلص کرتے تھے انھیں زبردستی شاعر بنانے کے مترادف ہے۔ پھر بھی اس کا امکان پایا جاتا ہے کہ جسطرح دنیا کے بہت سے تک بند اپنا تخلص اختیار کرتے ہیں اسطرح وہ بھی تخلص کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب اس نقطۂ نظر سے ہم انکے اشعار پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک جگہ باغ وبہار میں لطف کے تخلص کااحتمال پیدا ہوتا ہے۔ میں نے

احتمال کا لفظ اس لئے استعمال کیا ھے کہ جس بیت سے ان کا تخلص لطف برآمد کیا جاتا ھے اس میں اول تو لطف پر تخلص کا کوئی خط نہیں کھنچا ھے دوسرے یہ کہ لطف پر لطف، کا فقرہ جو کہ مستعمل ھوا ھے وہ لغوی معنی بھی رکھ سکتا ھے ۔ وہ بیت یہ ھے—

تو کونین میں لطف پر لطف رکھ
خدایا بحق رسول کبار

اگر یہ صحیح ھے کہ یہاں پر ایک لطف بطور تخلص کے استعمال ھوا ھے تو وہ صنعت ایہام سے خالی نہیں ھے ۔ ایسی صورت میں اس کا فیصلہ کرنا مشکل ھے کہ وہ لطف تخلص کرتے تھے کہ نہیں ۔ کیونکہ اس بیت کے علاوہ کسی اور جگہ اس قسم کا حسن ایہام پیدا نہیں ھوا ھے—

یہ ھے میر امن کے حالات سے ھماری واقفیت کا عالم ۔ بہر حال اس سے ھمیں ھمت نہ ھارنی چاھئے ۔ کبھی کبھی کسی مختصر سی عبارت کے گہرے مطالعے سے بڑی سے بڑی چیزیں برآمد ھو جاتی ھیں ۔ اس وقت جو تحقیق میرے پیش نظر ھے وہ یہ ھے کہ باغ وبہار کی تصنیف کے موقع پر میر امن کی عمر کیا تھی ۔ انھوں نے وفات کس سنہ میں پائی اور وہ دلی سے جلا وطن کس سنہ اور کس عمر میں ھوئے—

میر امن کا خاندان ھمایوں کے عہد سے لیکر شاہ عالمگیر ثانی کے عہد تک ”منصبدار قدیمی اور خانہ زاد موروثی میں شمار کیا جاتا اور یہ لقب انکے خاندان کا پادشاھی دفتر میں درج تھا“۔ اس افتخار خاندان کے اظہار کے بعد وہ لکھتے ھیں کہ ”جب ایسے گھر کی کہ سارے گھر اس گھر کے سبب آباد تھے یہ نوبت پہنچی کہ ظاھر ھے عیاں را چہ بیاں (یہ اشارہ صاف اس زمانے کے مغل بادشاہ کی طرف ھے کیونکہ سارے گھر اسی ایک گھر کے سبب سے آباد تھے) تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کیا اور احمد شاہ درانی نے (مراد ابدالی سے ھے ۔ میر نے بھی ذکر میر میں احمد شاہ ابدالی کو درانی ھی لکھا ھے) گھر بار تاراج کیا ۔ ایسی ایسی تباھی

کھا کر (جاگیر کے ضبط ہونے اور گھر بار ناراج ہونے کے بعد) دلی سہر سے کہ جنم بھم میرا ہے اور انول نال وھیں گڑا ہے جلاوطن ھوا (صیغہ واحد متکلم ہے) اور اسا جہاز کہ ناخدا بادساہ نھا غارت ھوا (یہ اشارہ مغلیہ عہد کے خاتمہ کی طرف ہے۔ ساہ عالمگیر نانی کی موت کے بعد دلی کا تخت مغلیہ تاج کی جلوہ افگنی سے نقریباً بارہ سال تک محروم رہا) میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا—،،

اب ان جملوں کے سانھ اختتام دیباچے کے بھی چند جملے ملاحظہ کیجئے—
،،جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور سہر کو لٹوایا۔ شاہ عالم پورب کی طرف تھے۔ کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا۔ سہر بے سر ہوگیا سچ ہے پادشاہت کے اقبال سے سہر کی رونق تھی انکبارگی تباھی پڑی۔ رئیس وہاں کے میں کہیں تم کہیں، ہوکر جہاں جس کے سینگ سمائے وہاں نکل گئے،،

جہانتک دلی سے ان کے جلاوطن ہونے کا تعلق ہے۔یہ دونوں عبارتیں صاف اس چیز کی طرف اشارہ کر رہی ھیں کہ وہ ۱۷۶۱ء میں جلاوطن ہوئے جبکہ احمد شاہ ابدالی نے دلی کو ایسا لٹوایا کہ لوگ نادرشاہ درانی کی غارتگری کو بھی بھول گئے۔ میر تقی میر ذکر میر میں اس غارتگری اور روسا کے تتربتر ہونے کا احوال ان الفاظ میں لکھتے ھیں،، ایک عالم خاک وخون میں ملگیا۔ تین دن اور تین رات تک یہ ظلم جاری رہا۔ درانیوں نے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ چھوڑی۔ انھوں نے چھتیں اور دیواریں توڑ ڈالیں اور لوگوں کے سینے زخمی کر دئے۔ اعیان سلطنت فقر ہو گئے، وزیر و شریف عریاں، کتخدایاں بے خانماں، ان میں سے اکثر مصیبت میں گرفتار کوچہ و بازار میں رسوا تھے۔ نئی دھلی ساھجہاں آباد خاک کے برابر ہو گئی۔ اسکے بعد یہ بے رحم پرانی دلی کی طرف متوجہ ہوئے اور افغانوں نے بیشمار لوگوں کو ہلاک کر ڈالا۔ سات آٹھ دن تک یہی ہنگامہ گرم رہا۔ کسی کے گھر پہننے کے کپڑے اور ایک دن کے کھانے کا سامان نہ رہا۔ مردوں کے سر پر ٹوپی اور عورتوں کے سر پر دوپٹہ تک نہیں تھا۔

ظالم لوگوں نے غلہ چھین لیا اور غریبوں کے ہاتھ قیمتاً فروخت کیا۔ مصیبتوں کی فریاد آسمان تک پہنچی اور ابدالی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ بہت سے لوگ دلی چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے اور وہاں مر گئے،،

یہ واقعہ سنہ ۱۷۶۱ع کا ھے جبکہ شاہ عالم ثانی پورب میں تھا اور دلی کا تخت بادشاہت سے خالی تھا۔ کیونکہ عالمگیر ثانی کو سنہ ۱۷۵۹ع میں قتل کیا جا چکا تھا اور عمادالملک کا نامرد کیا ہوا پادشاہ شاھجہاں ثانی صرف سال بھر یعنی ۳۰ نومبر سنہ ۱۷۵۹ع سے لیکر ۱۰ اکتوبر ۱۷۶۰ع تک بادشاہ رہا۔ اسکے بعد یہ تخت تقریباً بارہ سال کیلئے اسوقت تک خالی رہا جبتکہ شاہ عالم ثانی پورب سے بلائے نہیں گئے اور انھیں تخت پر بٹھایا نہیں گیا۔

جہانتک سورج مل جاٹ کے جاگیر ضبط کرنے کا تعلق ھے وہ واقعہ بھی سنہ ۱۷۶۱ع سے کچھ پہلے ھی کا ھے، سورج مل جاٹ نے ۱۲ جون سنہ ۱۷۶۱ع کو اکبر آباد پر قبضہ کیا، لیکن اس تاریخ سے کچھ دنوں پہلے ھی ،،اس نے اکبر آباد کے اکثر محالات پر قبضہ کر لیا تھا،، ۔(ذکرمیر)

یہ ساری شہادتیں اس بات کو کلی طور سے ثابت کرتی ھیں کہ میر امن سنہ ۱۷۶۱ع میں دلی سے جلا وطن ہوئے، اب یہ دیکھنا ھے وہ عظیم آباد میں کتنے دنوں تک رہے اور وہاں سے اشرف البلاد کلکتے میں کب آئے۔ ،،اور اسکے بعد کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا، کچھ بنی کچھ بگڑی۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے روزگار نے موافقت نہ کی، عیال و اطفال کو چھوڑ کر (اس سے پہلے عیال و اطفال کا ذکر نہیں آتا ھے)، تن تنہا کشتی پر سوار ہو کر ، اشرف البلاد کلکتے میں آب‌ودانہ کے زور سے آپہونچا۔ چندے بے روزگار گزرے۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا۔ لیکن نباہ نہ دیکھا تب منشی بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گلکر ایسٹ دام اقبالہ کے رسائی ہوئی،،۔

منشی بہادر علی جی حسینی کا تقرر فورٹ ولیم کالج میں بحیثیت صدر شعبہ ہندی کے سنہ ۱۸۰۱ع میں ستمبر میں ہوا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انکے تقرر کے ایک ہی آدھ مہینے کے بعد میر امن کا بھی تقرر ہوا ہے کیونکہ وہ باغ و بہار کی تالیف کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ،،جب حساب کیاتو بارہ سو پندرہ ھ کے آخر سال (۱۸۰۱ع) میں لکھنا شروع کیا تھا اور باعث عدم فرصت کے بارہ سئے سترہ ھ کے ابتدا میں انجام ہوئی،، اسکے یہ معنی ہوئے کہ وہ کلکتے میں سنہ ۱۷۹۸ع میں پہونچے ہیں، جہاں دو سال میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کی خدمت انجام دینے کے بعد فورٹ ولیم کالج میں ملازمت اختیار کی۔ اس سے پہلے یعنی سنہ ۱۷۶۱ع سے لیکر سنہ ۱۷۹۷ع تک وہ یا تو مسلسل عظیم آباد میں رہے یا پھر عظیم آباد پہونچنے سے پہلے ایک آدھ سال تک کچھ ادھر ادھر بھی بھٹکتے رہے ہیں۔ اب یہ دیکھئے کہ باغ و بہار کی تالیف کے موقع پر میر امن کی عمر طبعی کیا ہے۔ میں نے عمر طبعی کا ذکر کیا ہے جیسے عناصر کے اعتدال و اضمحلال سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ سن وسال سے۔

،،بارے طالع کی مدد سے ایسے جوانمرد (جان گلکرسٹ) کا دامن ہاتھ لگا ہے۔ چاہئے کہ دن کچھ بھلے آویں۔ نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہا ہوں۔ اور گھر میں دس آدمی* چھوٹے بڑے پرورش پاکر دعا اس قدردان کو کرتے ہیں،،۔

اسی کے ساتھ اختتام کتاب کا قطعہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

میں اسکے سوا چاہتا کچھ نہیں
یہی ہے دعا میری اے کردگار

تری یاد میں میں رہوں دم بدم
کٹے اس طرح میرا لیل و نہار

---

* میرامن کثیر العیال تھے ،،واسطے پرورش اطفال کے اس کثیر العیال نے ۔۔۔،،

گلشن خوبی دیباچہ

نہ پرسش کی سختی ہو مجھپر کبھی
نـہ شب گور کی اور نـہ روز شمار

تو کونین میں لطف پر لطف رکھ
خـدایـا بحق رسول کـبار

ان دنوں اقتباسات کے آئینے میں ایک بوڑھا کھوسٹ آدمی گور میں پاؤں ڈالے روز شمار کی پرسش اور شب گور کی سختی سے گھبرایا ہوا اللہ اللہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ایک ٹکڑا کھا کے پاؤں پھیلا کر سو رہنے کو غنیمت جانتا ہے ۔ چنانچہ یہ مرد پیر اسی سال یعنی سنہ بارہ سو سترہ ھجری کے آخر میں اس دارفانی سے رخصت ہوگیا ۔ اور اسکے متعدد ثبوت ھیں، ایک تو یہ کہ فورٹ ولیم کالج کی خدمات کے سلسلے میں ان کا ذکر ۱۸۰۲ع کے بعد وھاں کی رپورٹ میں نہیں آتا ہے ۔ اس میں شبہہ نہیں کہ باغ و بہار کے بعد انھوں نے ملاحسین الواعظ کاسفی کی کتاب اخلاق محسنی کا ترجمہ بھی گلشن خوبی کے نام سے کیا جو کہ ایک مختصر سی کتاب ہے ۔ * چنانچہ وہ گلشن خوبی کے دیباچے میں لکھتے ھیں کہ ,, سنہ ایک ہزار دو سو ستھرہ ھجری میں مطابق اٹھارہ سو دو عیسوی کے باغ و بہار کو تمام کرکے اسکو لکھنا شروع کیا،، ۔ اور یہ تو وہ آپ کو بتا ھی چکے ھیں کہ سنہ ۱۸۰۲ع کے شروع میں انھوں نے باغ و بہار کو مکمل کر دیا تھا ۔ اس لئے یہ عین قرین قیاس ہے کہ اخلاق محسنی کا ترجمہ بھی فوراً ھی اسکے کے بعد پانچ چھ مہینے میں ختم ہوگیا ہوگا ۔ اور یہ صرف قیاس ھی نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ اب انکی تاریخ وفات کا پتہ چل گیا ہے ۔

نصراللہ خاں قمر خورجوی اپنے تذکرے ,, ھمیشہ بہار،، میں احسن شاعر کے ذکر میں یوں لکھتے ھیں ,, احسن میر احسن نام دارد پسر میر امن از خوش

---

* گلشن خوبی مطبوعہ احمدی پریس (ھگلی) ۱۸۴۶ع ۔ اس نسخے میں اٹھارہ بائس سایز کے ۴۶۲ صفحات ھیں، ہر صفحے پر ۱۶ سطر اور دس گیارہ الفاظ ہر سطر میں اوسطاً ھیں ۔

فکران مرشدآباد است جوانے دلچسپ و با اکثر خوبی موصوف از مدتے در عظیم‌آباد می باشد۔ و از فیض صحبت فقیہ، صاحب درد مند، شاگرد مرزا مظہر جانجانان۔ انشا خوب می‌نویسد و در تاریخ دانی دستگاہ درست دارد۔ بدرش روز پنشنبہ وقت صبح سال سنہ ۱۲۱۷ ھجری رہ آورد بادیہ فنا شد۔ بعد وفات پدر نامدار، نواب الدولہ کہ ار امرائے آں دیار اند اور را بسلک مصاحبت خود منسلک کردند،،۔

نصراللہ خاں قمر خورجوی کے اس بیان کی تصدیق مولوی محسی علی خاں جو قاموی کے اس اندراج سے بھی ہوتی ہے جسے انھوں نے میر امن کی موت کا اپنی کتاب ،،مواقیب‌الفوائح،، میں کیا ہے۔

،،میر امن دھلوی صاحب گلشن خوبی، در سال دو ار دہ صد و دھم و هفت ھجری نبوی فوت شدند،،

موافیت‌الفوائح کا ذکر مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب نے اپنی کتاب ,,ارمغان یاور،، میں بھی کیا ہے۔ اسکا قلمی نسخہ کرنا ٹک یا مدارس کی کسی لائبریری میں ہے، جہاں تک مولوی مجتبی علی خاں جو قاموی کے ذکر خیر کا تعلق ہے، وہ قدرت اللہ شوق کے نتائج‌الافکار میں بھی پایا جاتا ہے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے۔ ,مولوی مجسی‌علی کا تخلص خوشنود تھا۔ عربی اور فارسی میں شعر کہتے تھے آپ جو قاموی سے قاضی‌القضات کا امتحان دینے کی غرض سے سنہ ۱۲۱۶ ھجری میں کلکتے گئے، ۔ اغلب یہی ہے کہ ان کے کلکتے کے دوران قیام ھی میں میر امن کا انتقال ھوا ھوگا۔ چونکہ وہ قاضی‌القضات تھے اسلئے انھوں نے میر امن کو گلشن خوبی کی نسبت سے یاد فرمایا اور باغ و بہار کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ گلشن خوبی ایک اخلاقی کتاب ہے اور باغ و بہار ان کے نقطۂ نظر سے ایک مرخرافات کی سے تھی۔

ان حالات کے پیس نظر مجھے تو ان کی عمر سنہ ۱۲۱۷ ھجری میں ستر سال سے کم کی نظر نہیں آتی ہے، ایسی صورت میں یہ تصور کرنا کہ

وہ محمد شاھی عہد کے کسی سال میں پیدا ہوئے ہونگے جو کہ سنہ ۱۷۲۰ع سے لیکر ۱۷۴۸ع تک رہا ہے بالکل ھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے* اس کا ایک داخلی ثبوت یہ بھی ہے کہ انھوں نے جس دلی کی معاشرت کی تصویر باغ و بہار میں کھینچی ہے وہ محمد شاھی عہد کے دور فراغت کی معلوم ہوتی ہے کہ پھر وہ زمانہ لوٹ کر نہیں آیا اور تاوقتیکہ انھوں نے وہ زمانہ دیکھا نہ ہو وہ اسکی تصویر ایسی حافظہ سے کیونکر کھینچ سکتے تھے۔ اس عہد فراغت کی تصویر تاجروں کی خوشحالی اور ضیافتوں کے اہتمام میں ملتی ہے جہاں مے نوشی اور گانا بجانا آداب مجلس میں شامل تھا۔

---

*محمد حسین آزاد نے بھی انھیں اپنے مضمون ”شہرت عام بقائے دوام“ میں محمد شاھی عہد کا بتایا ہے۔

میر امن کے ترجمے کی نوعیت اور اہمیت

قبل اسکے کہ ہم باغ و بہار کا تنقیدی مطالعہ کریں یعنی اسے ایک داستان کی حیثیت سے بھی جانچیں نہ کہ صرف زبان و بیان کے اعتبار سے ۔ ہمیں اسکے ترجمے کی نوعیت کو سمجھ لینا چاہئے کیونکہ یہ اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر یہ صرف ایک ترجمہ ہے تو پھر اسے صرف ترجمے ہی کی حیثیت سے کیوں نہ دیکھا جائے۔

میر امن کا ترجمہ نقل بھی ہے اور اصل بھی ۔ نقل اس معنی میں ہے کہ انہوں نے قصۂ چہار درویش کے بنیادی خد و خال میں جو کہ ”نو طرز مرصع“ میں پائے جاتے ہیں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے اور اصل اس معنی میں ہے کہ ”باغ و بہار“ کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ نہیں ہے ۔ اور نہ یہ کسی ترجمے کی اصلاح یافتہ صورت ہے ، بلکہ اپنا ایک آزاد وجود رکھتا ہے ۔ میر امن نے ”نو طرز مرصع“ کے مطالب کو ذہن میں رکھکر اسے ”اپنے محاورے“ اور ”ہندوستانی گفتگو“ میں اسطرح بیان کیا ہے کہ اس سے قصے کے قالب میں ایک نئی جان آگئی ہے ۔ بات یہ ہے کہ کردار کی تخلیق میں مکالمے کو بڑا دخل ہوتا ہے اور چونکہ اس کتاب میں مختلف کرداروں سے گفتگو میر امن نے انکی اپنی زبان میں کرائی ہے اسلئے یہ کتاب بہت کچھ طبع زاد ہو گئی ہے ۔ چنانچہ اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے جان گلکرائسٹ نے ان کی خدمت میں یہ خراج تحسین پیش کیا ”اسمیں کلاسیکی پاکیزگی ایسی ہے کہ اسپر بڑی حد تک طبع زاد ہونے کا گمان ہوتا ہے“۔

اس کتاب کی توخیر نوعیت ہی مختلف ہے، جہاں میر امن نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے وہاں بھی انکے ترجمے کی نوعیت عام مترجموں کے

ترجموں سے مختلف ہے ۔ گلشن خوبی سے ایک چھوٹا سا اقتباس ملاحظہ کیجئیے ,,کہتے ھیں کہ ایک بزرگ نے جب اپنی زندگی کی امانت اجل کے فرشتے کو سونپی اور اسباب اپنی ہستی کا اس سرائے فانی سے منزل باقی میں پہنچایا، کسو شخص نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہو مرنے کے بعد تم پر کیا کیا واردات گزری اور اب کیا حال ھے جواب دیا کہ ایک مدت تئیں عذاب کے عقاب کے پنجے میں اور سختی کے شاہین کے جنگل میں گرفتار تھا ۔ ایک بارگی کریم کے کرم سے ان حالات سے چھٹکارا ہوا اور سارے گناہ معاف ہو گئیے،،۔

وہ اپنے اس ترجمے کی نوعیت پر اسی کتاب کے دیباچے میں خود بھی روشنی ڈالتے ھیں ۔ ,,لیکن فقط فارسی کے ھو بہو معنی کہنے میں کچھ لطف اور مزہ نہ دیکھا اسلئیے اسکا مطلب لیکر اپنے محاورے میں سارا احوال بیان کیا اور جسطرح نسخ سعدی شیرازی کی گلستان بہ سبب(لچ ؟) فارسی کے مکتب میں پہلے کام آتی ھے ویسے ھی میں نے بھی آردوئے معلا کی زبان کو بے پیچ ورکاؤ جیسے بادشاہ سےلیکر امراؤ اور اسکےملازم بولتےھیں بولا ۔ الا نہ عربی و فارسی کی لغتیں اصطلاحیں چاھتا تو بہت سی بھر دیتا لیکن بہ زبان کچھ کیفیت نہ پاتی بلکہ اسپرٹس پاکر کچھ زبان اور کی ھوجاتی،،

اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ھےکہ جب وہ فارسی سے ترجمہ کرنے میں اسقدر آزادی کو دخل دیتےتھے تو پھر ,,نو طرز مرصع،، کے مطلب کو جو کہ اردو زبان میں ھے اپنے محاورے میں بیان کرنے میں کسقدر آزادی برتی ہوگی۔

اب سوال یہ ھے کہ ایک ایسے دور میں جبکہ اردو نثر کو کسی نے منہ نہیں لگایا تھا اور فارسی نثر کی مسجع اور مقفے عبارت کا اسلوب عام طور پر ذھنوں پر چھایا ہوا تھا میر امن نے اسقدر سہل اور سادہ اسلوب کیونکر نکالا

جبکہ اس کا کوئی نمونہ انکے سامنے موجود نہ تھا*۔ ایک جواب تو یہ ہے جو کہ عام طور پر دیا جاتا ہے کہ اسمیں فورٹ ولیم کالج کی ضروریات کو دخل تھا۔ انگریز افسروں کو ایسی ہندوستانی سیکھنی تھی جس سے انھیں خاص و عام کی گفتگو سمجھنے اور ان سے گفتگو کرنے میں آسانی ہو۔ لیکن یہ جواب کافی نہیں ہے گو کہ یہ فیکٹر اس میں شامل ہے۔ باغ و بہار کوئی ہندوستانی بول چال کی کتاب نہیں کہ اسے اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے۔ اس کام کے لئے تو وہاں کے انگریز اساتذہ نے متعدد کتابیں خود لکھی ہیں۔ میر امن یا فورٹ ولیم کالج کے دوسرے ہندوستانی اساتذہ کو ایسی اس بات کی نہیں ملی تھی کہ وہ انگریز افسروں کو ہندوستانی بول چال سکھائیں یا ہندوستانی بول چال کی کتابیں لکھیں۔ ان کا انتخاب نہ تو اس غرض سے کیا گیا تھا اور نہ انکے ذمہ یہ خدمت تھی۔ ان کا کام تو یورپی طلباء کو مشرق کے ادب سے رو شناس کرانے اور ہندوستانی زبان کی خوبیوں اور لطافتوں سے متعارف کرانے کا تھا۔ چونکہ بد قسمتی سے اردو نثر کا کوئی سرمایہ نہ تھا اسلئے ان کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ ہندوستانی زبان میں معیاری نثر کا نمونہ پیش کریں۔ اور چونکہ یہ کام جلد تر اور بدرجہ احسن صرف فارسی کتابوں کے ترجموں کے ذریعے ہی انجام پا سکتا تھا اس لئے انھیں اس کام پر مامور کیا گیا۔ یہاں جو بات ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ کہ ان کا کام ترجمہ کرنا نہیں تھا، بلکہ ہندوستانی نثر کا معیاری نمونہ پیش کرنا تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس نثر کے معیار کو متعین کرنے میں ان ہندوستانی علما کے مذاق کو اتنا دخل نہ تھا جتنا کہ کالج کے انگریز اساتذہ کے مذاق کو۔ وہیں سے ہمارے ادب کی تاریخ ایک نیا موڑ اختیار کرتی ہے جو ہر چند کہ خارجی اسباب کے باعث تھا، لیکن

---

* باغ و بہار سے غالباً چند سال پہلے کی ایک داستان ''شاہ شجاع الشمس'' شاہ عالم ثانی کی تصنیف کی ہوئی پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے مولوی ذکاءاللہ تاریخ ہند جلد نہم میں لکھتے ہیں کہ اس کی عبارت میر امن کی عبارت کی طرح سہل اور سادہ ہے۔ چونکہ مجھے اس کتاب کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے اس لئے اسے زیر بحث لانا مناسب نہیں سمجھا۔

اس نے ایسا زبردست انقلاب پیدا کیا کہ بالاخر وھی سادگی یا نیچرلزم، جب ھمیں ھوش آیا سرسبد اور حالی کے زمانے میں، ھمارے جدید ادب کی سنگ بنیاد ٹھہری۔ ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ ھوں یا کہ ٹامس روبک اور جوزف ٹیلر، یہ تینوں ھی فورٹ ولیم کالج کے سربرآوردہ اساتذہ انگلستان کی تحریک افادیت (utilitarianism) اور اڈیسن اورگولڈ اسمتھ کی تحریک نیچریت سے متاثر تھے۔ وہ اردو نثر کو انھیں دونوں تحریکوں کی صفات کے آئینے میں دیکھنا چاھتے تھے۔ جہاں افادیت کے تحت وہ بیکار الفاظ کے طومار سے نفرت کرتے وھاں نیچرلزم کے تحت وہ سادگی، صفائی بیان اور پاکیزگی زبان کو پسند کرتے۔ اس موقع پر مجھے گارساں دتاسی کا ایک جملہ باغ و بہار کی خوبی سے متعلق یاد پڑ رھا ھے، اس سے ان نکات پر بھر پور روشنی پڑتی ھے۔ ,,حضرات! اس کتاب میں آپ اس زبان کا مطالعہ کرینگے جو ھندوستانی کہلاتی ھے اور اسمیں آپ ان الفاظ کو نہیں پڑھینگے جنکا کوئی مفہوم نہیں۔ آپ اسکے علاوہ ایک اور بات بھی پائینگے وہ یہ ھے کہ اس کے الفاظ خیالات کی نیابت کرتے ھیں،، اور وھی سنجص فورٹ ولیم کالج کے افسانوی ادب کے ترجموں پر تبصرہ کرتے ھوئے لکھتا ھے کہ ,,ان ترجموں کو اگر ذرا غور سے دیکھنے کی زحمت گوارا کی جائے تو معلوم ھو جائے گا کہ ترجمہ تو کیا انھوں نے تقلید بھی نہیں کی وہ بالکل جدا کتابیں ھیں۔ قصہ تو وھی ھے مگر مضمون کی صورت بالکل الگ ھے،،۔

اب مجھے اس سلسلے میں صرف ایک سوال کا جواب دینا رہ گیا ھے اور وہ سوال ایسا ھے جسے نہ تو آج تک کسی نے اٹھایا اور نہ کسی نے اسکے جواب دینے کی ضرورت محسوس کی۔ میر امن نے کیوں ,,نو طرز مرصع،، ھی کو باغ وبہار کے ماخذ کے لئے منتخب کیا، کیوں نہیں فارسی کے قصہ چہار درویش کو اس کا ماخذ بنایا؟ یہ سوال اسلئے اور بھی زیادہ اھم ھے کہ ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ میر حسین عطا خاں کے ,,نو طرز مرصع،، کے بارے میں لکھتے ھیں کہ ,,اردو زبان کے ایک نمونے کی حثیت سے یہ ترجمہ عربی فارسی کے فقرے اور محاوروں کی بہتات کے باعث ناقص قرار پایا اس نقص کو دور کرنے کے لئے میر امن دلی والے نے میر حسین عطا خاں تحسین کے ترجمے سے اپنا نیا اسلوب (version) نکالا،، جب یہ ترجمہ اسقدر ناقص تھا تو پھر

اسی کو ماخذ بنانے کا کیا سبب تھا؟ جہاں فارسی کے دوسرے قصوں کا براہ راست ترجمہ کیا گیا وہاں فارسی کے اس قصہ چہار درویش کا بھی براہ راست ترجمہ ہو سکتا تھا۔ اور غالباً اتنا ہی اچھا ہوتا جیسا کہ اخلاق محسنی کا گلشن خوبی کے نام سے ہوا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میر حسین عطا خاں تحسین سے بھی قصہ چہار درویش کا ترجمہ اسی غرض سے کرایا گیا تھا کہ اس سے صاحبان ذی شان اردوئے معلا سیکھیں۔ اور جب صاحبان ذی شان نے اسے رنگینیٔ عبارت اور عربی فارسی کے فقروں کی بہتات کے باعث ناقص قرار دیا تو پھر اس نقص کو دور کرنے کے لئے میر امن کو یہ کام دیا گیا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ کچھ ایسا ہی تھا جیسا کہ گلکرائسٹ کا یہ جملہ اشارہ کرتا ہے "اس نقص کو دور کرنے کے لئے میر امن نے تحسین کے ترجمے سے اپنا نیا اسلوب (version) نکالا"، اسکے یہ معنی ہوئے کہ میر امن نے خود سے "نو طرز مرصع" کو قصہ چہار درویش کا ماخذ نہیں بنایا، بلکہ انہیں "نو طرز مرصع" اسی غرض سے دیا گیا کہ وہ اسکے نقص کو دور کرکے "سہل و سادہ اور صاف اسلوب" (گلکرائسٹ) میں لکھیں۔ اب یہ اللہ کی دین تھی کہ میر امن نے اسے ایسی کلاسیکی پاکیزگی، سبکی، صفائی اور سادگی سے لکھا کہ اس پر جان گلکرائسٹ کو طبع زاد ہونے کا گمان ہوا۔ لیکن اس سے بات مکمل نہیں ہوتی ہے جبتک یہ نہ بتایا جائے کہ تحسین نے قصہ چہار درویش کا ترجمہ کیونکر اور کب شروع کیا، اور انھوں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں اس ترجمے کی نوعیت کے بارے میں کیا لکھا ہے۔

میر حسین عطا خاں تحسین شجاع الدولہ کے زمانے میں لکھنؤ آنے سے بہت پہلے کلکتے میں ایک انگریز، جنرل اسمتھ کے میر منشی تھے۔ ایک روز وہ جنرل اسمتھ کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ دفع الوقتی کے لئے انکے ایک عزیز دوست نے قصہ چہار درویش سنایا۔ یہ قصہ جنرل اسمتھ کو اسقدر پسند آیا کہ اسنے اسے ہندی زبان میں ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا لیکن چونکہ وہ ولایت واپس چلا گیا اسلئے اسے "بیچ عبارت رنگین، زبان ہندی کے" لانے کی لگن بھی انکے دل سے جاتی رہی، اور وہ لگن پھر اسوقت زندہ ہوئی جبکہ کئی سال کے وقفے کے بعد انھوں نے اسکے دو چار

فقرے، (بیچ عبارت رنگین زبان ھندی کے) نواب شجاع الدولہ کو سنائے اور انھوں نے اسکو،، زیور عبارت سے آراستہ کرنے کا،، حکم دیا۔ اسکے یہ معنی ھوئے کہ انھوں نے اسکا ترجمہ جنرل اسمتھ ھی کے زمانے میں شروع کر دیا تھا، ھر چند کہ لکھنؤ آنے سے پہلے وہ ترجمہ بہت ھی قلیل تھا۔ چنانچہ یہی سبب ھے کہ وہ اپنے ترجمے کا مقصد انگریزوں کو اردوئے معلی سکھانے ھی کا ٹھہراتے ھیں۔ دیباچے کی یہ عبارت صاف اسکی طرف اشارہ کرتی ھے،، اور یہ کہ جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردوئے معلی کا رکھتا ھو، مطالعہ اس گلدستہ بہاریں کے سے، ھوش و شعور فحوائے کلام کا حاصل کرے کہ واسطے علم مجلس کے لسانی زبان ھندوستان کی، بیچ حق آدمی بیرونجات کے، مراد، کنندۂ نادرانی کے ذہن ھے،،

اب یہ دوسری بات ھے کہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے اسے مراد اپنے حق میں تصور نہ کیا بلکہ اس پر مراد میر امن سے جڑھوایا۔ بہر حال اس سے جو بات کہ ظاھر ھوتی ھے وہ یہ ھے کہ تحسین نے یہ ترجمہ صاحبان ذی شان ھی کے مراد کے لئے کیا تھا۔ چنانچہ یہی سبب ھے کہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی نظر انتخاب جہاں تک ھندوستانی زبان کا تعلق ھے پہلے اسی کتاب پر پڑی اور کیا عجب کہ اس کا کوئی نسخہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کو اس وقت ھاتھ لگا ھو جبکہ وہ ۱۷۸۵ع میں ایک طویل رخصت پر فیض آباد اور لکھنؤ وغیرہ اچکن اور سلیم شاھی جوتا پہن کر ھندوستانی زبان سیکھنے کے لئے گئے تھے۔،، نو طرز مرصع،، اس وقت تک لکھی جا چکی تھی۔

میر امن اور،، نو طرز مرصع،، کو اپنا ماخذ ٹھہرائیں ارے معاذ اللہ۔ اسکا ایک جملہ تو درست ھے نہیں* اور کیا عجب کہ اسی باعث انھوں نے اس کا ذکر

---

*ایک جملہ ملاحظہ ھو۔ ،،جب ماھتاب عمر میرے کا بدرجۂ چہار دہ سالگی کے پہونچا۔ روز روشن سرور و ابتہاج اس تیرہ بخت کا تاریک تر شب یلداں سے ھوا یعنی پیمانۂ عمر و زندگانی ما در و پدر بزرگوار کا شراب خوشگوار حظوظ نفسانی کے سے لبریز ھوکے اسی سال میں صدمۂ دست قضا سے ڈھلا،،

اپنے دیباچے میں نہیں کیا، اور صرف امیر خسرو کا نام لیا، "نو طرز مرصع" کو نو ڈاکٹر جان گلکر ایسٹ نے انکے سر تھوپا - بندگی بیچارگی، پھر انھوں نے بھی اس جبر کو بھلا کر ایسا لکھا کہ ان کی حیثیت ایک منکار کی بن گئی—

مرے خون دل سے یہ سیراب ہے
اور لخت جگر کے ہیں سب برگ وبار

جب خون دل اور لخت جگر کا یہ عالم ہو تو پھر کیوں نہ افراد قصہ محمد شاہی عہد کا لباس زیب تن کئے ہوئے زندہ ہوں اور دلی کے گلی کوچے قلعہ اور بازار سب جاگ اٹھیں - یہیں سے میر امن ایک مترجم کی حیثیت سے رخصت ہوئے ہیں اور ایک مصنف کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں - اور اپنے قارئین سے یہ قول و قرار کرتے کراتے ہیں—

مجھے بھول جاویں گے سب بعد مرگ
رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے یاد مجھکو کرے
یہی یاریوں سے مرا ہے قرار

قصہ چہار درویش کا تنقیدی مطالعہ

پچھلے صفحات میں اس حقیقت کا اظہار کیا جا چکا ھے کہ یہ قصہ محمد شاھی عہد میں موضوع یا مخترع نہیں ھوا ۔ یہ قصہ اس عہد سے پہلے سے مروج تھا ۔ تبھی تو حکیم محمد علی خاں المخاطب معصوم علی خاں نے اسے ,,ھندی زبان سے سطر بسطر ترجمہ کیا،، ۔ اسلئے جہاں تک کہ نفس قصہ کا تعلق ھے اسے محمد شاھی عہد کا مخترع تصور نہیں کرنا چاھئے ۔ محمد شاھی عہد میں تو صرف ایک ھی داستان وضع کی گئی ۔ اور وہ داستان بوستان خیال ھے ۔ جسپر فتح اسلام کا اشتہار چسپاں کرکے حکمت و نجوم کے ایک بازیگر میر محمد تقی خیال رنگیں مزاج نے کچھ اپنی کامجوئی اور ھوس رانی کا اظہار کیا ھے تو کچھ اپنے عہد کے رؤسا اور امرا کی عیش کوشی کو طلسمانی فضا میں پہونچایا ھے اور اسطرح داستان امیر حمزہ کا منھ چڑاتا ھے اسکو قصۂ چہار درویش سے کیا نسبت جو کہ بقول محمد عوض زرین ایک ایسی ,,حکایت عشق انگیز اور روایت درد آمیز ھے کہ رسیدگان عالم امکان کو نیرنگئی روزگار سے گوش گزار اور صنایع و بدایع بر حق سے خبردار کرتی ھے—،،

نیرنگئی روزگار ھو کہ صنایع و بدایع پروردگار، دونوں ھی اھل تصوف کی نظر میں اسی ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ھیں کہ عالم تغیرات کی زد میں ھے ۔ اس میں قیام صرف ایک اس ذات برحق کو ھے جسکی یہ نیرنگیاں اور تلون مزاجیاں ھیں، وہ بے نام و نشان ھوتے ھوئے بھی ھمہ نام اور ھمہ نشان ھے ۔ اور یہ اس کا اپنا شوق نمود ھے جو اسے تعینات کے پردے میں لایا ھے ۔ عشق اسی نمود کا جذبہ ھے جو اسکی غیر ذات کی تخلیق کا موجب اور پھر ان دونوں کے درمیان اتصال پیہم اور فراق دائم کا سبب بنا ۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ جذبۂ عشق کو عالم کی تخلیقی اور تخریبی دونوں قوتوں سے تعبیر کرتے اور چونکہ جنسی کشش بھی عشق ھی

کی ایک صورت ہے اسلئے انکے یہاں اسکی حکایت ایک مخصوص داستاں محبت اور ایک معموم اشارۂ حقیقت دونوں ہی ہے ۔ وہ تعمم حقیقت خصوص میں کرنے نہ کہ خصوص سے باہر۔ اسلئے صوفیانہ شاعری اور آرٹ جس میں داستان گوئی بھی شامل ہے سمبالک ہوتا ہے، یعنی ایک ہی معنی میں تخصیص و تعمیم کے دونوں پہلو رکھتا ہے نہ کہ ایلیگارکل جہاں تعمیم خصوص سے باہر ہوتی ہے اور اسطرح اسکے دو معنی ہوتے ہیں جنکے درمیان ربط داخلی نہیں بلکہ خارجی ہوا کرتا ہے۔ و حوش و طیور کے اخلاقی قصے اسی کے تحت آتے ہیں ۔ قصہ' چہار درویش ایلیگارکل نہیں بلکہ سمبالک ہے ۔ یہ سمبالک چار درویشوں کی سرگزشت میں ہے نہ کہ چھوٹے چھوٹے ضمنی قصوں کا آزاد بخت بادشاہ کی سرگزشت میں، جہاں خواجہ سگ پرست کا قصہ اس صنفی اخلاقی قدر کی تبلیغ کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ ،،انسان بے وفا بد تراز حیوان باوفااست،،

اسی صورت میں اس قصہ کی روح تک پہنچنے کے لئے ہمیں اسکے بالائی خول کو اتار کر دیکھنا ہوگا جس میں اخلاقی اقدار کی تبلیغ کے ضمنی قصے بہت سے بھرے پڑے ہیں ۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئے کہ اسکے اندرونی مغز اور بالائی خول کا اسکی روح اور جسم کے درمیان کوئی تضاد ہے ۔ اسکے بالکل ہی برعکس ان دونوں میں ایک ہم آہنگی ہے مقاصد کی ۔ اگر اس کا اندرونی مغز ایک روحانی تجربے کی صوفیانہ تعمیم حقیقت پیش کرتا ہے تو اس کا بالائی خول صوفیانہ اقدار کی تبلیغ و ترسیل کی خدمت انجام دیتا ہے ۔ اور فنکار کے یہ دونوں عمل جو کہ ایک وحدت میں پروئے ہوئے ہیں مصور ہیں جیسا کہ ارٹ میں ہونا چاہئیے—

اب آپ پہلے درویش کے روحانی تجربے کی سمبالک صورت ملاحظہ کریں۔ پہلا درویش کہتا ہے ،،غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے ۔ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا مزاج بھی بہک گیا ۔ شراب ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر نوبت یہ پہونچی کہ سودا گری بھول کر تماش بینی اور دینے لینے کا سودا ہوا،،

اور وہ اس پستی یا اخلاقی گراوٹ کی طرف اس تیزی سے بڑھتا ہے کہ اسکے دل سے احساس خودی اور اعتماد عمل جاتا رہتا ہے وہ اپنی بہن کے روٹی کپڑے پر پڑ رہتا ہے۔ بالاخر وہی بہن جو کہ ماجائی ہے اپنے پیار اور ماما سے اور کچھ غیرت دے دلا کر اس میں از سر نو احساس خودی اور اعتماد عمل پیدا کرتی ہے۔ اور وہ ہیرو ایک نئے عزم و یقین اور احساس خودی کے ساتھ زندگی کا ایک نیا سفر اختیار کرتا ہے۔ کوچ در کوچ، دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا جب وہ اپنے شہر نگار کے دروازے پر پہنچتا ہے تو درباں اسے روکتے ہیں۔ کہ اتنی رات گئے دروازہ نہیں کھل سکتا ہے، عین اسوقت جبکہ آدھی رات ادھر اور آدھی رات ادھر تھی، روحانی سفر رات کی ایسی ہی تاریکی میں تو کیا جاتا ہے، ایک خزانہ غیب سے ہاتھ آتا ہے۔ درویش صندوق کو کھولتا ہے تو زروجواہر کی جگہ کہ یہ تو وہ بہت پہلے ہی لٹا چکا تھا، ،، ایک معشوق خوبصورت، کامنی سی عورت، گھایل، لہو میں تر بتر آنکھیں بند کئے پڑی کلبلاتی ہے،، کلبلانے کا لفظ کسقدر اہم ہے، گویا وہ بھی ایک نئی زندگی اختیار کر رہی تھی، اس کی مسیحائی کو عیسا جراح آتا ہے جب وہ بھلی چنگی ہو جاتی ہے تو اسکی رفاقت اور محبت میں درویش کو سعادت کونین حاصل ہوتی ہے، لیکن ایک ذرا سی بھول چوک سے کہ ،، ایک نا آشنا سے کیوں ایسی محبت گرم کی کہ اس پری کو بھول گیا ،، وہ اسے کھو بھی دیتا ہے، شاید اسلئے کہ ابھی عشق میں اسکا امتحان مقصود تھا۔ درویش ناچار اسکی جدائی میں تڑپتا اور اسے ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ جب حکیم حاذق اسکے عشق صادق کی گواہی دیتا ہے، تو وہ پری اسپر پھر مہربان ہوتی ہے۔ اور اسے اپنے سودائے عشق کا صلہ ملتا ہے، لیکن چونکہ ہیرو کو اپنے اس روحانی سفر سے دنیائے سود و زیاں میں پھر لوٹنا تھا، وہ پری اسطرح اس سے چھن جاتی ہے جسطرح کہ صندوق اسے غیب سے ملا تھا۔ خواب ختم ہوتا ہے اور وہ ہیرو رجائیت کی ایک بے پناہ طاقت کے ساتھ اپنی دنیائے سود و زیاں میں لوٹتا ہے۔

دوسرے درویش کا روحانی سفر اتنا مکمل نہیں ہے، شاید اس کا یہ سبب ہو کہ وہ اقرار خودی اور انکار خودی کے جذبوں میں بٹا ہوا ہے۔ اسکے

دل میں سخی بننے کا جذبہ جوکہ اپنی ذات سے دوسروں کی طرف بڑھنے اور پھیلنے کا جذبہ ہے اسکے عشق کے جذبے پر غالب آجاتا ہے جوکہ دوسروں کو اپنی انا کے تابع کرنے کا جذبہ ہے ۔ پھر بھی وہ شہزادیٔ بصرہ کے عشق میں گرفتار ہوکر ایک کڑی آزمائش میں پڑتا ہے ۔ شہزادۂ نیم روز کے حرکات جنوں کا راز معلوم کرتا ہے کہ وہ کہانی بذات خود عشق و جنوں کے رشتے پر روشنی ڈالتی ہے، لیکن قبل اسکے کہ وہ شہزادیٔ بصرہ کے پاس کامگار لوٹے، وہ سخی بننے کی دھن میں شہزادہ نیم روز کی غمگساری میں پڑ جاتا ہے اور اپنا گوہر مراد خدمت خلق سے حاصل کرتا ہے ۔ یہاں درویش کا روحانی سفر کثرت سے وحدت کی طرف اتنا نہیں معلوم ہوتا جتنا کہ وحدت سے کثرت کی طرف ہے ۔ شاید یہی سبب ہے کہ اس سیر میں شہزادی بصرہ کی کہانی پر زیادہ زور دیا گیا ہے جسکی خودی کے دو پہلو ہیں، ایک تو یہ کہ وہ جس اقرار خودی سے دولت لازوال حاصل کرتی ہے، اسی اقرار خودی سے وہ اپنے باپ کی محبت سے محروم بھی ہوتی ہے، لیکن یہ زیاں وقتی ہے وہ آخر کار اپنے اسی اقرار خودی کی حاصل کی ہوئی دولت لا زوال سے اپنے باپ کی محبت کو بھی دوبارہ حاصل کر لیتی ہے۔ اسطرح اقرار خودی ھی دولت لا زوال کا سر چشمہ بنکر ہمارے سامنے آتا ہے، شہزادی بصرہ کے اس روحانی سفر کی سرگزشت بھی عالم خواب ھی میں پیش کی گئی ہے ۔ ،،بموجب حکم بادشاہ کے اس آدھی رات میں کہ عین اندھیری تھی ملکہ کو بھوئی ایک میدان میں چھوڑ کر چلے گئے،، اب اسکے بعد ملکہ جو محل تیار کرواتی ہے وہ اصل میں اسکے خواب کا محل ہے۔

تیسرے درویش کی روحانی سیر بہت ھی کمزور ہے ۔ سیر کی ابتدا داستانوی اعتبار سے خوبصورت انداز میں ہوتی ہے، شہزادۂ عجم، شہزادیٔ فرنگ کی شبیہہ سے متعارف ایک طلسماتی فضا یا عالم خواب میں ہوتا ہے، نعمان سیاح کا قصہ اسی غرض سے بیان کیا گیا ہے، لیکن آگے چلکر شہزادے کو اسکے عشق میں کوئی مصیبت اٹھانی نہیں پڑتی ہے، کیونکہ جب وہ ملک فرنگ میں پہونچتا ہے تو شہزادیٔ فرنگ کا عاشق قتل ہو چکتا ہے، اور

اس سے زیادہ اسے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا نہیں پڑتا ھے کہ وہ مرحوم شہزادے کے جنازے میں شریک ھوتا ھے جو کہ ممنوع تھا لیکن یہ آزمائش معمولی ھے، اسکے بعد شہزادی پکے آم کی طرح اسکی گود میں ٹپک پڑتی ھے، لیکن جب اسے بھگانے کی مہم آتی ھے تو شہزادہ خاموش تماشائی بن جاتا ھے اور سارا معرکہ داروغہ بہزاد خاں سر انجام دیتا ھے، حتی کہ جب شاھزادی دریا میں ڈوبنے لگتی ھے تو اس وقت بھی اسکی جان بچانے کے لئے داروغہ بہزاد خاں ھی اپنا گھوڑا دریا میں ڈالتا ھے، اس سیر میں اگر کچھ جان ھے تو وہ صرف شہزادئ فرنگ اور اسکے چچا زاد بھائی کی داستان عشق میں ھے، چنانچہ یہی سبب ھے کہ اگر اکطرف نعمان سیاح شہزادی کا بت بناکر پوجتا ھے تو دوسری طرف مرحوم شہزادے کا کوکا اسکا جنازہ ھر مہینے کی نو چندی جمعرات کو نکالتا ھے—

جونہی درویش کی سیر میں شہزادۂ چین، عشق اور دولت کی کشمکش میں مبتلا ھوتا ھے۔ ملک صادق کی امانت میں خیانت نہ کرنے میں جو تذبذب تھا اسمیں کسی اخلاقی اصول کو محرک نہیں دکھلایا گیا ھے بلکہ اس جذبے کو کہ اگر وہ خیانت کرتا ھے تو پھر ملک صادق حصول سلطنت میں اسکی مدد نہ کریگا اور وہ اسکو چالیسواں بندر سونے کا نہ دیگا۔ اس کشمکش کا بھی آغاز حسب دستور طلسماتی فضا میں ھوتا ھے، شہزادہ تصویر دیکھکر پیر مرد عجمی کی دختر پر عاشق ھوتا ھے، اور اپنے رقیب کو ملک صادق ایسے جن اور اپنے باپ کے محسن کو پاتا ھے، لیکن عشق کا جذبہ ان ساری رکاوٹوں پر غالب آتا ھے اور وہ پیرمرد عجمی کی دختر کو پاکر ایسی قوت حاصل کرتا ھے کہ سلطنت اور دولت سے بےنیاز ھوکر ملک صادق پر حملہ کرتا ھے، اس حملے میں وقتی طور پر اسے شکست ھوتی ھے، لیکن جذبۂ عشق کی رھنمائی میں غیبی امداد پاکر بالا آخرکار وہ اسے مفتوح کرتا ھے—

یہ ھے چاروں درویشوں کے روحانی سفر کا نچوڑ، ان چاروں سیروں میں انقلاب حقیقت جادو اور سحر کی مدد سے کم دکھایا گیا ھے، وہ زیادہ تر عشق کی

کرامات سے ہوتا ہے جسمیں مائند غیبی اور فوق فطرت طاقتوں کی امداد کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ درویش تو صرف نفس امارہ کے شیطان کو مار سکتا ہے۔ آخر ان طاقتوں سے نپٹنے کے لئے بھی تو کوئی چاہئے جو طاغوتی ہیں، فوق فطرت طاقتیں انہیں طاغوتی قوتوں کی سرکوبی کے لئے آتی ہیں، ایک موقع پر یہ کام اسم اعظم کے عمل سے بھی لیا گیا ہے، لیکن اس کا اعادہ پھر نہیں کیا گیا ہے، بہ حیثیت مجموعی نشان فتحمندی اسم اعظم کے ہاتھ میں نہیں رہتا ہے بلکہ عشق صادق کی راہ میں جان کی بازی لگانے اور امداد غیبی پر بھروسہ کرنے میں ملتا ہے۔ شہزادے ہوں یا کہ خوجہ زادے عشق کی دولت سے فیضیاب ہوکر ملک و مال اور تاج و تخت کی طرف نہیں لوٹتے ہیں بلکہ فقیر اور درویش بن جاتے ہیں، فقر و قناعت، صبر و توکل، اور سچائی اختیار کرتے ہیں اور یاد الٰہی میں مشغول رہتے ہیں ۔ یہ صحیح ہے کہ آج یہ اقدار مقبول نہیں ہیں لیکن جس زمانے میں کہ تصوف کی یہ اقدار ہماری سماجی زندگی میں غالب تھیں اس وقت کے نقطہ نظر سے انکی اہمیت تو برقرار رہتی ہی ہے، اور تصوف کی یہ ساری اقدار اٹھارویں صدی کے اختتام تک ہمارے معاشرے میں غالب رہیں ہیں، اسپر یہ اعتراض کہ ان چاروں درویشوں کا رویہ بادشاہ آزاد بخت کے حضور میں قلندرانہ نہیں بلکہ گداگرانہ ہے وہ بادشاہ سے یہ بات سنتے ہی مارے خوف کے کانپنے لگے اور سر نیچے کر کر چپ ہو رہے، طاقت گویائی کی نہ رہی،، اسکی صوفیانہ اہمیت کو گھٹاتا نہیں بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ داستان اسوقت لکھی گئی جبکہ تصوف کی تحریک میں انحطاط پیدا ہو چکا تھا۔ ہمارے بعض نقادوں نے خیر و شر کی ایک عمومی جنگ کے پس منظر میں جوکہ تقریباً ہر داستان میں پائی جاتی ہے اس داستان کے بھی اخلاقی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن وہ کافی نہیں ہے تاوقتیکہ اسے ہندی تصوف کی تحریک کے پس منظر میں نہ دیکھا جائے۔ اسی وقت ہم پر چاروں درویشوں کے سیر کی کیفیت منکشف ہوسکتی ہے، اس داستان میں صرف چند اخلاقی اقدار کی تبلیغ و ترسیل ہی کا کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ درویشوں کو مقامات عشق سے بھی گزارا گیا ہے۔ اسکی نوعیت انیسویں صدی کی ان داستانوں سے مختلف ہے جو افیون کی چسکی میں لکھی گئی ہیں ۔ رہ گئی

یہ بات کہ اس میں بھی مثل اور داستانوں کے جن و پری کی بھی باتیں ہیں تو یہ کون سی نئی بات ہوئی جن و پری اور اسم اعظم پر سے بہت سے لوگوں کا اعتقاد تو ادھر حال میں اٹھا ہے جب سے کہ سر سید نے اسپر ضرب کاری لگائی۔ ورنہ اٹھارویں صدی کے اختتام تک تو وہ اپنے ہی حقیقی تھے جتنے کہ مردم زاد۔ اور تعویذ گنڈے، جھاڑ پھونک پر ویسا ہی اعتقاد تھا جیسا کہ ان دنوں ڈاکٹروں کے علاج پر ہے۔ ہمارا کاینانی، سماجی اور نفسیاتی نقطۂ نظر اس زمانے میں وہی تھا جو کہ اس داستان میں ہے، یہ داستان، تاریخ تو آج بن گئی ہے ورنہ اس زمانے میں تو اسکا ایک زندہ اور حرکی عمل تھا۔ لیکن اگر آپ ایسے داستان کی ٹکنک سے نہیں بلکہ ناول کی تکنیک سے جانچنے کی کوشش کرینگے تو یقیناً آپ کو مایوسی ہوگی کیوں کہ دونوں کے درمیان صرف ذہنی ارتقا کا فاصلہ ہی حایل نہیں ہے بلکہ دونوں کے مٹیریل اور ٹکنیک میں فرق بھی ہے۔ داستان کا مٹیریل روز مرہ کی زندگی سے نہیں بلکہ خواب و خیال کی دنیا سے لیا جاتا ہے جہاں حقیقت پر تخیل کا ایک سحر افریں شائبہ سا لرزتا رہتا ہے۔ اس دنیا میں فوق الفطرت، فطری اور فطرت، فوق الفطرت بن جاتی ہے۔ داستانوں کے واقعات کے پیچھے اسباب و علل کا کوئی مجرد قانون نہیں ہوتا کہ ہم ایک کوقانون اسباب کی روشنی میں فطری اور دوسرے کو عدم اسباب کے باعث غیر فطری قرار دیں۔ یہاں ہر حادثہ یا تو مشیت ایزدی کا مظہر ہوتا یا پھر فوق الفطرت طاقتوں کی تلون مزاجیوں کا نتیجہ جنھیں مشیت ایزدی کی تعمیل کا آلہ کار تصور کیاجاتا اور جو حادثات کہ انسان کے عمل سے صورت پذیر ہوتے ان میں بھی مشیت ایزدی کا ہاتھ ہوتا کیونکہ انسان کی خود مختاری اسکی مشیت کے جبر سے آزاد تصور نہ کیجاتی لیکن جسطرح کہ انسان میں خیر و شرکی دو متضاد طاقتیں ہیں اور ان دونوں میں سے کسی کے اختیار کرنے کی انسانی آزادی بھی ہے اسی طرح فوق الفطرت دنیا کےافراد یعنی جن و پری کوبھی خیر و شرکی طاقتوں میں بٹا ہوا دکھایا جاتا۔ چنانچہ داستانوں کے افراد کی زندگی میں ٹر بجڈی کچھ انہیں کی قوت ارادی کے ٹکراؤ سے پیدا نہ ہوتی بلکہ اس میں فوق الفطرت ہستیوں کےارادوں کو بھی دخل ہوتا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے رنج کو راحت میں بدلتے وقت فوق الفطرت ہستیوں

کی مدد کے طالب ہوتے ۔ اور اس سلسلے میں سب سے بڑی مدد انھیں ان ہستیوں سے ملتی جو انکے عقیدے کے مطابق معصوم ہوتیں ؛۔

ان حالات کے پیش نظر جبکہ سلسلہ٬ حادثات کے پیچھے کوئی مجرد قانون تصور نہ کیا جاتا بلکہ منشا ایزدی ہی کو مسبب الاسباب قرار دیا جاتا ان داستانوں کے پلاٹ جو کہ قصہ در قصہ ہوتے منطقی تسلسل یا اندرونی ارتباط سے بے نیاز ہوتے ۔ ایسا ہی پلاٹ اس قصہ چہار درویش کا بھی ہے ۔ اس میں بھی بہت سے واقعات ,,قضارا،، یا بغیر کسی سبب کے رونما ہوتے ہیں ۔ جس وقت دوسرے درویش کی سیر میں شہزادی فرنگ تلوار پھینک کر اپنے عاشق سے لپٹ جاتی ہے اور وزیر اسکے اس فعل پر شہزادے کو قتل کرنے کے لئے تلوار اٹھاتا ہے تو ایک تیر غیب سے ناگہانی اسکی پیشانی پر آکر لگتا ہے ۔ قضارا، اسی کو کہتے ہیں ۔ اب جو ناولوں کا نقاد اسے بے سبب قرار دیگا تو وہ اپنے ہی جہل سے الجھے گا۔

اسیطرح داستانوں میں زمان و مکان کا تصور بھی دور حاضر کے تصور زمان و مکان سے مختلف ہوتا ہے ۔ یہاں زمان و مکان کا تصور کیفیاتی ہے نہ کہ کمیاتی ۔ داستان گو اپنے قصوں کا محل وقوع دور و دراز کے ملکوں میں رکھتا ہے اور اسکے لئے زمانہ، ماضی کا منتخب کرتا ہے تاکہ محیرالعقول باتیں یقین آفریں بن سکیں، لیکن چونکہ یقین آفرینی کا عنصر بھی ضروری ہے جیسا کہ خواجہ بدرالدین امان دہلوی فن داستان گوئی میں لکھتے ہیں کہ ,,تمہید قصہ میں بجنسہ تواریخ گذشتہ کا لطف حاصل ہو،، اسلئے تمہید قصہ میں نہ کہ قصے میں اسکا التزام کیا جاتا تھا کہ اسپر حقیقت کا دھوکا ہو ۔ شہر نیمروز کب کسی نے دیکھا ہے لیکن داستان گو نے اسے ملک عمان میں دکھلاتا ہے ۔ حیرت ہے کہ حافظ محمود شیرانی مرحوم ایسے پختہ کار بھی، داستان کی اس حقیقت کو پا نہ سکے اور انھوں نے میر امن کی جغرافیائی معلومات پر اعتراض کیا ۔ خیریت یہ ہوئی کہ یہ اعتراض جغرافیہ ہی تک محدود رکھا گیا، اور اسے تاریخ کی دنیا تک وسعت نہ دی گئی ورنہ آج ہم آپ قسطنطنیہ کے بادشاہ آزاد بخت کو

تاریخ میں ڈھونڈھتے پھرتے۔ کبھی کبھار تمہید قصہ میں زمان و مکان سے متعلق جو تفصیلات پیش کی جاتی ہیں تو اسکا مقصد قصے کو یقین آفرین بنانے کے لئے جغرافیہ اور تاریخ کا فریب پیش کرنا ہوتا ہے نہ کہ جغرافیہ اور تاریخ کو پیش کرنا۔ داستان کا معلم بیدار ہوتا ہے نہ کہ وہ جسکا کہ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ تو عالم خواب میں ہوتا ہے۔ اسکے لئے کیا چین و ما چین اور کیا اصفہان، انکے فاصلے چٹکی بجاتے طے ہوتے ہیں۔ چین و ما چین کا شہزادہ ملک صادق کے ملک سے نکلتا ہے تو پھر سات برس کے سفر کے بعد ایک ایسے نگر میں پہونچتا ہے ,, جہاں کا ہر ایک متنفس اسم اعظم پڑھتا اور خدا کی عبادت بندگی کرتا نظر آتا ہے۔،، شاہزادے کو اسی نگر میں پیر مرد عجمی ملتا ہے لیکن داستان گو اسے ایک اندھے ہندوستانی فقیر کے روپ میں دکھاتا ہے۔ ,,ایک اندھا ہندوستانی فقیر بھیک مانگتا نظر آیا،، یہاں داستان گو اس پیر مرد عجمی کی ایک تصویر پیش کر رہا ہے نہ کہ یہ بات ہے کہ اسے یہ یاد نہ رہا کہ وہ پیر مرد عجمی ہے نہ کہ ایک اندھا ہندوستانی فقیر۔ اسی طرح وہ سر اندیپ کے بت خانے میں لات و منات کو بٹھا دیتا ہے جنکا شاید آج کوئی ٹکڑا بھی باقی نہ ہوگا اور یہ بھول جاتا ہے کہ یہ بت تو عربوں کے تھے، وہ ایسا اسلئے کرتا ہے کہ اسے یہ معلوم ہے کہ اسکے سامعین کے شعور میں لات و منات کی اہمیت ہندوؤں کے بتوں سے مختلف ہے، وہ لات و منات کے ذکر سے بت پرستی کے خلاف شدید نفرت کا جذبہ پیدا کر سکتا ہے جو کہ کسی اور صورت سے ممکن نہیں ہے لیکن جب اس مندر کے پجاریوں اور محافظوں کا ذکر آتا ہے تو وہ برہمن، مادر برہمن، چوبے اور پانڈوں ہی کا حلیہ پیش کرتا ہے، کیونکہ اسے لات و منات کے پجاریوں کا کوئی علم نہیں، کہ وہ ان کی مصوری کر سکے۔ میں جس نکتے کو یہاں ابھارنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ داستانوں میں تاریخی صداقت، بجز اتنے عنصر کے جسے تمہید قصہ میں اس غرض سے پیش کیا جاتا ہے کہ تاریخ گذشتہ کا فریب پیدا ہو سکے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی ہے، وہ نہ تو تاریخی رومان پیش کرتا ہے اور نہ تاریخ کو مصور کرتا ہے کہ اس سے ہم اسکی توقع رکھیں، اسکا عمل تو قصے کو صرف محسوس صورت میں پیش

کرنے کا ہوتا ہے، ایک ایسی محسوس صورت میں جو کہ سامعین کے تجربات سے قریب تر ہو۔ ان سارے امور میں وہ تجربات کی کیفیت پر زور دیتا ہے، نہ کہ انکی کمیت پر۔ وہ فاصلے کا احساس ھرج مرج کھینچنے اور صعوبتیں اٹھانے کے احساس سے پیدا کرتا ہے نہ کہ میلوں کے سہارے سے۔ وہ زمانے کا احساس بچے کے نوجوان ہونے اور نوجوان کے بوڑھے ہونے کی کیفیات سے پیدا کرتا ہے نہ کہ دن اور سال کے سہارے سے۔ اگر خواجہ سگ پرست اکاون سال کی عمر میں بھی بوڑھا نہیں ہو پاتا ہے تو اس میں مصنف کا کیا قصور ہے، دوش تو اس جوانی کو دینا چاہئے جس نے اتنا طول کھینچا۔

ناول کے نقادوں کا ایک دوسرا اعتراض ان داستان گویوں پر یہ ہے کہ وہ کردار نگاری کے گر سے واقف نہ تھے۔ انکے کردار ساکت ہیں نہ کہ متحرک وہ یک طرفہ ہیں نہ کہ کثیرالاوضاع، وہ گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں بلکہ جیسے ہوتے ہیں ویسے ہی رہ جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ یہ ساری باتیں کسی اور داستان کی کردار نگاری کے بارے میں صحیح ہو تو ہو میر امن کے افراد داستان کے بارے میں صحیح نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ شخصیت کا تصور ہر عہد میں بدلتا رہا ہے۔ لیکن کوئی بھی عہد ایسا نہیں گذرا ہے جسمیں اسکے بننے یا بگڑنے کا معیار نہ رہا ہو۔ ہم جس عہد کی باتیں کر رہے ہیں اس میں شخصیت کا ایک آئیڈیل تصور خلاف فطرت تصور نہ کیا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ برگزیدہ ہستیوں پر اعتقاد ہی کیوں رکھتے۔ لیکن ایسا سوچنا کہ انکے اس تصور میں کوئی لچک نہ تھی درست نہ ہوگا، انسان ضعیف‌البنیان ہے وہ جیسی صحبت اختیار کرتا ہے اسی کے مطابق بنتا یا بگڑتا ہے۔ تقریباً یہی نقطہ نظر کردار نگاری کا اس داستان میں بھی پایا جاتا ہے۔ پہلا درویش، شیطان نما آدمیوں کے ہردم کہنے سننے سے شیطان بنتا ہے، پھر وہی شخص نیک خو بہن کے حسن سلوک سے سدھرتا ہے اور شہزادی دمشق کی رفاقت اور محبت میں جلا پاتا ہے۔ شہزادۂ چین، ملک صادق کی امانت میں خیانت کرتا ہے، کیونکہ اس حالت میں اسکا خیانت کرنا ہی‌قرین فطرت تھا۔ شاہزادہ نیم روز اپنے

قول و قرار کو پری کے آغوش میں بھول جاتا ہے کیونکہ آدم زاد کی یہی فطرت ہے، شہزادئ دمشق اپنے یوسف سے اسکی بیوفائی کا بدلہ چکاتی ہے، کیونکہ عاشق کی وفا کی بھی ایک حد ہے۔اذربائیجانی نوجوان ،، زندان گور ،، میں بھی شادی کر لیتا ہے، کیونکہ بشریت کا یہی تقاضا تھا۔ اور ملکۂ فرنگ اپنے عاشق کے قتل کئے جانے کے بعد شاھزادۂ عجم کے ساتھ بھاگنے پر تیار ہو جاتی ہے کیونکہ عاشق کی موت کے بعد اسکا عشق بھی فنا ہو جاتا ہے۔ یہ بتلائیے کہ ان میں کون سا کیریکٹر آئیڈیل ہے، آئیڈیل کیریکٹر تو بالعموم تمثیلات میں ہوتا ہے نہ کہ داستانوں میں۔ یہاں تو اچھا بھی انسانی فطرت سے ھمکنار ھیں۔داستانوں کی یہی تو خوبی ہے کہ وہ سوپر نیچرل کو بھی نیچرل کردیتی ھیں، داستانوں کا کوئی بھی کریکٹر کسی مجرد اصول کا نشان نہیں ہوا کرتا کہ اسپر اسکے جامد ہونے کا اعتراض کیا جا سکے، وہ تو ایک زندہ حقیقت کا حامل ھوتا ہے جوکہ اپنی فطرت کو بروئے کار لاتا ہے۔ اور چونکہ اسکی فطرت معقول اور غیر معقول دونوں ھی ہوتی ہے اسلئے داستان کو اسکے ان دونوں ھی پہلوؤں کو بے نقاب کرنا ہے۔ یوسف سوداگر کا ایک بندوڑ سے محبت کرنا اور اپنے محسن شہزادئ دمشق کی محبت کو ٹھکرا کر اسے قتل کرنا جذبۂ عشق کی اسی غیر معقولیت کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس بے نقابی میں کوئی بات محض نہیں ہے، درویش نہایت بے تعلقی سے اس واقعہ پر تبصرہ کرتا ہے ،، یاروعشق اور عقل میں ضد ہے، جو کچھ عقل میں نہ آوے یہ کافر عشق کر دکھاوے۔ لیلی کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو۔ سبھوں نے کہا آمنا یہی بات ہے،، لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ ان سے کردار نگاری میں خطا نہیں ہوئی ہے، پہلے درویش کی سیر میں سوداگر کا دمشق کی شہزادی کے گرد بار بار صدقے ہونا خوشامد کرنا اور کبھی کبھی اپنے احسانات کو جتانا بھی ایک عاشق کو زیب نہیں دیتا ہے ھر چند کہ وہ سوداگر رتبے میں شہزادی سے کم تھا اسکے کردار میں قدرے خود داری اور تمکنت اور دکھانی چاھئے تھی۔ اسیطرح چاروں درویشوں کا رویہ بھی بادشاہ کے حضور میں قلندرانہ دکھانا چاھئے تھا جوکہ نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مطلق العنان بادشاھوں کی سلطنت میں رہتے رہتے اس زمانے کے انسانوں کی خود داری اتنی کچلی جاچکی

تھی کہ اسکے اثر سے درویش کی خودی بھی آزاد نہ رہ سکی ۔ بادشاہ کا نام سنتے ہی ہر چھوٹا بڑا مرعوب ہو جاتا ۔ بادشاہوں اور شاہزادوں سے مرعوب ہونے کا ایک ایسا ہی واقعہ تیسرے درویش کی سیر میں بھی اسوقت پیش آتا ہے جبکہ داروغہ بہزاد خاں شاہزادۂ عجم سے جو کہ اسکے لئے بیگانہ تھا اس پر معترض نہیں ہوتا ہے کہ اسنے اسکے گھر کا قفل اسکی اجازت کے بغیر کیوں توڑا بلکہ اسکے برعکس اسکا نام سنتے ہی وہ اپنے کو اسکا خادم ٹھہراتا ہے اور ہر طرح کی امداد کے لئے تیار ہو جاتا ہے ۔

چونکہ یہ داستان بنیادی حیثیت سے صوفیانہ ہے اسلئے اس میں جنگ و جدال اور معرکۂ کار زار تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے ۔ کہیں کہیں تلوار اٹھتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اس موقع پر ہیرو مبارزت طلبی کے بدلے مسکینی اور عاجزی سے سر تسلیم خم کر دیتا ہے ۔ دوسرا درویش شہزادہ نیم روز کے رو برو اور تیسرا درویش مقتول شہزادۂ فرنگ کے کوکا کے سامنے اسیطرح پیش آتا ہے ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ یہ قصہ درویشوں کی روحانی سیر کا ہے اسلئے یہ التزام برتا گیا ہے کہ انکے ہاتھ سے کسی کو قتل نہ کروایا جائے ۔ غالباً یہی سبب ہے کہ جب تیسرے درویش کی سیر میں لڑائی کا موقع ہاتھ آتا ہے ۔ درویش شہزادی فرنگ کو بھگاتا ہے اور غنیم کی فوج اسکا تعاقب کرتی ہے ، تو اس معرکے کو صرف داروغہ بہزاد خاں سر کرتا ہے اور درویش کھڑا تماشا دیکھتا ہے لیکن داستان گو نے رزم آرائی کی ساری کمی کو ، اس ایک گھڑی میں پورا کر دیا ہے ۔ داروغہ بہزاد خاں کی مبارزت طلبی کا جو انداز ہے وہ ہمیں داستان کے خواب سے چونکا دیتا ہے اور ہم ان درویشوں کے بیچ ایک جوانمرد کو جو کہ دلی کا کوئی بانکا سپاہی ہے اسطرح نعرہ زن پاتے ہیں ۔

"جب شہزادہ دروازے پر آیا ایک نعرہ مارا اور تبر سے قفل کو توڑا اور نگہبانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر للکارا کہ بڑھودو اپنے خاوند کو جا کر کہو کہ بہزاد خاں ملکۂ مہر نگار اور شہزادۂ کامگار کو جو تمہارا داماد ہے ہانکے پکارے لئے جاتا ہے ۔ اگر مردمی کا کچھ نشہ ہے تو باہر نکلو اور

۱

ملکہ کو چھین لو۔ نہ نہ کہیو چپ چاپ لیگیا۔ نہیں تو قلعے میں بیٹھے آرام کیا کرو،،

—

درویشوں کی اس حکایت عشق انگیز اور روایت درد امیز میں نہ تو جادوگروں کی طلسم آفرینی ہے اور نہ عیاروں کی عیاری۔ طلسم بس اتنا ھی ہے جتنا کہ ایک گوسائیں کے اسم اعظم میں ہے یا خواجہ سرا، مبارک کے اس روغن میں ہے جسکو ہر مرد عجمی کی دختر نیک اختر کے جسم پر ملنے سے ملک صادق اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔ جب طلسم کے میدان میں یہ احتیاط ہو تو پھر عیاری یہاں کیونکر راہ پاتی، لیکن چونکہ یہ داستان ہے اور داستان میں کسی نہ کسی عیار کا پایا جانا لازمی ہے اسلئے یہاں بھی دوسرے درویش کی سیر میں ایک کٹنی چند لمحوں کے لئے اپنی عیاری کا نقاب اوڑھے ھمارے سامنے آتی ہے—

،،ایک بڑھیا شیطان کی خالہ (اسکا خدا کرے منہہ کالا) ھاتھ میں تسبیح لٹکائے برقع اوڑھے دروازہ کھلا پا کرے دھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑی ہو کر دعا دینے لگی کہ ،، الٰہی تیری نتھ جوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقرنی ھوں ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دوجی سے پورے دنوں درد زہ میں مرتی ہے اور مجھکو اتنی وسعت نہیں کہ ادھی کا تیل چراغ میں جلاؤں۔ کھانے پینے کو تو کہاں لاؤں۔ اگر مر گئی تو گور و کفن کیونکر کرونگی۔ اور جنی تو دائی جنائی کو کیا دونگی۔ اور جچا کو سٹھورا اچھوانی کہاں سے پلاؤں گی۔ آج دو دن ھوئے کہ بھوکی پیاسی پڑی ہے اے صاحبزادی اپنی خیر کچھ ٹکڑا پارچہ دلا تو اسکو پانی پینے کا آدھار ھو،،

اگر یہاں میر امن اسے شیطان کی خالہ نہ بھی کہتے تو بھی اس بڑھیا فقیرنی کی گفتگو کا انداز یہی بتاتا کہ اسکی باتوں میں مکاری ہے۔ میر امن کا کمال یہی ہے کہ وہ افراد قصہ کے کردار پر روشنی انکی گفتگو کے انداز سے ڈالتے ھیں۔ بہزاد خاں کی دلاوری اسکی للکار میں ہے۔ پہلے

درویش کی بہن کی سیرت اسکی گفتگو میں ہے۔ ،،وائے بیرن تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کو موئی مٹی کی نشانی ہے تیرے آنے سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔۔۔۔۔۔،، یوں تو شہزادیاں اس داستان میں کئی ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا کردار مختلف ہے اور وہ اختلاف کردار گفتگو سے ظاہر کیا گیا ہے نہ کہ اسے بیان کیا گیا ہے۔ شہزادی دمشق کی گفتگو میں جو غرور و تمکنت اور جلترہے وہ شہزادئی بصرہ کی گفتگو میں نہیں ہے کیونکہ آخرالذکر دیندار اور یاد الٰہی میں مشغول رہنے والی ہے اور دمشق کی شہزادی شربت وروالخیال یا حسینی کے شیرے پر پلی تھی۔

اس پوری داستان میں صرف خواجہ سگ پرست اور اسکے دو بھائیوں کا کردار ایسا ہے جسمیں لچک دکھائی نہیں پڑتی ہے۔ اگر خواجہ سگ پرست نیکی کے ایک سرے پر ہے تو اسکے دونوں بھائی برائی کے دوسرے سرے پر۔ یہ احساس کسی حد تک صحیح ہے کیونکہ یہ کہانی جزوی حیثیت سے تمثیلی انداز کی ہے، اس کہانی میں خواجہ سگ پرست کا کتا اسکے بھائیوں کے بالمقابل ایک مثبت رول انجام دیتا ہے۔ وہ انکی بے وفائیوں کا جواب اپنی وفاداری سے دیتا ہے۔ لیکن یہ تمامتر حقیقت نہیں ہے خواجہ سگ پرست کا کردار نہ تو اٹل ہے اور نہ آئنڈیل۔ بلکہ لچکدار اور ظاہردار۔ اور جو کچھ کہ اسمیں آئنڈیلزم ہے وہ بڑی سطحی ہے۔ وہ اگر ایکطرف اسقدر نیک ہے کہ اپنے بھائیوں کی بیوفائی کا جواب اپنی نیکیوں اور حسن سلوک سے دیتا رہتا ہے تو دوسری طرف اتنا ظالم ہے کہ جب وہ اس نیکی سے عاجز آتا ہے تو انکے لئے ایک ایسی سزا تجویز کرتا ہے جو کہ قاہرسے قاہر بادشاہ کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ ایک ایسی ہی سطحیت اسکی مذہبی زندگی میں بھی ملتی ہے۔ وہ جسقدر زیادہ متشرع، پابند روزہ نماز، حج زکوٰۃ ہے اتنا ہی زیادہ زنان کفار کو اپنے حرم میں داخل کرنے میں تیز بھی ہے۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کبھی بھی مردوں کے درمیان نہیں کرتا ہے۔ وہ تو صرف ان عورتوں کو کلمہٴ اسلام پڑھاتا ہے جو کہ اسکے ساتھ بھاگ نکلنے پر آمادہ ہیں، اور وہ ایسا اس قباحت کےتحت کرتا ہے کہ چونکہ وہ متشرع تھا وہ بغیر

کلمہ پڑھانے ان عورتوں کو اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا تھا۔ اگر گارساں دتاسی نے اسکے اس کردار کا مطالعہ غور سے کیا ہوتا تو وہ داستان گو پر یہ اعتراض نہ کرتے کہ اس میں مذہبی جوش ہے۔ یا یہ کہ خواجہ سگ پرست جسطرح کے وعظ سے دم بھر میں دو عورتوں کو مسلمان بنا لیتا ہے وہ غیر فطری ہے۔ اگر داستان گو میں مذہبی جوش ہوتا تو اسکا اظہار صرف خواجہ سگ پرست کے حصے ہی میں کیوں ہوتا، اور جگہوں میں بھی کیا جاسکتا تھا۔ رہ گئی یہ بات کہ خواجہ سگ پرست کا وعظ سطحی ہے اور دم بھر میں کسی شخص کا مسلمان ہونا غیر فطری ہے، اس وقت صحیح ہوتی جبکہ خواجہ سگ پرست کا کردار بذات خود سطحی اور ظاہر دار، نہ ہوتا، اور جو اشخاص کہ مسلمان ہوتے ہیں وہ دام محبت کی گرفتار دو عورتیں نہ ہوتیں بلکہ غیر متعلق لوگ ہوتے اور اسکے صرف وعظ کے زور سے اسلام قبول کرتے۔ گارساں دتاسی کو خواجہ سگ پرست کی کہانی سے جو یہ غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اسکا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ بھی عام لوگوں کی طرح خواجہ سگ پرست کے کریکٹر کو آئیڈیل تصور کرنے اور یہ دیکھنے سے قاصر رہے کہ اسکی دینداری اور شرع دوستی کو اسکے اس فعل شنیع کا ایک پردہ بنایا گیا تھا کہ وہ دو انسانوں کو جو کہ اشرف المخلوقات میں سے ہیں کتے کا جھوٹا کھلاتا تھا۔ کیونکہ باوجود اس بات کہ وہ دونوں اشخاص اپنے افعال قبیحہ اور محسن کشی کے باعث سخت سے سخت سزا کے مستحق تھے رائے عامہ اس حق میں نہ تھی کہ انہیں کتے کا جھوٹا کھلایا جائے۔ چنانچہ خواجہ سگ پرست اس کام کے لئے سخت بدنام تھا اور ایک طرح سے عذاب شاہی میں مبتلا تھا،، کہ اسے اپنے اس فعل کے لئے دگنا محصول ادا کرنا پڑتا تھا،،۔ چناچہ بادشاہ آزاد بخت بھی جسوقت اسکے بارے میں یہ حکایت سنتا ہے کہ وہ دو آدمیوں کو قفس میں بند کر کے ایک کتے کا جھوٹا کھلاتا ہے تو وہ بھی اسکے اس فعل پر اسے قابل گردن زدنی قرار دیتا ہے اور سر دربار اس سے یہ سوال کرتا ہے ،،اے شیطان آدمی کی صورت تونے یہ کیا جال بچھایا ہے اور اپنی راہ میں کنواں کھودا ہے۔ تیرا کیا دین ہے اور یہ کیا آئین ہے۔ کس پیغمبر کی امت ہے اگر کافر ہے تو بھی یہ کیسی سنت ہے،،

اسکے جواب میں وہ اپنے کو مرد مسلمان پابند شرع، روزہ، نماز حج زکواۃ بتلاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی دینداری اور شرع دوستی کو اسکے اس فعل کے چھپانے کا پردہ بنایا گیا ہے کہ اس نے جو غیر انسانی سزا دو انسانوں کے لئے منتخب کی ہے وہ کچھ اس باعث نہیں ہے کہ وہ انسان کے رتبے اور اسلام کو سمجھتا نہیں ہے بلکہ اس باعث ہے کہ انہیں اپنی بیوفائی کی سزا بس اسی طرح ملنی چاہئے کہ انہیں ایک با وفا جانور کا جھوٹا کھلایا جائے تاکہ انہیں اپنا جرم ہر وقت یاد رہے۔ ایسی صورت میں جبکہ خواجہ سگ پرست اسقدر سخت منتقم ہے کہ سزا دینے وقت وہ انسانیت کے جادے سے عاری ہوجاتا ہے ہم اسکی دینداری کو سطحی سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اور اسکی یہ سطحیت مختلف موقعوں پر کھلتی جاتی ہے۔ وہ اپنے حصول مقصد کیلئے خواہ ایک جورو کو واپس لانے ہی کا کوئی عظیم مقصد کیوں نہ ہو، کفار کے سارے رسوم ادا کرتا ہے اور اندر سے اسقدر زیادہ سقی القلب نکلتا ہے کہ شاہ بندر کا سر اپنے ہاتھ سے قلم کرتا ہے اور اسکا یہ جواز نکالتا ہے کہ کسی مسلمان کی جورو کو بھگانے کی یہی سزا ہے کہ اسکا سر قلم کیا جائے۔ معلوم نہیں یہ کس شریعت میں ہے۔ ان ساری باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خواجہ صحیح معنوں میں سگ پرست تھا۔ اسکے کردار میں پھر اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنے کے، جیسے وہ غیر انسانی سزا دینے کے باعث دھو بھی دیتا ہے، کسی موقع پر بھی بلندی کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔ وہ وزیر زادے سے محبت کرتا ہے، لیکن اس میں خلوص کم ہے اور یہ غرض زیادہ ہے کہ وہ اسے متبنی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جسوقت وہ وزیر زادی نکلتا ہے تو وہ شکست آرزو میں یہ کہاوت پڑھتا ہے "گھر میں رہے نہ تیرتھ گئے۔ منڈ منڈا فضیحت بھئے"۔ لیکن جوں ہی بادشاہ اس کم سن وزیر زادی کا نکاح اس اکاون سالہ بوڑھے سے تجویز کرتا ہے تو اسکی بےبسی نکل پڑتی ہے اور وہ باپ اور فرزند کے خود ساختہ رشتے کو بھول جاتا ہے۔ اسکے کردار کا یہ نقشہ اچھا خاصہ کسی شرع جو ظاہر دار شیخ جی کا ہے جسے درویشوں کے پہلو میں تضاد کے لئے بٹھایا گیا ہے۔ اسکے یہاں صرف شرع ہے، دین کی

روحانیت نہیں، اسکے برعکس درویشوں کے یہاں دین کی روحانیت ہے، رسوم ظاھری کی پابندی کا کوئی مذکور نہیں۔ یہ سب کہہ چکنے کے بعد ہمیں اسکی بھی گنجائش رکھنی چاہئے کہ معمول انام جتنی بھی داستانیں ہیں، ان میں تبلیغ اسلام کا جز بھی موجود ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں بھی تبلیغ اسلام کا جز ہر چند کہ وہ ایک سبخ ہی کی موعظت کے ذریعے کیوں نہ ہو اس لئے داخل کیا گیا ہو کہ ذرا عوام میں اسکی بھی دھاک رہے۔

جہاں تک اس داستان کے پلاٹ کا تعلق ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ چاروں درویشوں کی سیر کو ایک لنگر میں الجھانے کا تعلق ہے وہ تمامتر ایک ذھنی سازش کا نتیجہ ہے۔ معلوم ایسا ھوتا ہے کہ پہلے یہ قصہ چار درویشوں کا الگ الگ تھا۔ جب کسی داستان گو نے انھیں ایک رسیے میں پرونے کی کوشش کی تو اسکا یہ حل نکالا کہ بادشاہ آزاد بخت کی تکمیل آرزو کو ان چاروں درویشوں کی ملاقات پر ملتوی کردیا۔ اس سے قصے کے آغاز اور انجام دونوں ھی میں وحدت پیدا ھو گئی جو ہر چند کہ سازشی ہے پھر بھی گوارا ہے کیونکہ چاروں درویشوں کی سیر میں غزل کی ایسی ایک داخلی وحدت پائی جاتی ہے۔ اس کا ناگوار پہلو یا بھرتی کا حصہ تو صرف خواجہ سگ پرست کی سر گزشت اور پھر اسکی زبانی اذربایجانی نوجوان کا قصہ ہے جو کہ چاروں درویشوں کی روحانی سیر کی اسپرٹ سے قطعی ہم آہنگ نہیں ہے۔ ہر چند کہ داستان کا مطول ھونا ھی حسن ہے ع طول دینا ھی مزا ہے قصہ کوتاہ کا، لیکن تاوقتیکہ طوالت میں کوئی حسن تعلیل پیدا نہ کیا جائے طوالت نہ صرف کھلتی ہے بلکہ داستان کی اسپرٹ کو مجروح بھی کرتی ہے، اور یہ نقص اس داستان میں خواجہ سگ پرست کی کہانی سے پیدا ھوا ہے۔ جہانتک کہ فرداً فرداً ہر درویش کی سرگزشت کے پلاٹ کا تعلق ہے ان میں سے پہلے درویش کی سرگزشت کا پلاٹ اسقدر ٹھونکا ھوا ہے کہ اسپر انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ دوسرے درویش کی سرگزشت میں حاتم طائی کا قصہ بظاھر ضروری نہیں معلوم ھوتا ہے لیکن چونکہ سیر کا بنیادی جذبہ سخاوت ہے اسلئے وہ اپنا جواز اپنے ساتھ لئے ھوئے ہے۔ تیسرے درویش کی سر گزشت میں نعمان سیاح کا قصہ بھی بظاھر خارج سے عاید

کیا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن جسوقت یہ سوچتا ہوں کہ اسکی عدم موجودگی میں شہزادی فرنگ کا تعارف شہزادہ عجم سے کیونکر کرایا جاتا تو مجھے وہ قصہ دوسرے درویش کی سر گزشت کے پلاٹ کا ایک لازمی جز نظر آتا ہے۔ چوتھے درویش کی سر گزشت کا پلاٹ بالکل درست ہے ۔ اب داستان کے پلاٹ پر ایک نظر پھر ڈالئے ۔ ہر درویش کی سر میں درویش کے عشق کی کہانی سے علیحدہ ایک اور کہانی عشق کی یا دو ہیروئن کی زندگی سے وابستہ کرکے سنائی گئی ہے یا پھر کسی اور جہانے سے ۔ پہلے درویش کی سرگزشت میں شہزادئی دمشق اور یوسف سوداگر کے عشق کی بھی کہانی ہے ۔ دوسرے درویش کی سرگزشت میں شہزادۂ نیم روز اور پری کی داستان محبت بھی ہے۔ تیسرے درویش کی سر گزشت میں شہزادی فرنگ اور اسکے چچا زاد بھائی کا بھی قصہٗ عشق بیان کیا گیا ہے ۔ چوتھے درویش کی کہانی میں سر مرد عجمی کی دختر نیک اختر کا بھی ایک چاہنے والا شاہزادہ ہے جسے ملک صادق عین شب عروسی میں قتل کرتا ہے ۔ اس طرح عشق کا جال چاروں طرف سے پھیلایا گیا ہے ۔ جہانتک داستان کے اختتام کا تعلق ہے اس میں تائید غیبی کی بنیاد پر صرف رجائیت ہی کا پہلو اجاگر نہیں کیا گیا ہے بلکہ فطرت اور فوق فطرت کے درمیان، فروغ جبر اور تدبیر کی بنیاد پر ایک اتحاد یا میل جول بھی پیدا کیا گیا ہے ۔ لیکن فوق فطرت طاقتوں کی برتری پر انسان کی عاجزی کے بالمقابل کچھ ایسا زور دیا گیا ہے کہ اس سے قصے کے تاریخی وجود پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے قصوں کا المیہ ساز، درویشوں کی مایوسی اور پھر تائید غیبی پر بھروسہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ داستان ایک بیمار قوم کو سنائی گئی تھی ۔ اس میں جذبہٗ عشق، اصرار خودی اور ناز فرمائی کے بالمقابل انکار خودی اور عجز و نیاز کی طرف زیادہ مائل ہے۔

زبان و بیان

غالب لکھے ھیں کہ ,, داستان طرازی منجملہ فنون سخن ھے،، اور غالب کے بھیجے خواجہ بدرالدین امان دھلوی حدایق‌الانظار (ترجمہ بوستان و خیال جلد سوم و چہارم) کے دیباجے میں اس فن سخن کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے سب سے زیادہ اھمیت اس بات کو دیتے ھیں کہ ,, عبارت سریع‌الفہم ھو کہ واسطے فن قصہ کے لازم ھے،، ساتھ ھی اسکے وہ ,, لطافت زبان اور فصاحت بیان،، کا بھی ذکر کرتے ھیں ۔ اسکے یہ معنی ھوئے کہ لطافت زبان اور فصاحت بیان تابع ھے اس خصوصیت کے کہ عبارت سریع‌الفہم ھو ۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ھے کہ عبارت کا صرف سریع‌الفہم ھونا کافی ھے ۔ داستان کی زبان لطیف اور اسکا بیان فصیح ھونا چاھئے ۔ کہیں ایسا تو نہیں ھے کہ یہی خصوصیات منجملہ اور خوبیوں کے ,, باغ و بہار،، کی عبارت کو سریع‌الفہم بناتی ھیں ۔ میرا خیال تو یہی ھے لیکن چونکہ ایک لکھنوی داستان طراز مرزا رجب علی بیگ سرور کو میرامن کی لطافت زبان اور فصاحت بیان کے بارے میں شبہہ ھے ۔ اسلئے زرا ان نکتوں کی وضاحت کچھ ضروری سی معلوم ھوتی ھے اور ان کی وضاحت میں اسی وقت زیادہ مزہ آئیگا جبکہ ھم میر امن کی زبان پر الزام لانے والے ھی کی تصنیف و تحریر کے حوالے سے ان پر روشنی ڈالیں ۔

مرزا رجب علی بیگ سرور میر امن کی زبان کے بارے میں لکھتے ھیں ,, دلی کے روڑے اٹکائے ھیں محاوروں کے ھاتھ پاؤں توڑے ھیں،، اس روڑے کی تلمیح یہ ھے کہ میر امن نے باغ و بہار کے دیباچے میں اپنی زباندانی کا دعوی ان الفاظ میں کیا ھے ,, اور جو شخص سب آفتیں سہہ کر دلی کا روڑا ھوکر رھا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گذاریں اور اسنے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے عرس چھڑیاں سیر تماشا اور کوچہ گردی

اس شہر کی مدت تلک کی ہوگی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ • میں رکھا ہوگا اسکا بولنا (اردوئے معلی کا) البتہ ٹھیک ہوگا،،

بس میر امن کا یہی روڑا تھا جس سے الجھ کر مرزا صاحب نے اسکا قافیہ توڑا۔ اور جب کسی اور کا ہاتھ پاؤں نہ ملا تو بیچارے محاوروں کے ساتھ جوڑا ۔ اسی قسم کی رعایت لفظی نے انہیں میر امن کے اسلوب سے دور کیا اور وہ تحسین کے ,,نو طرز مرصع،، کی طرف لوٹ گئے ۔ اسی صورت میں لطافت زبان اور فصاحت بیان کا معیار بھی ان کے یہاں بدلا اور فن قصہ گوئی کے لئے عبارت کا سریع الفہم ہونا ساقط ٹھہرا ۔ ان دو اسالیب زبان میں سے ایک ٹھیٹھ ہندوستانی جسکو میر امن نے برتا اور دوسرا عربی اور فارسی کے الفاظ اور فقروں سے بوجھل اردو جسمیں مرزا رجب علی بیگ نے طبع آزمائی کی ہے کون مقبول انام ہے اسکا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن اسکے پس منظر کو سمجھنا آج بھی بے سود نہیں ہے قصہ یہ ہے کہ اردو زبان اپنی اصل میں ہندی ہے اور وہ ہندی ہے جو کہ دلی اور اسکے نواح میں بولی جاتی تھی۔ اسے اردوئے معلی کا لقب شاہجہاں آباد میں ملا جبکہ بقول میر امن شاہی لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا ۔ اس وقت سے اردو زبان صحیح معنوں میں پروان چڑھی ۔ اور اسکا روز مرہ اور محاورہ متعین ہونے لگا ۔ اس حقیقت سے کسی کو دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر زبان کا ایک مرکز ہوا کرتا ہے جہاں سے وہ پھیلتی ہے ۔ جب دلی نادر شاہی اور ابدالی حملوں سے اجڑنے لگی تو جہاں ملک کے اور حصوں میں وہاں کے شعراء علما اور فضلا جا کر آباد ہونے لگے وہاں انکا ایک بہت بڑا گروہ لکھنؤ میں بھی جا کر آباد ہو گیا ۔ اسوقت سے لکھنؤ بھی اردو کا ایک مرکز بنا لیکن چونکہ وہاں کے مضافات میں کھڑی بولی نہیں بلکہ اودھی بولی جاتی تھی اسلئے اردو بولنے والوں کے لہجے میں فرق آیا ۔ اسی فرق کو چھپانے کے لئے وہ غیر شعوری طور سے عربی اور فارسی کے الفاظ اور فقرے زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے لگے، اسمیں کچھ دخل اس بات کو بھی تھا کہ وہ اسوقت عربی اور فارسی کی تعلیم کا ایک بہت بڑا مرکز بھی تھا ۔ اور جس حد تک انکی تہذیب میں ایرانی کلچر کی نقالی نے جگہ بنائی اور وہ تصنع اور تکلف کی طرف

مائل ہوئے انکے طرز تحریر اور شعر و شاعری میں رعایت لفظی نے بھی زور پکڑا ۔ کہ اسکا تعلق بناوٹ اور سجاوٹ سے ہوتا ہے لیکن معنی آفرینی سے نہیں ہے اسی رعایت لفظی کو وہ اپنے محاورے میں رنگینئی عبارت کے نام سے یاد کرتے تھے ۔ میر امن نے اس روش کو اختیار نہیں کیا، اسکے اسباب کیا تھے اسپر روشنی ڈالی جا چکی ہے ۔ اسکے برعکس انہوں نے " ٹھیٹھ ہندوستانی میں جو کہ اردو کے لوگ ہندو مسلمان عورت مرد لڑکے بالے خاص و عام بولتے تھے " قصہ چہار درویش کو لکھا ۔ اور اسکا معیار دلی کے محاورے اور روز مرے کو یا بقول میر جامع مسجد کی سیڑھیوں کی زبان کو قرار دیا ۔ جسطرح میر نے لہو کو لوھو ، جگہ کو جاگہ بھی نظم کیا ہے کہ اسوقت یہ لہجہ بھی تھا میر امن نے بھی بعد کو بجد ۔ مہربانی کو مہربانگی* وغیرہ لکھا ہے کہ عوام یوں بھی بولتے تھے اسکے ساتھ ساتھ انہوں نے ھندی زبان کے ایسے الفاظ بھی آزادانہ طور سے استعمال کئے ھیں جو کہ اسوقت اردو کے لوگ ہندو مسلمان کے درمیان عام طور پر رائج تھے اور آج کم کم استعمال کئے جاتے ھیں ۔ مثلاً انند مگن وغیرہ ۔ ملک زیر باد کی کتنا تو خیر ٹھیٹھ ھندی ھی بولتی ہے انہوں نے بصرہ کی شہزادی کی زبان سے بھی ھندی کا کبت پڑھوایا ہے ۔ اس زمانے کے اعتبار سے یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی ۔ جہاں میر و سودا کے اشعار دھرائے جاتے ھندی کے دوھے اور کبت بھی اردو کے لوگ اپنی بات چیت میں لاتے ۔ لکھنؤ والے برطانوی سپاھیوں کے تحفظ میں کلچر کے اس دھارے سے دور ھو چلے تھے، اب ان میں نہ تو ھندوستانی کی یہ ملاوٹ تھی ۔ اور نہ انکے بیان میں وہ سادگی نرمی اور گھلاوٹ تھی جو کہ میر کی شاعری میں ہے ۔ وہ آسان کو مشکل بنا کر پیش کرنے کے فن میں مہارت حاصل کر رہے تھے، اور ایک رنگ کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی دھن میں تھے ۔ جب انکے سامنے میر امن کا یہ اسلوب آیا تو اس سے انہوں نے اپنی نمائش کی کشتی کو ڈوبتے ہوئے پایا ۔ مرزا رجب علی بیگ سرور کو ان کی زبان اور انکا بیان اسی لئے پسند نہ آیا ۔ کہ انکی زبان ہندوستانی اور بیان بنیادی اعتبار سے تصنع اور

---

* چاہے وہ شاہ ہم کو ٹک مہربانگی سے
اے آفتاب ہم نے اکثر یہ بات چاہی (شاہ عالم ثانی)

تکلف سے عاری ہے۔ اور وہ اس عام فہم اور فطری انداز تحریر کے خوگر نہ تھے۔ انکا انداز نگارش تو یہ ہے کہ اگر انہیں جان عالم کی خدمت میں طوطے سے یہ کہلانا ہے کہ اگر آپ گھڑی بھر اور دیر لگاتے تو میری روح شہزادی کے غیظ و غضب سے پرواز کر جاتی تو اسے اسطرح ادا کرتے ہیں۔ ,,اگر آپ گھڑی بھر اور دیر لگاتے تشریف نہ لاتے تو میرا طائر روح گربہ غضب شاہزادی سے مجروح ہو کر پرواز کر جاتا،،۔ اور شہزادی کے غضب کی تصویر یوں کھینچتے ہیں۔ ,,پھر تو شعلہ غضب کا کانون سینہ شہزادی میں مشتعل ہوا،، یہ بیچارے نہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ شعلہ کانون سے باہر بھی مشتعل ہوا کرتا ہے۔ یوں بھی کہا جاتا ہے۔ کہ وہ مشتعل ہوئی۔ اسکا غصہ بھڑک اٹھا۔ ان فقروں میں نہ تو کہیں شعلہ ہے اور نہ کانون حالانکہ استعارہ سارا آگ ہی کا ہے۔ اسی طرح ایک طائر مست پر کی روح کے پرواز کرانے کے لئے انہیں شاہزادی کے غضب کی بلی کے لانے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ فرض کیجئے کہ اگر اس مست پر کا طائر روح، گربہ غضب شاہزادی سے مجروح ہوکر بھی پرواز نہ کرتا تو کیا اسکے لئے مصنف شیر ببر لاتا۔ طائر روح، کا استعارہ۔ طائر اور روح کے پرواز کرنے کی نسبت سے ہے نہ کہ ان دونوں کے درمیان کوئی جسدی مناسبت ہے جسے مجروح کرانے کی ضرورت تھی۔ مجروح تو شاہزادی کے گربہ غضب سے طوطا ہوتا نہ کہ اسکا طائر روح۔ اسکی روح تو مجروح مصنف کے رعایت لفظی ہی سے ہوسکتی ہے۔ تو غرض یہ ہے کہ نہ تو میر امن کے یہاں نہ رنگینی ہے جسمیں ایک طوطے کا دو طوطا بنتا ہو اور نہ لفظوں کا یہ کھڑبیچ ہے کہ اگر شعلہ کا لفظ آئے تو شہزادی کے سینے میں کانون کا ڈالنا ضروری قرار پائے۔ میر امن کی عبارت میں رنگینی استعاروں کے ایجاز و اختصار اور محاوروں کے برتنے سے پیدا ہوئی ہے نہ کہ ,,استعاروں کے ہاتھ پاؤں توڑنے سے،،۔ اب میر امن کا انداز تحریر ملاحظہ کیجئے۔۔

,,بعد آٹھ دن کے وہ معشوقہ مجھسے مخاطب ہوئی کہ حق تعالی نے آدمی کو انسانیت کا جامہ عنایت کیا ہے کہ نہ پھٹے نہ میلا ہو۔

اگرچہ پرانے کپڑوں سے اسکی آدمیت میں فرق نہیں آتا ہے پر ظاہر میں خلق‌اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا،،۔ اب ایک اور جگہ جامے کا استعارہ ملاحظہ کیجئے ۔ ،،سوائے بصرہ کی شاہزادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا ۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے،،۔ مرزا رجب علی بیگ سرور ہوتے تو معلوم نہیں کتنے جملوں میں اس مفہوم کو ادا کرتے اور کیا عجب جو اس جامے کو قطع کرنے کے لئے قینچی لیکر دوڑتے۔ لیکن مجھے اس جھگڑے ٹنٹے سے کیا لینا ہے ۔ میں نے تو میر امن کے اسلوب کو اجاگر کرنے کے لئے یہ تمہید باندھی ہے ۔ لیکن چونکہ میرا کام ادب کو پرکھنا ہے نہ کہ کسی کی حمایت یا مخالفت کرنی ہے اسلئے ان کے حسن بیان پر روشنی ڈالنے سے پہلے میں ان کے ایسے چند محاوروں کا بھی ذکر کروں گا جہاں واقعی ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ ،،میرا قصہ دور و دراز ہے*،، ،،سلطنت برباد دی،، برباد کی۔ دستر خوان مزید کیا ۔ بڑھایا ۔ ،،محبت کھینچا،، ، انتظار کھینچا،، ،،دستگیر کرکے لائے (گرفتار)۔ لیکن یہ سکسگی ہر جگہ نہیں ہے ۔ بس انہی ہی جگہوں میں ہے جنکا کہ ذکر کیا گیا ۔ اول اول جب فارسی کے محاورے اردو میں ترجمہ کئے گئے تو انکا یہی عالم تھا ۔ وہ آہستہ آہستہ خراد پر چڑھکر درست ہوئے ہیں۔ اب میں کچھ ایسے الفاظ کا ذکر کرونگا جنہیں انہوں نے غلط‌العوام اور غلط‌العام کی تمیز کے بغیر استعمال کیا ہے۔ مجد، مہربانگی، امراؤں، غرباؤں، سلاطینوں، پنڈت خانہ، جیسے الفاظ غلط العوام کے تحت آتے ہیں نہ کہ غلط‌العام کے تحت ۔ ایک لفظ سنسکرت کا بھی غریب استعمال ہوا ہے ،،ایک گمت رہیں یا جدا جدا ہوجائیں،، گمت کی جگہ سنگھ زیادہ مستعمل ہے ۔ یہ ہیں وہ چند محاورے اور الفاظ جنکی رسائی ان دنوں بارگاہ ادب میں نہیں ہے لیکن لاکھدو لاکھ الفاظ کی عبارت میں انکا وجود اسقدر غیر نمایاں ہے کہ ان سے امن کی زبان اور بیان پر کوئی حرف نہیں آتا ہے ۔ وہ کب سہو و خطا سے اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں—

---

* معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ محاورہ قدیم زمانے میں رائج تھا ۔ قاسم اپنے تذکرے ،،مجموعہ نغز،، میں انشاء کے ذکر میں لکھتے ہیں ،، القصہ قصہ دور و دراز است ......،،

خطا گر کہیں ھو تو رکھیو معاف
کہ پھولوں میں پوشیدہ رھتا ھے خار

ھے انسان مرکب ز سہوو خطا
یہ چوکے گا ھر چند ھو ھوشیار

اب آپ انکی سہوو خطا سے درگذر کرکے جوکہ ھر ایک کے یہاں ھے انکے اسلوب کی خصوصیات پر غور کیجئے۔

یہ تاثر قائم کرنا تو بڑا سہل ھے کہ میر امن کی نثر رواں دواں، سلیس، با محاورہ اور سریع الفہم ھے لیکن ایسا کیوں ھے اسکا تجزیہ قدرے دشوار ھے۔

میر امن کی نثر میں آھنگ ھے اسکی طرف مختلف حضرات ھمیں متوجہ کر چکے ھیں لیکن اسپر کم لوگوں نے دھیان دیا ھے کہ وہ آھنگ اتنی نا ملتزم نہیں ھے جتنی کہ بظاھر معلوم ھوتی ھے چند جملے ملاحظہ ھوں۔۔

(۱) ،،اگر خوبصورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق نہ ھوتا تو وہ بد بخت میرے گلے کا طوق نہ ھوتا،،

(۲) ،،میں یہودی سے پوچھوں کہ ایسی کیا تقصیر کی ھے جسکے بدلے یہ تعزیر کی ھے،،

(۳) ،،تونے جان و مال سے خاطر کی اور جو کچھ اپنی بساط تھی حاضر کی،،

(۴) ،،غرض دونوں نے مجھے خرد و خام کیا اور حضرت یوسف کے بھائیوں کا سا کام کیا،،۔

یہ سارے جملے مقفی ھیں۔ اور قافیوں کا یہ التزام بعض جگہوں میں گفتگو کو بے مزہ بھی کر دیتا ھے۔ ایک موقع پر اسکی مثال ملاحظہ کیجئے۔

،،جب تو وھاں سے فراغت کر کر آیا اور میرے رو برو عذر غیر حاضری کا شرمندگی سے لایا۔ میں نے تیری تشفی کے لئے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں جب اپنے رضا دی تب آیا،،۔

گفتگو کا یہ انداز کب کسی دور میں پایا گیا ہے اور کب کسی نے اپنے لئے فرمایا کہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آہنگ برجستہ انکے قلم سے نہیں پھوٹا ہے بلکہ اسکے لئے التزام بھی کیا ہے۔ لیکن ان کی نثر کی صرف یہی ایک خصوصیت نہیں ہے۔ وہ محمد حسین آزاد کی طرح ہر کیفیت کی مصوری کرتے ہیں۔ اور اسکا دستور انکے یہاں یہ ہے کہ وہ پہلے اعلان کیفیت کرتے ہیں اسکے بعد فوراً ہی اسکی مصوری یا توضیح کرتے ہیں اور جیسی کیفیت ہوتی ہے اسی کے مطابق آہنگ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً جہاں سکون ہے وہاں آہنگ بھی سست رو ہے اور جہاں حرکت ہے وہاں آہنگ بھی تیز ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اس عبارت کا مطالعہ کیجئے۔

"اب دمڑی کی بھی بدیاں میسر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑاکے کھینچے تاب بھوک کی نہ لاسکا۔ لاچار بے حیائی کا برقعہ منھ پر ڈال کر قصد کیا کہ بہن کے پاس چلئے (اب اسکے بعد بے حیائی کی توضیح ہے) لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا نہ خالی خط لکھا۔ بلکہ اس نے دو ایک خط خطوط ماتم پرسی اور اشتیاق کے جو لکھے اسکا بھی جواب اس خواب خرگوش میں نہ بھیجا (اب تذبذب کی منزل آتی ہے) اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا (تذبذب رفع ہوتا ہے اور ارادہ عمل کی صورت اختیار کرتا ہے) پر سوائے اس گھر کے اور کوئی ٹھکانہ نظر میں نہ ٹھہرا (اب آہنگ تیز تر ہوتا ہے) جوں توں پا پیادہ خالی ہاتھ گرتا پڑتا ہزار محنت سے وہ کئی منزلیں کاٹ کر ہمشیر کے شہر میں جا کر اسکے مکان پر پہنچا" آخری جملے میں "ہمشیر کے شہر میں جا کر" ایک زاید فقرہ ہے جسے صرف آہنگ کی خاطر لایا گیا ہے۔

میر امن نہ تو اردو زبان کے قواعد سے بے خبر تھے اور نہ اس بات سے کہ پہلے مبتدا پھر خبر، پہلے مضاف اور پھر مضاف الیہ ہونا چاہئے لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے جملوں میں اس قاعدے کی پابندی بہت ہی کم کرتے ہیں اسکا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ اپنی عبارت کو آہنگ کا پابند رکھتے ہیں۔ اور جہاں کہیں ضرورت محسوس کرتے ہیں، وہ شعرا کی

طرح خبر پہلے مبتدا بعد میں، مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں استعمال کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور ایسا وہ اسلئے کرنے پر مجبور تھے کہ انکے زمانے کا یہی دستور تھا کہ جب نثر لکھی جاتی تو قافیہ وزن اور آہنگ سب کا خیال رکھا جاتا۔ میر امن اس ٹھوس سماجی حقیقت کو تمام‌تر نظرانداز نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وزن نہیں تو قافیہ اور قافیہ نہیں تو آہنگ تو ہونا ہی چاہئیے۔ لیکن میں نے یہ کیا بات کہی۔ آہنگ تو ہر نثر میں موجود ہوتا ہے خواہ وہ معریٰ ہو یا مسجع۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ معریٰ نثر میں آہنگ متنوع ہوتا ہے وہ جگہ جگہ بہ اعتبار ترتیب بدلتا جاتا ہے اور یہی اسکی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اسکے برعکس مسجع نثر میں آہنگ غیر متنوع ہوتا ہے۔ اس سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کان قافیئے کے عادی ہو جاتے ہیں کے باعث آن کے انتظار میں رہتے ہیں نہ کہ مطلب کو ذہن نشین کرنے میں مددگار رہتے ہیں۔ میر اس کے یہاں قافیئے کا التزام ہر جگہ نہیں ہے۔ گو اس سے ان کو بالکل بری بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تاہم انکی نثر کی یہ بنیادی خصوصیت نہیں ٹھہرائی جا سکتی ہے، انکی نثر کی بنیادی خصوصیت آہنگ ہی کا التزام ہے جو کہ متنوع ہے جیسا کہ ایک اچھی نثر میں ہونا چاہئیے۔ زبان کو معنوی اعتبار کے ساتھ ساتھ صوتی اعتبار سے بھی دیکھنے کی یہی خوبی انکی عبارت کو فصیح بناتی ہے۔ آپ جونکے تو نہیں فصاحت کی بنیاد صوتیات ہی پر تو ہے۔ وہ تو بلاغت ہے جسکا تعلق معنی سے ہے۔

ع شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے

ع کھا کھا کے اوس اور بھی سبزا ہرا ہوا

یہ جو ساری مثالیں شبلی نے دی ہیں ان کا تعلق صوتیات ہی سے ہے۔ یہ فصاحت میر امن کے یہاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ وائے بیرن تو سوئی مٹی کی نشانی ہے۔ ذرا اس جملے میں بیرن کی جگہ بھائی بھیا وغیرہ رکھکر تو دیکھئیے۔ ہاں انکی عبارت میں وہ لکھنوی بلاغت نہیں ہے کہ اگر ایک لفظ کشتی کا آجائے تو اسکی رعایت سے لنگر، بادبان، ناخدا سب کا لانا ضروری قرار دیا جائے اور اگر یہ بلاغت نہیں بلکہ رعایت لفظی ہے اور

بلاغت حرف مطلب کو موثر انداز میں دوسروں تک پہنچانے کا نام ہے تو پھر اسکی مثالیں بھی انکے یہاں استعاروں کے استعمال میں ڈھونڈھی جاسکتی ہیں ۔ لیکن میں نے یہاں یہ کیا بات اٹھائی ۔ بلاغت اور داستان میں ؟ یہ دو لفظ ھی کچھ اسکے لئے بھاری پڑتا ہے ۔ مگر اس کی عبارت تو سریع الفہم ہے جیسا کہ خواجہ بدرالدین امان نے فن قصہ گوئی کے لئے لازمی قرار دیا ہے ۔

عبارت سریع الفہم حواس کو مخاطب کرنے سے ہوتی ہے ۔ اور اس کا آسان طریقہ تشبیہہ اور تمثیل (dramatization) ہے لیکن چونکہ داستان گوئی میں تمثیل کی ضرورت زیادہ اور تشبیہات کی کم ہوتی ہے، اسلئے میر امن نے زیادہ تر تمثیلات ھی سے کام نکالا ہے ویسے کہیں کہیں منظر نگاری کے موقعے پر انھوں نے اچھی تشبیہات بھی استعمال کی ھیں، لیکن ایسے مواقع انکے یہاں اسقدر کم آئے ھیں ان کے ذکر کو حذف کیا جا سکتا ہے ۔ اب ھم آپ کی توجہ انکی تمثیل نگاری کی طرف مبذول کرنا چاہتے ھیں ۔ دیوانگی کے عالم کی ایک تمثیل ملاحظہ ہو ،، آخر وہاں سے مایوس ھو کر پھر آیا ۔ تو اس پری کو پیڑ کے نیچے نہ پایا ۔ اس وقت کی حالت کیا کہوں نہ سرت جاتی رھی ۔ دیوانہ باؤلا ھو، کبھی درخت پر چڑھ جانا اور ڈال ڈال پات پات پھرنا ۔ کبھی ہاتھ پاؤں چھوڑ کر زمین پر گرنا اور اس درخت کی جڑ کے آس پاس تصدق ہونا ۔ کبھی چنگھاڑ مار کر اپنی بے بسی پر رونا ۔ کبھی پچھم سے پورب کو دوڑ جانا ۔ کبھی اتر سے دکھن کو پھر آنا ،، یہاں دیوانگی کی ایک اداکاری کی گئی ہے نہ کہ صرف یہ بیان واقعی ہے کہ میں دیوانہ اور باؤلا ھو گیا، وہ اپنی عبارت کو سریع الفہم بالعموم انھیں قسم کی تمثیلات، توضیحات اور مصوری سے کرتے ھیں لیکن چونکہ یہ عمل اختصار کا نہیں، بلکہ طوالت کا ہے ۔ اور میر امن فطرتاً اختصار پسند واقع ہوئے تھے اسلئے وہ اکثر اس عمل کے بجائے چھوٹے چھوٹے محاوروں اور اچھوتے استعاروں سے بھی کام نکال لیتے ہیں ۔ جس وقت کہ ادب کا ایک طالب علم انکی انشا پردازی کی کسی دائم اور باقی خدمت کا پتہ چلائے گا تو اسکی نظر انکی تمثیل نگاری اور مصوری پر نہیں بلکہ ان نئے استعاروں اور افعال پر پڑیگی جو کہ انھوں نے ھمیں دئے ھیں

کیونکہ زبان کے سرمائے میں انہیں سے اضافہ ہونا رہتا ہے اس سلسلے میں ان کی خدمات بڑی اہم اور وسیع ہیں۔ میر امن نے جو ہمیں نئے استعارے دئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ ،، جب نشہ طلوع ہوا،، ۔ ،، مرد نکھٹو ہو کر گھر بیٹھتا ہے،، ۔ ،، دھری نوبس جھڑنے لگیں ،، ،، دنیا کا یہی آواگون ہے،، ، کریال میں غلیلا لگا،،* تب میں نے دل کڑا کر کہا ۔ ،، آدمی اناج کا کیڑا ہے، ،، آدمی کا شیطان آدمی ہے،،** ۔ یہ صحیح ہے کہ ان کہاوتوں اور استعاروں میں سے چند پرانے بھی ہیں اور انہوں نے انہیں وضع نہیں کیا ہے ۔ لیکن اس سے انکی خدمت کی اہمیت گھٹتی نہیں ہے ۔ اسطرح انہوں نے ہمیں بہت سے نئے افعال اسم سے بنا کر دئے ہیں ۔ ،، بات سے بتیانا ۔ ڈور سے ڈوریانا ۔ ٹانگ سے ٹنگیانا ۔ اڑی سے اڑانا ۔ نای سے بنہانا ۔ ننگا سے ننگیانا وغیرہ

وہ اپنی اسی اختصار اور جامعیت پسندی کے باعث جو کہ نئے سے نئے استعاروں اور افعال کی جستجو سے ظاہر ہے وہ مرادفات یا گارساں دتاسی کے الفاظ میں ،، ایسے الفاظ نہیں لاتے جنکے کوئی معنی (اس عبارت میں) نہیں ہوتے،، ۔ یہاں یہ سمجھانا جا سکتا ہے کہ وہ تابع مہمل الفاظ اکثر استعمال کرتے ہیں لیکن ایسا وہ ایسے ہی موقع پر کرتے ہیں جہاں وہ گفتگو کا فطری انداز پیدا کرتے ہیں ۔ ورنہ انکی ٹھونکی ہوئی عبارت کا انداز تو یہ ہے کہ ایک فقرے میں ایک جملے کا مفہوم ادا کر جاتے ہیں ،، رعیت آباد خزانہ معمور، لشکر مرفہ، غربا آسودہ،، یہاں صفت اپنے موصوف کے ساتھ اسطرح جڑی ہوئی ہے گویا وہ صرف اسی کے لئے وضع ہوئی تھی ۔ معاف کیجئیے گا بلاغت انہیں باتوں سے پیدا ہوتی ہے ۔

پھول کے پہلو ہی میں تو خار ہوتے ہیں ۔ جہاں انکی عبارت میں یہ ساری خوبیاں ہیں وہاں ایک بہت بڑی کمزوری بھی ہے ۔ زبان کی نہیں بلکہ

---

* بیٹھے اگر خوشی سے آکر چمن میں بلبل
کریال میں غلیلا ایسا لگے کہ اڑجا
(سجاد ہمعصر میر)

** نوراللغات

اس بات کی ہے کہ انھیں جذبات نگاری میں قدرت حاصل نہ تھی۔ وہ سفر کے ھرج مرج اور طلسم و حیرت کا سماں اچھا باندھتے ھیں، کہیں کہیں کسی کو دو ھتھی جھاڑتا اور ھانک پکار کے بھگانا ھوا بھی پیش کر لیتے ھیں لیکن جب محبت یا غم کی کیفیت کے بیان کا وقت آتا ہے تو وہ توضیح اور تمثیل سے آگے بڑھ نہیں پاتے ھیں۔ وہ نہ تو جدائی کا کوئی نوحہ لکھ پاتے ھیں اور نہ محبت کی کوئی غزل۔ وہ عشق کی داستان لکھتے ھیں لیکن عشق کی کیفیات کو سوز اور درد کیساتھ بیان کرنے پر قادر نہیں ھیں۔ اسکے لئے تنہا تمثیل کافی نہیں ہے۔ اداکاری کے ساتھ کچھ شاعری کو بھی ساتھ لینا پڑتا ہے لیکن چونکہ بد قسمتی سے نہ تو وہ شاعر تھے اور نہ شاعر کے بھائی اسلئے وہ تلملانے اور تڑپنے کے آگے کوئی اور حرف الم لکھ نہ سکے۔ کاش کہ انھوں نے یہ کام کچھ اساتذہ کے اشعار ھی سے لیا ھوتا۔ لیکن انھیں تو اچھے اشعار سے کچھ بیر سا معلوم ھوتا ہے ''تو طرز مرصع'' میں تحسین نے میر و سودا، اور سوز وغیرہ کے اشعار کثرت سے نقل کئے ھیں لیکن میر امن نے انھیں ایک سرے سے ملمزد کردیا اور ان کی جگہ ھندوستانی گفتگو میں اسے بے معنی اور پھسپھسے اشعار پیش کئے ھیں جو غالباً انھیں کے طبع زاد ھیں:—

آفت کو عشق کی، عاشق سے پوچھا چاھئے
کیا خبر فاسق کو ہے صادق سے پوچھا چاھئے

اس عشق کی بدولت کیا کیا خرابیاں ھیں
دل میں اداسیاں ھیں اور اضطرابیاں ھیں

نہ جانوں کس پری رو کی نظر ھوئی
ابھی تو تھا بھلا چنگا مرا دل

قابو میں ھوں میں ترے اب گو جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسو نے بھر دم لیا تو پھر کیا

باغ و بہار میں دلی کی معاشرت کی جھلکیاں

ہماری ہر داستان خواہ اسکا محل وقوع چین و عرب ہو یا کہ عجم، اسکے ہیرو امیر حمزہ ہوں یا کہ ادنیٰ درویش، اپنے عہد کی معاشرت کا ایک آئینہ بھی ہے۔ قوت متخیلہ حقیقت پر ایک رنگین فانوس چڑھاتی ہے نہ کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں لاتی ہے۔ چنانچہ باغ وبہار کی مختلف حکایتوں کے در و بام بھی عہد مغلیہ ہی کی رنگینئی شفق سے آراستہ کئے گئے ہیں۔ اس میں اسی دلی کی افسردہ سلگتی ہوئی شام کی رنگینی ہے جو کہ احمد شاہ ابدالی کی غارتگری سے کچھ روز پہلے تھی۔ یا زیادہ سے زیادہ اس عہد کی کسی شام کی رنگینی ہے جبکہ محمد شاہ رنگیلے، ٹپے ٹھمری کے مصنف، داستان گویوں کے مربی، فقیر و درویش کے معتقد جاہ و جلال تیمور کو غرق مئے ناب کئے ہوئے تھے اور قلعے کی شہزادیاں شربت ورق الخیال کے نشے میں بے حجاب سی ہو رہی تھیں۔ اس عیش و نشاط اور رقص و سرود کی محفل میں کیا شحنہ اور کیا محتسب دونوں کی زبان گنگ تھی۔ ایک نے رشوت کھائی اور دوسرے نے مئے پی رکھی تھی۔ دونوں گنہگار تھے، صرف آدمی پرہیزگار تھا۔ اور چونکہ قصہ آدمی کی پرہیزگاری کا ہے نہ کہ ان دونوں کی گنہگاری کا اس لئے گلابیاں طاقوں پر چنی دھری رہتیں۔ جب بھی کوئی مہمان آتا تو بلا تکلف اس سے انہیں نوازا جاتا۔ اس سے شہزادیاں مستثنیٰ نہ تھیں۔ لیکن شہزادیوں کا یہ آداب معاشرت، انکی یہ دیدہ دلیریاں کہ خواجہ سراؤں کے ذریعے اپنے عاشقوں کو بلوائیں، قلعے کے نیچے سُرنگیں لگوائیں، سوداگروں کی بہو بیٹیوں میں نہ تھا، ہر چند کہ اسوقت کا خواجہ زادہ اپنی دولت میں شہزادے سے کم نہ تھا۔ پہلے درویش کی بہن کیسی گھریلو اور سگھڑ ہے۔ رسم و رواج میں ٹھیٹھ ہندوستانی ہے۔ بھائی کے آنے پر کالے تکے اور ماش کا صدقہ دیتی ہے۔ جب رخصت کرتی ہے نو دھی کا ٹیکہ ماتھے پر لگاتی ہے۔

یہی ہندی خلوص اور مہر و وفا، شہزادۂ فرنگ کے کوکا اور شہزادۂ چین کے خواجہ سرا مبارک کے یہاں بھی ملتا ہے۔ حالانکہ ایک مرد جری ہے جو کہ تلوار دو دستی جھاڑتا ہے اور دوسرا نرا خواجہ سرا ہے جو کہ ننگا منگا تہمد جھاڑ کر ملک صادق کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر بہزاد خاں داروغہ شہر بھی تو دلی ہی کا کوئی بانکا سپاہی تھا جسنے قلعے کے نامرد سپاهیوں کو للکارا اور هانک پکار کے ملکہ مہر نگار اور اسکے خصم کو اپنے ساتھ لیگیا *۔ کیا عجب جو اگلے وقتوں میں برات کی یہی رسم رهی هو اور وہ کٹنی شیطان کی خالہ تو سراسر دلی ھی کے کسی گلی کوچے کی تھی جو کہ تسبیح کے ہر دانے پر عیاری کے اشلوک پڑھتی تھی، اور وہ دختر نیک اختر اندھے ہندوستانی بھکاری کی هندی ہی تو تھی۔ کیا عجب جو دلی ھی کی رھی هو جو اس للچائے هوئے انداز سے بولی "اے جوان خدا سے ڈر، بگانی استری پر نگاہ مت کر"، غرض کہ سارے افراد قصہ خواہ وہ زیر باد کی کنیا ہو یا کہ بصرے کی شاهزادی، شاهزادۂ نیم روز ہو یا کہ سراندیپ کے چوبے اور بانڈے سب اسی دیار کے لگتے ھیں جھاں میر امن کا آنول نال گڑا تھا۔ بصرے کی شاهزادی باپ کے قہر و عتاب میں پڑ کر بھی اسکی محبت اور احترام کو فراموش نہیں کرتی ہے، خواجہ سگ پرست کی نیک بخت جورو ملک زیرباد کی کنیا جب یہ خبر سنتی ہے کہ اسکا شوهر مارا گیا تو وہ سینے میں خنجر مار کر ستی ہوتی ہے۔ جب ہندوستان کی معاشرت اس حد تک قصے میں سرایت کئے ہوئے ہو کہ ایک متشرع کی کلمہ گو جورو، ستی ہوتی ہو تو پھر لباس و طعام، گھنے پاتے، نقل و حمل کے سامان، قلعے اور درباری شان، نوکر چاکر کے نام اور عیش و نشاط کے سامان کیونکر نہ اس زمانے کے هوں۔ وهی گوکھرو اور لہر ٹکے ہوئے پلو اور آنچل، وهی پشواز اور تہمہ پوشی ہے، وهی نیمہ آستیں اچکن چپکن

---

*بہادری کا ایک ایسا ھی واقعہ تاریخ مغلیہ میں بھی ملتا ہے جسوقت ۱۷۶۱ع میں شہزادہ عالی گہر قلعہ کی دیوارکو پھاند کر بھاگا ہے تو اسکا رفیق جان سید علی/اعظم خاں تن تنہا قلعے کی فوج سے لڑتا رها۔ اسکی بہادری کا یہ قصہ زبان زد خاص و عام رها ہے— (تاریخ ہند ذکاءاللہ)

چڑھواں جوتا اور پگڑی ھے ۔ وھی مرصع کنگن، سولہ ابھرن ھیں، وھی پالکی نالکی، چوڈول، ھوا دار، نواڑے، بجرے، لنبوت اور غراب ھیں ۔ وھی چھوچھو، انگا، دابہ، یساول، عصابرادا، بھوئی اور حال ھیں، وھی گلابی اور حباب، وھی شراب اور ورق الخیال ۔ وھی گانے بجانے والے بھانڈ بھگتیئے۔ کلاونت اور قوال ھیں ۔ اور کھانوں کی فہرست تو ایک پوری کتاب خوان نعمت، سے بھی سوا ھے ۔ غرضیکہ یہ کتاب دلی کی معاشرت اور اسکے گلی کوچے کے اوراق مصور ھیں جہاں آدمی هزاری بزاری طرح طرح کے ملتے ھیں۔ کہیں کسی نوجوان کو گھورنے کے لئے ایک میلہ سا لگا ھے تو کہیں کسی کے پاس باغ میں شراب کے دور، معشوق کی صحبت میں چل رھے ھیں اور ,,دو چار لڑکے امرد صاحب جمال زلفیں کھولے ھوئے ناچ رھے ھیں،، اور اگر کہیں کسی کے گھر پر ضیافت کی ساری ھے تو بانی کے چھڑکاؤ، فرش فروش، جھاڑ فانوس، یساول، عصا بردار کے علاوہ کنچنیاں، بھانڈ بھگتیئے، کلاونت اور قوال بھی حاضر ھیں* ۔ خدا کا شکر ھے کہ ان میں کوئی شاعر نہیں ھے ۔ ایسے باغ کی سیر کی تمنا کسے نہ ھوگی جس سے حظ اٹھانے میں ھم خرما ھم ثواب کا مزا ھے ۔ سچ ھے اس باغ کو خزاں نہیں ۔ کب کوئی صاحب ھنر ایسا باغ سجاتا ھے ۔ آئیے ھم سب مرحوم کو یاد کریں ۔ اور یہ دعا مانگیں جو کوئی اس قصے کو پڑھے گا وہ نہ صرف حرص و ھوس سے نجات پائے گا بلکہ اپنی زبان کو بھی سیکھےگا کہ آدمی اسکی قوت سے محروم ھوکر اپنی قومیت کو کھوتا ھے ۔ اور ابد لا باد تک غلام رھتا ھے۔

ممتاز حسین

۸٦۷ - پیر الٰہی بخش کالونی ۔ کراچی

نومبر سنہ ۱۹۵۷

---

* میر امن نے دلی کی جو یہ تصویر پیش کی ھے اسکے ایک ایک خدوخال کی تصدیق نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں سالار جنگ کے ,,مرقع دھلی،، سے ھوتی ھے۔ جو کہ محمد شاھی عہد کی بزم طرب کا ایک مستند خاکہ ھے ۔ میں نے طوالت کے خوف سے اقتباسات نہیں دئے ھیں ۔ مولف

باغ و بہار

تالیف کیا ہوا میر امن دِلّی وَالے کا

ماخذ اس کا "نو طرزِ مُرصّع"

کہ وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں کا ہے

فارسی قصّۂ چہار درویش سے

فہرست باغ و بہار

صفحہ

مقدمہ جان گلکرایسٹ کا

یہ قصہ اردو میں ترجمہ ہونے سے پہلے فارسی زبان میں قصہ چہار درویش کے نام سے ایک زمانے سے مقبول خاص و عام رہا ہے ۔ اسکی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ ایک دفعہ امیر خسرو کے پیرومرشد حضرت نظام الدین اولیا کی طبیعت ناساز ہوئی ۔ تب ان کا دل بہلا نے کےلئے امیر خسرو نے یہ قصہ فارسی زبان میں کہا ۔ اردو میں اس کا ترجمہ سب سے پہلے میر حسین عطا خاں تحسین نے کیا اور اسکا نام ,, نو طرز مرصع،، رکھا لیکن اردو زبان کے ایک معیاری نمونے کی حیثیت سےانکا یہ ترجمہ ناقص قرار پایا کیونکہ اس میں عربی اور فارسی کے فقروں اور محاوروں کی بہتات ہے ۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے میر امن عالم و فاضل، دلی والے نے جوکہ فورٹ ولیم کالج سے وابستہ ہیں عطا خاں تحسین کے ترجمے سے اپنا یہ نیا اسلوب (Version) نکالا ہے ۔ میر امن ایک سہل و سادہ اور صاف اسلوب کے نکالنے میں کسقدر زیادہ کامیاب ہوئے ہیں اسکا اندازہ ہندوستانی زبان کا کوئی بھی عالم کر سکتا ہے ۔ وہ ریختہ کے محاوروں کو ایسی صحت اور عفت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ اسکے دیکھنے سے اس بات کا یقین کامل ہوتا ہے کہ انکی واقفیت اردو زبان سے بڑی گہری تھی ۔

اس قصے میں ایشائی رسم و رواج کا مذکور بہت خوب ہے ۔ اور ان کے بیان میں ایک ایسی کلاسیکی طہارت پائی جاتی ہے کہ اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ یہ قصہ ان کا اپنا طبع زاد ہے ۔ یہ کتاب اپنی اس خصوصیت کے باعث ہندوستان کی ان کتابوں کے سرمائے میں ایک بیش بہا اضافہ کرتی ہے جوکہ حال ہی میں وہاں کی معروف اور مقبول زبانوں میں شائع ہوئی ہیں ۔

(ترجمہ انگریزی سے)

عرضی میر امن دلی والے کی

جو مدرسے کے مختار کار صاحبوں کے حضور میں دی گئی

صاحبان والا شان نجیبوں کے قدر دانوں کو خدا سلامت رکھے۔ اس بیوطن نے حکم استہار کا سنکر چار درویش کے قصے کو ہزار جد و کد سے اردوئے معلا کی زبان میں باغ وبہار بنایا ۔ فضل الہی سے سب صاحبوں کے سیر کرنے کے باعث سرسبز ہوا ۔ اب امیدوار ہوں کہ اسکا پھل مجھے بھی ملے ۔ تو میرا غنچہ‌ٔ دل مانند گل کے کھلے۔ بقول حکیم فردوسی کے کہ شاہنامے میں کہتا ہے۔

بسے رنج بردم دریں سال سی
عجم زندہ کردم بہ ایں پارسی

سو اردو کی آراستہ کر زبان
کیا میں نے بنگالا ہندوستان

خاوند آپ قدر دان ہیں ۔ حاجت عرض کرنے کی نہیں ۔ الہی تارا اقبال کا چمکتا رہے۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان اللہ! کیا صانع ہے! کہ جسنے ایک مٹھی خاک سے کیا کیا صورتیں اور مٹی کی مورتیں پیدا کیں! باوجود دو رنگ کے ایک گورا ایک کالا۔ اور یہی ناک کان ہاتھ پاؤں سب کو دئے ہیں۔ تسپر رنگ برنگ کی شکلیں جدی جدی بنائیں۔ کہ ایک کی سج دھج سے دوسرے کا ڈیل ڈول ملتا نہیں۔ کڑوڑوں خلقت میں جسکو چاہئے پہچان لیجئیے۔ آسمان اسکے دریائے وحدت کا ایک بلبلا ہے۔ اور زمین پانی کا بتاشا۔ لیکن یہ تماشا ہے کہ سمندر ہزاروں لہریں مارتا ہے۔ پر اسکا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ جسکی یہ قدرت اور سکت ہو۔ اسکی حمد و ثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے۔ کہے تو کیا کہے! بہتر یوں ہے کہ جس بات میں دم نہ مارسکے چپکا ہو رہے۔

عرش سے لے فرش تک جسکا کہ یہ سامان ہے
حمد اسکی گر لکھا چاہوں تو کیا امکان ہے

جب پیمبر نے کہا ہو میں نے پہچانا نہیں
پھر جو کوئی دعویٰ کرے اسکا بڑا نادان ہے

مقدمہ

رات دن یہ مہر و مہ پھرتے ہیں صنعت دیکھنے
پر ہر ایک واحد کی صورت دیدۂ حیران ہے

جسکا ثانی اور مقابل ہے نہ ہوویگا کبھو
ایسے یکتا کو خدائی سب طرح شایان ہے

لیکن اتنا جانتا ہوں خالق و رازق ہے وہ
ہر طرح سے مجھپر اس کا لطف اور احسان ہے

اور درود اسکے دوست پر جسکی خاطر زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور درجہ رسالت کا دیا۔

جسمِ پاکِ مصطفےٰ، اللہ کا اک نور ہے
اسلئے پرچھائیں اس قد کی نہ تھی مشہور ہے

حوصلہ میرا کہاں اتنا جو نعت اسکی کہوں
پر سخن گویوں کا یہ بھی قاعدہ دستور ہے

اور اسکی آل پر صلواۃ و سلام جو ہیں بارہ امام

حمدِ حق اور نعتِ احمد کو یہاں کر اختصار
اب میں آغاز اسکو کرتا ہوں جو ہے منظور کام

یا الٰہی واسطے اپنے نبی کی آل کے
کر یہ میری گفتگو مقبولِ طبع خاص و عام

منشا اس تالیف کا یہ ہے۔ کہ سن ایک ہزار دو سو پندرہ برس ہجری اور اٹھارہ سے ایک سال عیسوی مطابق ایک ہزار دو سو سات سن فصلی کے۔ عہد میں اشرف الاشراف مارکویس ولزلی گورنر جنرل لارڈ مارننگٹن صاحب کے (جنکی تعریف میں عقل حیران اور فہم

سر گرداں ھے ۔ جتنے وصف سرداروں کو چاھئے انکی ذات میں خدا
نے جمع کئے ھیں ۔ غرض قسمت کی خوبی اس ملک کی تھی جو ایسا
حاکم تشریف لایا جسکے قدم کے فیض سے ایک عالم نے آرام پایا۔
مجال نہیں کہ کوئی کسو پر زبردستی کر سکے ۔ شیر اور بکری ایک
گھاٹ پانی پیتے ھیں ۔ سارے غریب و غربا دعا دیتے ھیں ۔ اور
جیتے ھیں) چرچا علم کا پھیلا ۔ صاحبان ذی شان کو شوق ھوا کہ
اردو کی زبان سے واقف ھوکر ھندوستانیوں سے گفت و شنید کریں اور
ملکی کام کو بآگاھی تمام انجام دیں ۔ اس واسطے کتنی کتابیں اسی
سال بموجب فرمائش کے تالیف ھوئیں ــ

جو صاحب دانا اور ھندوستان کی زبان بولنے والے ھیں ۔ ان کی
خدمت میں گذارش کرتا ھوں ۔ کہ یہ قصہ چہار درویش کا
ابتدا میں امیر خسرو دھلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت
نظام الدین اولیا زری زر بخش جو ان کے پیر تھے ۔ اور درگاہ ان کی
دلی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باھر مٹیا دروازے سے
آگے لال بنگلے کے پاس ھے ۔ انکی طبیعت ماندی ھوئی ۔ تب مرشد
کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ھمیشہ کہتے ۔ اور
بیماری میں حاضر رھتے ۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی ۔ تب انھوں نے
غسل صحت کے دن یہ دعا دی کہ جو کوئی اس قصے کو سنے گا
خدا کے فضل سے تندرست رھے گا ۔ جب سے یہ قصہ فارسی میں
مروج ھوا ــ

اب خداوند نعمت صاحب مروت نجیبوں کے قدردان جان
گلکریسٹ صاحب نے (کہ ھمیشہ اقبال ان کا زیادہ رھے جب تلک

گنگا جمنا بھی) لطف سے فرمایا ۔ کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان عورت مرد لڑکے بالے خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو ۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا ، جیسے کوئی باتیں کرتا ہے ۔۔

پہلے اپنا احوال یہ عاصی گنہگار میر امن دلی والا بیان کرتا ہے ۔ کہ میرے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے عہد سے ہر ایک بادشاہ کی رکاب میں پشت بہ پشت جانفشانی بجا لاتے رہے ۔ اور وہ بھی پرورش کی نظر سے قدردانی جتنی چاہئیے فرماتے رہے ۔ جاگیر و منصب اور خدمات کی عنایات سے سرفراز کرکر مالامال اور نہال کردیا ۔ اور خانہ زاد موروثی اور منصب دار قدیمی زبان مبارک سے فرمایا ۔ چنانچہ یہ لقب بادشاہی دفتر میں داخل ہوا ۔ جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھر اس گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہونچی کہ ظاہر ہے ۔ عیاں را چہ بیان ۔ تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کرلیا ۔ اور احمد شاہ درانی نے گھر بار تاراج کیا ۔ ایسی ایسی تباہی کھاکر ویسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھوم میرا ہے ۔ اور آنول نال وہیں گڑا ہے) جلاوطن ہوا ۔ اور ایسا جہاز (کہ جسکا ناخدا بادشاہ تھا) غارت ہوا ۔ میں بیکسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا ۔ ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے ۔ کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا ۔ کچھ بنی کچھ بگڑی ۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے ۔ روزگار نے موافقت نہ کی ۔ عیال و اطفال کو چھوڑ کر تن تنہا کشتی پر سوار ہو اشرف البلاد کلکتے میں آب دانے کے زور سے آپہنچا ۔ چندے بیکاری گذری ۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے

بلوا کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا۔ لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا۔ تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گلکرسٹ صاحب بہادر (دام اقبالہ) کے رسائی ہوئی۔ بارے طالع کی مدد سے ایسے جوانمرد کا دامن ہاتھ لگا ہے چاہئے کہ دن کچھ بھلے آویں۔ نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہوں۔ اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پا کر دعا اس قدردان کو کرتے ہیں۔ خدا قبول کرے۔

حقیقت اردو کی زبان کی بزرگوں کے منھ سے یوں سنی ہے۔ کہ دلی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوجُگی ہے۔ انہیں کے راجہ پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکھا بولتے تھے۔ ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا۔ سلطان محمود غزنوی آیا۔ پھر غوری اور لودی بادشاہ ہوئے۔ اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی۔ آخر امیرتیمور نے (جنکے گھرانے میں اب تلک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے) ہندوستان کو لیا۔ ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا۔ اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا۔ پھر ہمایوں پادشاہ پٹھانوں کے ہاتھ سے حیران ہو کر ولایت گئے۔ آخر وہاں سے آن کر پسماندوں کو گوشمالی دی۔ کوئی مفسد باقی نہ رہا کہ فتنہ و فساد برپا کرے۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم، قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سنکر حضور میں آ کر جمع ہوئے۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی۔

اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔ جب حضرت شاہجہان صاحب قران نے قلعہ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا اور تخت طاؤس میں جواہر جڑوایا اور دَل بادل سا خیمہ چوبوں پر استادہ کر طنابوں سے کھنچوایا اور نواب علی مردان خاں نہر کو لیکر آیا۔ تب پادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا اور شہر کو اپنا دارالخلافت بنایا۔ تب سے شاہجہاں‌آباد مشہور ہوا (اگرچہ دلی جدی ہے۔ وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے) اور وہاں کے بازار کو اردوئے معلا خطاب دیا۔

امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت بلکہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت تلک پیڑھی بہ پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی۔ ندان زبان اردو کی منجتے منجتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی۔ لیکن قدردان منصف چاہئے جو تجویز کرے۔ سو اب خدا نے بعد مدت کے جان گلکریسٹ صاحب سا دانا نکتہ رس پیدا کیا کہ جنھوں نے اپنے گیان اور اگت سے اور تلاش و محنت سے قاعدوں کی کتابیں تصنیف کیں۔ اس سبب سے ہندوستان کی زبان کا ملکوں میں رواج ہوا۔ اور نئے سر سے رونق زیادہ ہوئی۔ نہیں تو اپنی دستار و گفتار و رفتار کو کوئی برا نہیں جانتا۔ اگر ایک گنوار سے پوچھئے تو شہر والے کو نام رکھتا ہے۔ اور اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ خیر۔ عاقلاں خود میدانند۔

جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا۔ شاہ عالم پورب کی طرف تھے۔ کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا۔ شہر

بے سر ہو گیا ۔ سچ ہے ۔ بادشاہ کے اقبال سے شہر کی رونق تھی۔ ایکبارگی تباہی پڑی ۔ رئیس وہاں کے، میں کہیں تم کہیں، ہو کر جہاں جسکے سینگ سمائے وہاں نکل گئے ۔ جس ملک میں پہنچے وہاں کے آدمیوں کی ساتھ سنگت سے بات چیت میں فرق آیا ۔ اور بہت ایسے ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب سے دلی میں گئے اور رہے ۔ وہ بھی کہاں تلک بول سکینگے ۔ کہیں نہ کہیں چوک ہی جائینگے ۔ اور جو شخص سب آفتیں سہہ کر دلی کا روڑا ہو کر رہا ۔ اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گذریں ۔ اور اسنے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے، عرس، چھڑیاں، سیر تماشا اور کوچہ گردی اس شہر کی مدت تلک کی ہو گی ۔ اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا ۔ اسکا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔ یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تماشا دیکھتا یہاں تلک پہنچا ہے۔

شروع قصے میں

اب آغاز قصے کا کرتا ہوں۔ ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے۔ اور کہنے والے نے کہا ہے۔ کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا۔ کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اسکی ذات میں تھی۔ نام اس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جسکو استنبول کہتے ہیں) اس کا پایۂ تخت تھا۔ اسکے وقت میں رعیت آباد۔ خزانہ معمور۔ لشکر مرفّہ۔ غریب غربا آسودہ۔ ایسے چین سے گذران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید۔ اور رات شب برات تھی۔ اور جتنے چور چکار جیب کترے صبح خیزے اٹھائی گیرے دغاباز تھے۔ سب کو نیست و نابود کر کر نام و نشان ان کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے۔ اور دوکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راہی مسافر جنگل میدان میں سونا اچھالتے چلے جاتے۔ کوئی نہ پوچھتا کہ تمھارے منہ میں کتنے دانت ہیں۔ اور کہاں جاتے ہو۔

اس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے۔ اور کئی سلطان نعلبندی دیتے۔ ایسی بڑی سلطنت پر ایک ساعت اپنے دل کو خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام دنیا کا جو چاہئیے سب موجود تھا۔ لیکن فرزند کہ زندگانی کا پھل ہے، اسکی قسمت کے باغ

میں نہ تھا ۔ اس خاطر اکثر فکر مند رہتا ۔ اور پانچوں وقت کی نماز کے بعد اپنے کریم سے کہتا ۔ '' کہ اے اللہ! مجھ عاجز کو تونے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا ۔ لیکن ایک اس اندھیرے گھر کا دیا نہ دیا ۔ یہی ارمان جی میں باقی ہے ۔ کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں ۔ اور تیرے خزانہ غیب میں سب کچھ موجود ہے ۔ ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے ۔ تو میرا نام اور اس سلطنت کا نشان قائم رہے ۔ ''

اسی امید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہوگئی ۔ ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر ۔ وظیفہ پڑھ رہے تھے ۔ ایکبارگی آئینے کی طرف خیال جو کرتے ہیں ۔ تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا ۔ کہ مانند تار مقیش کے چمک رہا ہے ۔ بادشاہ دیکھکر آبدیدہ ہوئے ۔ اور ٹھنڈی سانس بھری ۔ پھر دل میں اپنے سوچ کیا ۔ کہ افسوس! تو نے اتنی عمر ناحق برباد دی ۔ اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا ۔ اتنا ملک جو لیا ۔ اب تیرے کس کام آویگا؟ آخر یہ سارا مال اسباب کوئی دوسرا اڑا دیگا ۔ تجھے تو پیغام موت کا آچکا ۔ اگر کوئی دن جئے بھی ۔ تو بدن کی طاقت کم ہوگی ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث چھتر اور تخت کا پیدا ہو ۔ آخر ایک روز مرنا ہے ۔ اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے ۔ اس سے بھی بہتر ہے کہ میں ہی اسے چھوڑ دوں ۔ اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں ۔

یہ بات اپنے دل میں ٹھہراکر پائیں باغ میں جاکر ، سب مجرائیوں کو جواب دیکر فرمایا ۔ کہ '' کوئی آج سے میرے پاس نہ

آوے ۔ سب دیوان عام میں آیا جایا کریں ۔ اور اپنے کام میں مستعد رهیں ،، ۔ یہ کہکر آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور مصلا بچھا کر عبادت میں مشغول هوئے۔ سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کام نہ تھا ۔ اسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گذرے ۔ شام کو روزہ کھولنے کے وقت، ایک چھوهارا کھانے اور تین گھونٹ پانی پیتے ۔ اور تمام دن رات جائے نماز پر پڑے رهتے ۔ اس بات کا باهر چرچا پھیلا ۔ رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر گئی کہ بادشاہ نے بادشاهت سے هاتھ کھینچکر گوشہ نشینی اختیار کی ۔ چاروں طرف غنیموں اور مفسدوں نے سر اٹھایا ۔ اور قدم اپنی حد سے بڑھایا ۔ جس نے جاھا ملک دبا لیا ۔ اور سرانجام سرکشی کا کیا ۔ جہاں کہیں حاکم تھے ۔ ان کے حکم میں خلل عظیم واقع هوا ۔ هر ایک صوبے سے عرضی بدعملی کی حضور میں پہنچی ۔ درباری امرا جتنے تھے جمع هوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے ۔

آخر یہ تجویز ٹھہری ۔ کہ نواب وزیر عاقل اور دانا هے ۔ اور بادشاہ کا مقرب اور معتمد هے ۔ اور درجے میں بھی سب سے بڑا هے ۔ اسکی خدمت میں چلیں ۔ دیکھیں وہ کیا مناسب جانکر کہتا هے ۔ سب عمدہ، امیر، وزیر کے پاس آئے اور کہا ۔ بادشاہ کی یہ صورت ۔ اور ملک کی وہ حقیقت ۔ اگر چندے اور تغافل هوا ۔ تو اس محنت کا ملک لیا هوا مفت میں جاتا رهیگا ۔ پھر هاتھ آنا بہت مشکل هے ۔ وزیر پرانا، قدیم نمک حلال اور عقل مند، نام بھی خرد مند اسم با مسمیٰ تھا، بولا ۔ "اگر چہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا هے ۔ لیکن تم چلو میں بھی چلتا هوں ۔ خدا کرے بادشاہ کی مرضی آوے جو رو برو بلاوے ،، ۔ یہ کہکر سب کو اپنے ساتھ

دیوان عام تلک لایا ۔ ان کو وھاں چھوڑ کر آپ دیوان خاص میں آیا ۔ اور بادشاہ کی خدمت میں محلی کے ھاتھ کہلا بھیجا ۔ کہ ''یہ پیر غلام حاضر ھے ۔ کئی دنوں سے جمال جہان آرا نہیں دیکھا۔ امیدوار ھوں کہ ایک نظر دیکھکر ۔ قدم بوسی کروں۔ تو خاطر جمع ھو''۔ یہ عرض وزیر کی بادشاہ نے سنی ۔ از بسکہ قدامت اور خیر خواھی اور تدبیر اور جان نثاری اسکی جانتے تھے ۔ اور اکثر اسکی بات مانتے تھے۔ بعد تامل کے فرمایا ۔ ''خرد مند کو بلاؤ''۔ بارے جب پروانگی ھوئی ۔ وزیر حضور میں آیا ۔ آداب بجا لایا ۔ اور دست بستہ کھڑا رھا ۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجب صورت بن رھی ھے ۔ کہ زار بزار رونے اور دبلاپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ھیں ۔ اور چہرہ زرد ھو گیا ھے۔

خرد مند کو تاب نہ رھی ۔ بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ بادشاہ نے ھاتھ سے سر اسکا اٹھایا ۔ اور فرمایا ۔'' لو۔ مجھے دیکھا۔ خاطر جمع ھوئی؟ اب جاؤ ۔ زیادہ مجھے نہ ستاؤ ۔ تم سلطنت کرو''۔ خرد مند سنکر ۔ دھاڑ* مار کر رویا ۔ اور عرض کی ۔'' غلام کو آپ کے تصدق اور سلامتی سے ھمیشہ بادشاھت میسر ھے ۔ لیکن۔جہاں پناہ کی یک بیک اس طرح کی گوشہ گیری سے تمام ملک میں تہلکہ پڑ گیا ھے ۔ اور انجام اسکا اچھا نہیں ۔ یہ کیا خیال مزاج مبارک میں آیا؟ اگر اس خانہ زادِ موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجے تو بہتر ھے ۔ جو کچھ عقل ناقص میں آوے ۔ التماس کرے۔ غلاموں کو ۔ جو یہ سرفرازیاں بخشی ھیں ۔ اسی دن کے واسطے۔ کہ بادشاہ عیش و آرام کریں ۔ اور نمک پروردے تدبیر میں ملک کی

*ڈنکن کے یہاں ڈاڑھ

رهیں ۔ خدا نخواستہ جب فکر مزاج عالی کے لاحق هوئی۔تو بندهائے پادشاهی کسدن کام آوینگے؟،، بادشاہ نے کہا ''سچ کہتا هے ۔ پر جو فکر میرے جی کے اندر هے ۔ سو تدبیر سے باهر هے۔

سن اے خرد مند میری ساری عمر اسی ملک گیری کے درد سر میں کٹی ۔ اب یہ سن وسال هوا ۔ آگے موت باقی هے ۔ سو اسکا بهی پیغام آیا ۔ کہ سیاہ بال سفید هو جلے ۔ وہ مثل هے۔ ساری رات سوئے۔ اب صبح کو بهی نہ جاگیں؟ اب تلک ایک بیٹا پیدا نہ هوا۔جو میری خاطر جمع هوتی ۔ اس لئے دل سخت اداس هوا ۔ اور میں سب کچھ چهوڑ بیٹھا ۔ جسکا جی چاهے ملک لے۔یا مال لے۔مجهے کچھ کام نہیں۔بلکہ کوئی دن میں یہ ارادہ رکهتا هوں۔کہ سب چهوڑ جهاڑ کر۔جنگل اور پہاڑوں میں نکل جاؤں اور منہ اپنا کسی کو نہ دکهاؤں۔اسی طرح یہ چند روز کی زندگی بسر کروں۔ اگر کوئی مکان خوش آیا۔تو وهاں بیٹھ کر بندگی اپنے معبود کی بجا لاؤنگا ۔ شاید عاقبت بخیر هو ۔ اور دنیا کو تو خوب دیکها۔کچھ مزہ نہ پایا،، ۔ اتنی بات بولکر۔اور ایک آہ بهر کر۔بادشاہ چپ هوئے۔

خرد مند ان کے باپ کا وزیر تها۔ جب یہ شہزادے تهے۔تب سے محبت رکهتا تها۔علاوہ، دانا اور نیک اندیش تها ۔ کہنے لگا ۔ ''خدا کی جناب سے نا امید هونا هرگز مناسب نہیں۔جس نے هیژدہ هزار عالم کو ایک حکم میں پیدا کیا۔تمهیں اولاد دینی اسکے نزدیک کیا بڑی بات هے؟ قبلہ عالم اس تصور باطل کو دل سے دور کرو۔ نہیں تو تمام عالم درهم برهم هوجائے گا ۔ اور یہ سلطنت کس کس محنت اور مشقت سے تمهارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی هے؟ ایک ذرا میں هاتھ سے نکل جائے گی ۔ اور بے خبری سے ملک ویران

ہو جائیگا ۔ خدا نخواستہ بدنامی حاصل ہوگی ۔ اسپر بھی باز پرس روز قیامت کے ہوا چاہے ۔ کہ مجھے بادشاہ بناکر ۔ اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا ۔ تو ہماری رحمت سے مانوس ہوا ۔ اور رعیت کو حیران پریشان کیا ۔ اس سوال کا کیا جواب دوگے؟ پس عبادت بھی اس روز کام نہ آئےگی ۔ اس واسطے کہ آدمی کا دل خدا کا گھر ہے ۔ اور پادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائینگے ۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو ۔ گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا کام جوگیوں اور فقیروں کا ہے ۔ نہ کہ بادشاہوں کا ۔ تم اپنے جوگا کام کرو ۔ خدا کی یاد اور بندگی جنگل پہاڑ پر موقوف نہیں ۔ آپ نے یہ بیت سنی ہوگی —

خدا اِس پاس ۔ یہ ڈھونڈھے جنگل میں
ڈھنڈھورا شہر میں ۔ لڑکا بغل میں

اگر منصفی فرمائیے ۔ اور اس فدوی کی عرض قبول کیجئیے ۔ تو بہتر یوں ہے ۔ کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر دعا مانگا کریں ۔ اسکی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا ۔ دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف عدالت غریب غربا کی فرمایں ۔ تو بندے خدا کے، دامن دولت کے سائے میں امن و امان، خوش گذران رہیں ۔ اور رات کو عبادت کیجئیے ۔ اور درود پیمبر کی روح پاک کو نیاز کرکر، درویش گوشہ نشیں متوکلوں سے مدد لیجئے ۔ اور روز رانب یتیم اسیر عیالداروں محتاجوں اور رانڈ بیواؤں کو کر دیجئے ۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت سے ۔ خدا چاہے ۔ تو امید قوی ہے کہ تمھارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں ۔ اور جس واسطے مزاج عالی مکدر ہو رہا ہے

شروع قصے میں

وہ آرزو بر آوے - اور خوشی خاطر شریف کو ہوجاوے - پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیئے- کہ وہ ایک دم میں-جو چاہتا ہے سو کرتا ہے،، - بارے خرد مند وزیر کی ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی - فرمایا -،، اچھا- تو جو کہتا ہے- بھلا - یہ بھی کر دیکھیں- آگے- جو اللہ کی مرضی ہے - سو ہوگا،،—

جب بادشاہ کے دل کو تسلی ہوئی -تب وزیر سے پوچھا - کہ ،،اور سب امیر و دبیر کیا کرتے ہیں- اور کسطرح ہیں؟،، اس نے عرض کی کہ ،،سب اراکان دولت قبلہ عالم کی جان و مال کو دعا کرتے ہیں- آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ہورہے ہیں- جمال مبارک اپنا دکھائیے تو سب کی خاطر جمع ہوے- چنانچہ اس وقت دیوان عام میں حاضر ہیں،، - یہ سن کے بادشاہ نے حکم کیا- ،،انشاء اللہ تعالی-کل دربار کرونگا- سب کو کہدو-حاضر رہیں،،- خردمند یہ وعدہ سنکر خوش ہوا- اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا دی- کہ ،،جب تلک یہ زمین و آسمان برپا ہیں- تمہارا تاج و تخت قائم رہے،،- اور حضور سے رخصت ہوکر - خوشی خوشی باہرنکلا - اور یہ خوشخبری امراؤں سے کہی - سب امیر ہنسی خوشی گھر کو گئے - سارے شہر میں آنند ہوگئی - رعیت پرجا مگن ہوئی - کہ کل بادشاہ دربار عام کریگا - صبح کو سب خانہ زاد اعلا ادنا - اور ارکان دولت چھوٹے بڑے- اپنے اپنے پائے اور مرتبے پر آ کر کھڑے ہوئے - اور منتظر جلوۂ بادشاہی کے تھے—

جب پہر دن چڑھا- ایکبارگی پردہ اٹھا-اور بادشاہ نے برآمد ہوکر تخت مبارک پر جلوس فرمایا - نوبت خانے میں شادیانے

بجنے لگے - سبھوں نے نذریں مبارکبادی کی گذرانیں - اور مجربگاہ میں تسلیمات و کورنشات بجالائے - موافق قدر و منزلت کے ہر ایک کو سرفرازی ہوئی - سب کے دل کو خوشی اور چین ہوا - جب دوپہر ہوئی - برخاست ہوکر - اندرون محل داخل ہوئے - خاصہ، نوشِ جان فرما کر - خواب گاہ میں آرام کیا - اس دن سے بادشاہ نے یہی مقرر کیا - کہ ہمیشہ صبح کو دربار کرنا - اور تیسرے پہر کتاب کا شغل - یا ورد، وظیفہ پڑھنا - اور خدا کی درگاہ میں توبہ استغفار کر کر اپنے مطلب کی دعا مانگنی -

ایک روز کتاب میں بھی لکھا دیکھا - کہ اگر کسی شخص کو غم یا فکر ایسی لاحق ہو - کہ اسکا علاج تدبیر سے نہ ہوسکے - تو چاہئے کہ تقدیر کے حوالے کرے - اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے - درود - طفیل، پیغمبر کی روح کے - ان کو بخشے - اور اپنے تئیں نیست و نابود سمجھکر دل کو اس غفلت دنیوی سے ہشیار رکھے - اور عبرت سے رووے - اور خدا کی قدرت کو دیکھے - کہ مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحب ملک و خزانہ اس زمین پر پیدا ہوئے لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لا کر خاک میں ملادیا - یہ کہاوت ہے -

چلتی چکّی دیکھ کر - دیا کبیرا رو
دو پاٹن کے بیچ آ - ثابت گیا نہ کو

ب جو دیکھئے سوائے ایک مٹی کے ڈھیر کے - ان کا کچھ نشان باقی نہیں رہا - اور سب دولت دنیا، گھر بار، آل و اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے چھوڑ کر اکیلے پڑے ہیں - یہ سب

ان کے کچھ کام نہ آیا بلکہ اب کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ کہ یے کون تھے۔ اور قبر کے اندر کا احوال معلوم نہیں۔ (کہ کیڑے مکوڑے چیونٹے سانپ ان کو کھا گئے) یا ان پر کیا بیتی اور خدا سے کیسی بنی۔ یہ باتیں اپنے دل میں سوچ کر ساری دنیا کو پیکھنے کا کھیل، جانے۔ تب اسکے دل کا غنچہ ہمیشہ شگفتہ رھیگا۔ کسی حالت میں پرمردہ نہ ہوگا۔ یہ نصیحت جب کتاب میں مطالعہ کی بادشاہ کو خرد مند وزیر کا کہنا یاد آیا۔ اور دونوں کو مطابق پایا۔ یہ شوق ھوا۔ کہ اس پر عمل کروں۔ لیکن سوار ھوکر اور بھیڑ بھاڑ لیکر۔ بادشاھوں کی طرح سے جانا اور پھرنا مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر رات کو اکیلے مقبروں میں یا کسی مرد خدا گوشہ نشین کی خدمت میں جایا کروں۔ اور شب بیدار رھوں۔ شاید ان مردوں کے وسیلے سے دنیا کی مراد اور عاقبت کی نجات میسر ھو۔

یہ بات دل میں مقرر کرکر ایک روز رات کو موٹے جھوٹے کپڑے پہنکر کچھ روپیے اشرفی لیکر۔ چپکے قلعے سے باھر نکلے اور میدان کی راہ لی۔ جاتے جاتے ایک گورستان میں پہنچے۔ نہایت صدق دل سے درود پڑھ رہے تھے۔ اور اس وقت بادِ تند چل رھی تھی۔ بلکہ آندھی کہنا چاھئے۔ ایک بارگی بادشاہ کو دور سے ایک شعلہ سا نظر آیا کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے۔ دل میں اپنے خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی حکمت سے نہیں۔ یا یہ طلسم ہے۔ کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتی کے آس پاس چھڑک دیجئے۔ تو کیسی ھی ھوا چلے۔ چراغ گل نہ ہوگا۔ یا کسی ولی کا چراغ ہے کہ جلتا ہے۔

شروع قصے میں

جو کچھ ہو سو ہو۔چل کر دیکھنا چاہئے۔ شاید اس شمع کے نور سے میرے بھی گھر کا چراغ روشن ہو۔ اور دل کی مراد ملے۔ یہ نیت کرکے اس طرف کو چلے۔ جب نزدیک پہنچے۔ دیکھا تو چار فقیر بے نوا کفنیاں گلے میں ڈالے، اور سر زانو پر دھرے، عالم بے ہوشی میں خاموش بیٹھے ہیں۔ اور ان کا یہ عالم ہے جیسے کوئی مسافر اپنے ملک اور قوم سے بچھڑ کر، بیکسی اور مفلسی کے رنج و غم میں گرفتار ہوکر حیران رہ جاتا ہے۔ اسی طرح سے یہ چاروں نفس دیوار ہو رہے ہیں۔اور ایک چراغ پتھر پر دھرا ٹمٹما رہا ہے۔ ہرگز ہوا اسکو نہیں لگتی گویا فانوس اس کی* آسمان بنا ہے۔ کہ بے خطرے جلتا ہے۔

آزاد بخت کو دیکھتے ہی دھیان آیا کہ مقرر تیری آرزو ان مردان خدا کے قدم کی برکت سے بر آویگی۔ اور تیری امید کا سوکھا درخت ان کی توجہ سے ہرا ہو کر پھلے گا۔ ان کی خدمت میں چلکر اپنا احوال کہہ۔ اور مجلس کا شریک ہو۔ شاید تجھپر رحم کھا کر دعا کریں جو بے نیاز کے یہاں قبول ہو۔ یہ ارادہ کرکر چاہا کہ قدم آگے دھرے۔ وہیں عقل نے سمجھایا کہ بیوقوف جلدی نہ کر۔ ذرا دیکھ بھالے۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ کون ہیں۔ اور کہاں سے آئے ہیں؟ اور کیدھر جاتے ہیں؟ کیا جانیں یہ دیو ہیں یا غول بیابانی ہیں۔ کہ آدمی کی صورت بنکر باہم مل بیٹھے ہیں؟ بہر صورت جلدی کرنا اور ان کے درمیان جا کر مخل ہونا خوب نہیں۔ ابھی ایک گوشے میں چھپکر حقیقت ان

---

* فانوس مذکر ہے۔

درویشوں کی جاننا چاهئے ۔آخر باشاہ نے یہی کیا کہ ایک کونے میں اس مکان کے چپکا جا بیٹھا کہ کسی کو اسکے آنے کی آهٹ کی خبر نہ هوئی ۔ اپنا دھیان انکی طرف لگایا کہ دیکھئے آپس میں کیا بات چیت کرتے هیں ۔ اتفاقاً ایک فقیر کو چھینک آئی۔شکر خدا کا کیا۔ وہ تینوں قلندر اسکی آواز سے چونک پڑے ۔ جراغ کو اکسایا۔ ٹھیپ تو روشن تھا ۔ اپنے اپنے بستروں پر حقے بھر کر پینے لگے۔ ایک ان آزادوں میں سے بولا۔ ''اے یاران همدرد و رفیقان جہاں گرد! هم چار صورتیں آسمان کی گردش سے اور لیل و نہار کے انقلاب سے در بہ بدر خاک بسر ایک مدت پھریں ۔ الحمدللہ کہ طالع کی مدد اور قسمت کی یاوری سے آج اس مقام پر باهم ملاقات هوئی ۔ اور کل کا احوال کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آوے ۔ ایک گمت رهیں یا جدا جدا هو جائیں ۔ رات بڑی پہاڑ هوتی هے ۔ ابھی سے پڑپڑ رهنا خوب نہیں۔ اس سے بہ بہتر هے کہ اپنی اپنی سرگذشت جو اس دنیا میں جسپر بیتی هو (بشرطیکہ جھوٹ اس میں کوڑی بھر نہ هو) بیان کرے ۔ تو باتوں میں رات کٹ جائے گی ۔ جب تھوڑی شب باقی رهے تو لوٹ پوٹ رهینگے،، ۔ سبھوں نے کہا ''یا هادی جو کچھ ارشاد هوتا هے هم نے قبول کیا ۔ پہلے آپ هی اپنا حال جو دیکھا هے شروع کیجئے۔تو هم مستفید هوں،،—

سیر پہلے درویش کی

پہلا درویش دو زانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا۔ ''یا معبود اللہ! ذرا ادھر متوجہ ہو۔اور ماجرا اس بے سروپا کا سنو—

یہ سرگذشت میری ذرا کان دھر سنو
مجھکو فلک نے کردیا زیروزبر سنو
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدت میرے تئیں
اس کا بیان کرتا ہوں تم سر بسر سنو

اے یاران! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملک یمن ہے۔ والد اس عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام بڑا سوداگر تھا۔ اس وقت میں کوئی مہاجن یا بیوپاری ان کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے۔ اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کی گھر میں موجود تھی۔ ان کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک تو یہی فقیر جو کفنی سلی پہنے ہوئے مرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے۔ دوسری ایک بہن جسکو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی شہر کے ایک سوداگر بچے سے شادی کر دی تھی۔ وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ غرض جسکے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو۔ اسکے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانہ ہے؟ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چوز سے ماں باپ کے سائے میں پرورش پائی۔ اور پڑھنا لکھنا، سپاہ گری کا کسب و فن،

سوداگری کا بہی کھاتہ، روزنامہ سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت خوشی اور بے فکری میں گذری ۔ کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا ۔ یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین قضائے الہی سے مر گئے۔

عجب طرح کا غم ہوا ۔ جسکا بیان نہیں کر سکتا ۔ ایکبارگی یتیم ہو گیا ۔ کوئی سر پر بوڑھا بڑا نہ رہا ۔ اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا ۔ کھانا پینا سب چھوٹ گیا ۔ چالیس دن جوں توں کر کٹے ۔ چہلم میں اپنے بیگانے چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی ۔ سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی۔ اور سمجھایا ۔ ''دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے آئے ہیں۔اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے ۔ پس صبر کرو ۔ اپنے گھر کو دیکھو۔ اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے ۔ اپنے کاروبار لین دین سے ہشیار رہو،،۔ تسلی دے کر وے رخصت ہوئے۔ گماشتے کاروباری نوکر چاکر جتنے تھے آن کر حاضر ہوئے ۔ نذریں دیں اور بولے۔ ''کوٹھی نقد و جنس کی اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجئے،، ۔ ایکبارگی جو اس دولت بے انتہا پر نگاہ پڑی۔ آنکھیں کھل گئیں ۔ دیوان خانے کی تیاری کو حکم کیا ۔ فراشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت پردے چلونیں تکلف کی لگادیں ۔ اور اچھے اچھے خدمت گار دیدارو نوکر رکھے ۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوادیں ۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا ۔ ویسے ہی، آدمی غنڈے پھانکڑے مفت پر کھانے پینے والے جھوٹے خوشامدی آکر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے ۔ ان سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی ۔ ہر کہیں کی باتیں اور زٹلیں ، واہی تباہی ادھر ادھر کی کرتے اور کہتے۔'' اس جوانی کے

عالم میں کینکی کی شراب یا گل گلاب کھنچوائیے۔ نازنین معشوقوں کو بلوا کر ان کے ساتھ پیجئیے اور عیش کیجئیے،،—

غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔ شراب ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہونچی کہ سوداگری بھولکر تماش بینی کا اور دینے لینے کا سودا ہوا۔ اپنے نوکر اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی جو جسکے ہاتھ پڑا الگ کیا۔ گویا لوٹ مچادی۔ کچھ خبر نہ تھی کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ کہاں سے آتا اور کیدھر جاتا ہے؟ مال مفت دل بے رحم۔ اس در خرچی کے آگے اگر گنج قارون کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایکبارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے۔ اور چمچا بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے کافور ہو گئے۔ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی۔ تو آنکھیں چرا کر منھ پھیرلیتے۔ اور نوکر چاکر، خدمت گار، بہلیئے، ڈھلیت، خاص بردار، ثابت خانی، سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا جو کہے یہ کیا تمہارا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا—

اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑاکے کھینچے، تاب بھوک کی نہ لا سکا۔ لاچار بیحیائی کا برقعہ منھ پر ڈال کر یہ قصد کیا۔ کہ بہن کے پاس چلئیے۔ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد

نہ بہن سے کچھ سلوک کیا۔نہ خالی خط لکھا۔بلکہ اس نے دو ایک خط خطوط ماتم پرسی اور اشتیاق کے جو لکھے۔ان کا بھی جواب اس خواب خرگوش میں نہ بھیجا۔اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا۔پر سوائے اس گھر کے اور کوئی ٹھکانہ نظر میں نہ ٹھہرا۔جوں توں پا پیادہ خالی ہاتھ گرتا پڑتا ہزار محنت سے وہ کئی منزلیں کاٹ کر ہمشیر کے شہر میں جا کر اسکے مکان پر پہنچا۔وہ ماجائی میرا یہ حال دیکھکر بلائیں لے اور گلے ملکر بہت روئی۔تیل ماش اور کالے ٹکے مجھ پر سے صدقے کئے۔کہنے لگی ''اگرچہ ملاقات سے دل خوش ہوا۔لیکن بھیّا۔تیری یہ کیا صورت بنی؟،، اس کا جواب میں کچھ نہ دے سکا۔آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر چپکا ہو رہا۔بہن نے جلدی خاصی پوشاک سلوا کر حمام میں بھیجا۔نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے۔ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔صبح کو شربت اور لوزیات، حلوہ سوہن، پستہ مغزی ناشتے کو۔اور تیسرے پہر میوے خشک و تر، پھل پھلاری۔اور رات دن دونوں وقت پلاؤ نان قلیئے، کباب تحفہ تحفہ مزیدار منگوا کر اپنے رو برو کھلا کر جاتی۔سب طرح خاطر داری کرتی۔میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا۔خدا کی درگاہ میں ہزار ہزار شکر بجا لایا۔کئی مہینے اس فراغت سے گذرے کہ پاؤں اس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

ایک دن وہ بہن جو بجائے والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی کہنے لگی۔''اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ما باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا۔جب تجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔تونے مجھے نہال کیا۔لیکن

مردوں کو خدا نے کمانے کے لئے بنایا ہے۔ گھر میں بیٹھے رہنا ان کو لازم نہیں ۔ جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سبنا ہے۔ اسکو دنیا کے لوگ طعنہ سہنا دیتے ہیں ۔ خصوصاً اس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے بے سبب تمھارے رہنے پر کہینگے۔ اپنے باپ کی دولت دنیا دھو کھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا ۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمھاری ہنسائی اور ما باپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے۔ نہیں تو میں اپنے چمڑی کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں۔ اور کلیجے میں ڈال رکھوں ۔ اب یہ صلاح ہے۔ کہ سفر کا قصد کرو ۔ خدا چاہے تو دن پھریں اور اس حیرانی اور مفلسی کے بدلے خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو،،۔ یہ بات سنکر مجھے بھی غیرت آئی۔ اس کی نصیحت پسند کی ۔ جواب دیا ۔ ''اچھا اب تم ما کی جگہ ہو۔ جو کہو سو کروں ،،۔ یہ میری مرضی پا کر گھر میں جا کے پچاس توڑے اشرفی کے اصیل لونڈیوں کے ہاتھوں میں لوا کر میرے آگے لا رکھے۔ اور بولی ۔''ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے ۔ تم ان روپیئوں سے جنس تجارت کی خرید کرو ۔ ایک تاجر ایماندار کے حوالے کر کے۔ دست آویز پکی لکھوالو۔ اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو ۔ اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو یا آپ بیچیو،، ۔ میں وہ نقد لیکر بازار میں گیا ۔ اسباب سوداگری کا خرید کر کر۔ ایک بڑے سوادا گر کے سپرد کیا ۔ نوشت خواند سے خاطر جمع کرلی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا ۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی ۔ جب رخصت ہونے لگا۔ بہن نے ایک سرے پاؤ ،* بھاری اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے تواضع کیا ۔

* سروپا

اور مٹھائی پکوان ایک خاصدان میں بھر کر ھرنے سے لٹکا دیا ۔ اور چھاگل پانی کی شکار بند میں بندھوا دی ۔ امام ضامن کا روپیا میرے بازو پر باندھا ۔ دھی کا ٹکا ماتھے پر لگا کر آنسو پی کر بولی۔ ''سدھارو! تمھیں خدا کو سونپا ۔ پیٹھ دکھائے جاتے ہو۔اسی طرح جلد اپنا منھ دکھائیو،، ۔ میں نے فاتحہ خیر کی پڑھ کر کہا ۔ ''تمھارا بھی اللہ حافظ ھے۔ میں نے قبول کیا،، ۔ وھاں سے نکلکر گھوڑے پر سوار ھوا ۔ اور خدا کے توکل پر بھروسہ کر کے دو منزل کی ایک منزل کرتا ھوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔۔

غرض جب شہر کے دروازے پر گیا ۔ بہت رات جا چکی تھی۔ دربان اور نگاہ بانوں نے دروازہ بند کیا تھا ۔ میں نے بہت منت کی کہ مسافر ھوں، دور سے دھاوا مارے آتا ھوں۔اگر کواڑ کھول دو شہر میں جا کر دانے گھاس کا آرام پاؤں ۔ اندر سے گھڑک کر بولے ''اس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں ۔ کیوں اتنی رات گئے تم آئے؟،، جب میں نے جواب صاف ان سے سنا ۔ شہر پناہ کی دیوار کے تلے گھوڑے پر سے اتر زین پوش بچھا کر بیٹھا ۔ جاگنے کی خاطر ادھر ادھر ٹہلنے لگا ۔ جس وقت آدھی رات ادھر اور آدھی رات ادھر ھوئی۔سنسان ھو گیا ۔ دیکھتا کیا ھوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار پر سے نیچے چلا آتا ھے ۔ یہ دیکھکر میں اچنبھے میں ھوا کہ یہ کیا طلسم ھے؟ شاید خدا نے میری حیرانی و سرگردانی پر رحم کھا کر خزانہ غیب سے عنایت کیا ۔ جب وہ صندوق زمین پر ٹھہرا ڈرتے ڈرتے میں پاس گیا ۔ دیکھا تو کاٹھ کا صندوق ھے۔ لالچ سے اسے کھولا ۔ ایک معشوق خوبصورت کامنی سی عورت (جسکے دیکھنے سے ھوش جاتا رھے) گھایل لہو میں تر بتر

آنکھیں بند کئے بڑی کلبلاتی ہے۔ آهسته آهسته هونٹھ هلنے هیں۔ اور یہ آواز منھ سے نکلتی ہے۔ '' اے کم بخت بے وفا! اے ظالم پرجفا! بدلا اس بھلائی اور محبت کا یہی تھا جو تونے کیا؟ بھلا ایک زخم اور بھی لگا۔ میں نے اپنا تیرا انصاف خدا کو سونپا ''۔ یہ کہکر اسی بیہوشی کے عالم میں دوپٹے کا آنچل منہہ پر لے لیا۔ میری طرف دھیان نہ کیا۔

فقیر اسکو دیکھکر اور یہ بات سنکر سن ہوا۔ جی میں آیا۔ کسی بے حیا ظالم نے کیوں ایسی نازنین صنم کو زخمی کیا؟ کیا اسکے دل میں آیا؟ اور ہاتھ اسپر کیوں کر چلایا؟ اسکے دل میں تو محبت اب تلک باقی ہے جو اس جان کندنی کی حالت میں اسکو یاد کرتی ہے۔ میں آپ ہی آپ یہ کہہ رہا تھا۔آواز اسکے کان میں گئی۔ ایک مرتبہ کپڑا منھ سے سرکا کر مجھکو دیکھا۔ جسوقت اسکی نگاهیں میری نظروں سے لڑیں۔مجھے غش آنے اور جی سنسنانے لگا۔ بہ زور اپنے تئیں تھانبا۔ جرأت کر کے پوچھا۔ '' سچ کہو تم کون ہو اور یہ کیا ماجرا ہے؟ اگر بیان کرو تو دل کو تسلی ہو ''۔ یہ سنکر اگرچہ طاقت بولنے کی نہ تھی آهستے سے کہا '' شکر ہے۔ میری حالت زخموں کے مارے یہ کچھ ہو رهی ہے۔ کیا خاک بولوں؟ کوئی دم کی مہمان ہوں۔ جب میری جان نکل جاوے تو خدا کے واسطے جوانمردی کر کے مجھ بد بخت کو اسی صندوق میں کسی جگہ گاڑ دیجو۔ تو میں بھلے برے کی زبان سے نجات پاؤں۔ اور تو داخل ثواب کے ہو ''۔ اتنا بول کر چپ ہوئی۔

رات کو مجھسے کچھ تدبیر نہ ہوسکی۔وہ صندوق اپنے پاس

اٹھا لایا۔اور گھڑیاں گننے لگا کہ کب اتنی رات تمام ہو تو فجر کو شہر میں جاکر جو کچھ علاج اسکا ہو سکے بہ مقدور اپنے کروں۔ وہ تھوڑی سی رات ایسی پہاڑ ہو گئی کہ دل گھبرا گیا۔ بارے خدا خدا کر صبح جب نزدیک ہوئی۔مرغ بولا۔ آدمیوں کی آواز آنے لگی۔ میں نے فجر کی نماز پڑھکر صندوق کو خورجی میں کسا۔ جونھیں دروازہ شہر کا کھلا۔میں شہر میں داخل ہوا۔ ہر ایک آدمی اور دوکاندار سے حویلی کرائے کی تلاش کرنے لگا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ایک مکان خوش قطع، نیا، فراغت کا بھاڑے لیکر جا اترا۔ پہلے اس معشوق کو صندوق سے نکال کر روئی کے پھلوں پر ملایم بچھونا کرکے ایک کوسے میں لٹایا۔اور آدمی اعتباری وھاں چھوڑکر فقیر، جراح کی تلاش میں نکلا۔ ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شہر میں جراح کاریگر کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ ایک شخص نے کہا۔ ” ایک حجام جراحی کے کسب اور حکمی کے فن میں یکتا ہے۔ اور اس کام میں نپٹ پکا ہے۔اگر مردے کو اس پاس لیجاؤ۔خدا کے حکم سے ایسی تدبیر کرے کہ ایک بار وہ بھی جی اٹھے۔ وہ اس محلے میں رہتا ہے اور عیسیٰ نام ہے،،۔

میں یہ مژدہ سنکر بے اختیار چلا۔ تلاش کرتے کرتے پتے سے اسکے دروازے پر پہنچا۔ ایک مرد سفید ریش کو دھلیز پر بیٹھا دیکھا۔اور کئی آدمی مرھم کی تیاری کے لئے کچھ پیس پاس رہے تھے۔ فقیر نے مارے خوشامد کے ادب سے سلام کیا اور کہا۔ ” میں تمھارا نام اور خوبیاں سنکر آیا ہوں۔ ماجرا یہ ہے کہ میں اپنے ملک سے تجارت کے لئے چلا۔قبیلے کو بہ سبب محبت کے ساتھ

لیا۔جب نزدیک اس شہر کے آیا۔تھوڑی سی دور رہا تھا جو تمام ہو گئی۔ اُن دیکھے ملک میں رات کو چلنا مناسب نہ جانا۔ میدان میں ایک درخت کے تلے اتر پڑا۔ پچھلے پہر ڈاکا آیا۔جو کچھ مال اسباب پایا لوٹ لیا۔گہنے کے لالچ سے اس بی بی کو بھی گھایل کیا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔رات جو باقی تھی۔جوں توں کر کاٹی۔فجر ہی شہر میں آن کر ایک مکان کرائے لیا۔ان کو وہاں رکھکر میں تمھارے پاس دوڑا آیا ہوں۔ خدا نے تمھیں یہ کمال دیا ہے۔اس مسافر پر مہربانی کرو ، غریب خانے تشریف لیچلو۔اسکو دیکھو۔اگر اسکی زندگی ہوئی تو تمھیں بڑا جس ہوگا اور میں ساری عمر غلامی کروں گا،،۔ عیسلی جراح بہت رحم دل اور خدا پرست تھا۔ میری عریبی کی باتوں پر ترس کھا کر میرے ساتھ اس حویلی تک آیا۔ زخموں کو دیکھتے ہی میری تسلی کی۔ بولا کہ ،، خدا کے کرم سے اس بی بی کے زخم چالیس دن میں بھر آوینگے۔ غسل شفا کا کروا دوں گا ،،۔

غرض اس مرد خدا نے سب زخموں کو نیم کے پانی سے دھو دھا کر صاف کیا۔جو لائق ٹانکوں کے پائے انھیں سیا۔باقی گھاؤ پر اپنے کھیسے سے ایک ڈبیا نکال کر کتنوں میں پٹی رکھی۔اور کتنوں پر پھائے چڑھا کر پٹی سے باندھ دیا۔ اور نہایت شفقت سے کہا۔ ''میں دونوں وقت آیا کروں گا۔تو خبر دار رہیو، ایسی حرکت نہ کرے جو ٹانکے ٹوٹ جائیں۔ مرغ کا شوربا بہ جائے غذا اسکے حلق میں چوائیو اور اکثر عرق بید مشک گلاب کے ساتھ دیا کیجیئو جو قوت رہے ،،۔ یہ کہکر رخصت چاہی۔ میں نے بہت منت کی اور

ھاتھ جوڑ کر کہا۔ ''تمھاری تشفی دینے سے میری بھی زندگی ہوئی۔ نہیں تو سوائے مرنے کے کچھ سوجھتا نہ تھا۔ خدا تمھیں سلامت رکھے،،۔ عطر پان دیکر رخصت کیا۔ میں رات دن خدمت میں اس پری کی حاضر رھتا۔ آرام اپنے اوپر حرام کیا۔ خدا کی درگاہ سے روز روز اسکے چنگے ہونے کی دعا مانگتا۔

اتفاقاً وہ سوداگر بھی آ پہنچا۔ اور میرامال امانت میرے حوالے کیا۔ میں نے اسے اونے پونے بیچ ڈالا۔ اور دارو درمن میں خرچ کرنے لگا۔ وہ مرد جراح ھمیشہ آتا جاتا۔ تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے۔ بعد کئی دن کے غسل شفا کیا۔ عجب طرح کی خوشی حاصل ہوئی۔ خلعت اور اشرفیاں عسلی حجام کے آگے دھریں۔ اور اس پری کو مکلف فرش بچھا کر مسند پر بٹھایا۔ فقیر غریبوں کو بہت سی خیر خیرات کی۔ اس دن گویا بادشاھت ہفت اقلیم کی اس فقیر کے ھاتھ لگی۔اور اس پری کا شفا پانے سے ایسا رنگ نکھرا کہ مکھڑا سورج کے مانند چمکنے اور کندن کی طرح دمکنے لگا۔ نظر کی مجال نہ تھی جو اسکے جمال پر ٹھہرے۔ فقیر بہ سروچشم اسکے حکم میں حاضر رھتا۔ جو فرماتی سو بجا لاتا۔ وہ اپنے حسن کے غرور اور سرداری کے دماغ میں جو میری طرف کبھو دیکھتی تو فرماتی۔ ''خبردار۔ اگر تجھے ہماری خاطر منظور ھے تو ھرگز ہماری بات میں دم نہ ماریئو۔ جو ھم کہیں سو بلا عذر کئے جائیو۔ اپنا کسی بات میں دخل نہ کریو۔ نہیں تو پچھتاوے گا،،۔ اسکی وضع سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حق میری خدمت گذاری اور فرمانبرداری کا اسے البتہ منظور ھے۔ فقیر بھی اسکی بے مرضی ایک کام نہ کرتا۔ اس کا فرمانا بسروچشم بجا لاتا۔

سیر پہلے درویش کی

ایک مدت اسی راز و نیاز میں کٹی - جو اسنے فرمائش کی - وونھیں میں نے لاکر حاضر کی - اس فقیر پاس جو کچھ جنس اور نقد اصل و نفع کا تھا سب صرف ہوا - اس بیگانے ملک میں کون اعتبار کرے جو قرض وام سے کام چلے؟ آخر تکلیف روز مرے کے خرچ کی ہونے لگی - اس سے دل بہت گھبرایا - فکر سے دبلا ہوتا چلا - چہرے کا رنگ کجھنواں ہو گیا - لیکن کس سے کہوں؟ جو کچھ دل پر گذری سو گذری - قہر درویش بر جان درویش - ایک دن اس پری نے اپنے شعور سے دریافت کرکے کہا - " اے فلانے! تیری خدمتوں کا حق ہمارے جی میں نقش کالحجر ہے - پر اس کا عوض بالفعل ہم سے نہیں ہو سکتا - اگر واسطے خرچ ضروری کے کچھ درکار ہو تو اپنے دل میں اندیشہ نہ کر - ایک ٹکڑا کاغذ اور دوات قلم حاضر کر - میں نے تب معلوم کیا کسی ملک کی بادشاہزادی ہے جو اس دل و دماغ سے گفتگو کرتی ہے - فی الفور قلمدان آگے رکھدیا - اس نازنین نے ایک شقہ دستخط خاص سے لکھکر میرے حوالے کیا اور کہا - " قلعے کے پاس ترپولیا ہے - وہاں اس کوچے میں ایک حویلی بڑی سی ہے - اس مکان کے مالک کا نام سیدی بہار ہے - تو جاکر اس رقعے کو اس تلک پہنچادے "-

فقیر موافق فرمانے اسکے اسی نام و نشان پر منزل مقصود تک جا پہنچا - دربان کی زبانی کیفیت خط کی کہلا بھیجی - وونھیں سنتے ہی ایک حبشی جوان خوبصورت ایک پھینٹا طرحدار سجے ہوئے باہر نکل آیا - اگرچہ رنگ سانولا تھا پر گویا تمام نمک بھرا ہوا - میرے ہاتھ سے خط لے لیا - نہ بولا نہ کچھ پوچھا - انہیں قدموں پھر اندر چلا گیا - تھوڑی دیر میں گیارہ کشتیاں سر بہ مہر، زربفت کے

تورہ پوش پڑے ہوئے، غلاموں کے سر،، پر دھرے باھر آیا۔ کہا ''اس جوان کے ساتھ جا کر چوگونیے پہنچا دو۔ میں بھی سلام کر رخصت ہو اپنے مکان میں لایا۔ آدمیوں کو دروازے کے باھر سے رخصت کیا۔ وہ کشتیاں امانت حضور میں اس پری کے گذرانیاں۔ دیکھکر فرمایا۔ '' یہ گیارہ بدرے اشرفیوں کے لے اور خرچ میں لا۔ خدا رزاق ھے،،۔ فقیر اس نقد کو لیکر ضرورات میں خرچ کرنے لگا۔ اگرچہ خاطر جمع ھوئی پر دل میں یہ خلش رھی۔ یا الٰہی! یہ کیا صورت ھے؟ بغیر پوچھے گچھے اتنا مال نا آشنا صورت اجنبی نے ایک پرزے کاغذ پر میرے حوالے کیا۔ اگر اس پری سے یہ بھید پوچھوں۔ تو اس نے پہلے ھی منع کر رکھا تھا۔ مارے ڈر کے دم نہیں مار سکتا تھا۔

بعد آٹھ دن کے وہ معشوقہ مجھسے مخاطب ھوئی کہ ''حق تعالیٰ نے، آدمی کو انسانیت کا جامہ عنایت کیا ھے کہ نہ پھٹے نہ میلا ھو۔ اگرچہ پرانے کپڑے سے اسکی آدمیت میں فرق نہیں آتا۔ پر ظاھر میں خلق اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا۔ دو توڑے اشرفی کے ساتھ لیکر چوک کے چوراھے پر یوسف سوداگر کی دوکان میں جا اور کچھ رقم جواھر کے بیش قیمت اور دو خلعتیں زرق برق کی مول لے آ،،۔ فقیر وونھیں سوار ھوکر اسکی دوکان پر گیا۔ دیکھا تو ایک جوان شکیل زعفرانی جوڑا پہنے گدی پر بیٹھا ھے۔ اور اس کا یہ عالم ھے کہ ایک عالم دیکھنے کے لئے دوکان سے بازار تک کھڑا ھے۔ فقیر کمال شوق سے نزدیک جاکر سلام علیک کر کر بیٹھا اور جو جو چیز مطلوب تھی۔ طلب کی۔ میری بات چیت اس شہر کے باشندوں کی سی نہ تھی۔ اس جوان نے گرم جوشی سے کہا۔ '' جو صاحب کو چاھئے سب موجود ھے۔ لیکن یہ فرمائیے

کس ملک سے آنا ہوا؟ اور اس اجنبی شہر میں رہنے کا کیا باعث ہے؟ اگر اس حقیقت سے مطلع کیجئے تو مہربانی سے بعید نہیں،،۔ میرے تئیں اپنا احوال ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ کچھ بات بنا کر اور جواہر پوشاک لیکر اور قیمت اسکی دیکر رخصت چاہی۔ اس جوان نے رو کھے پھیکے ہو کر کہا۔ ،، صاحب! اگر تم کو ایسی ہی نا آشنائی کرنی تھی۔ تو پہلے دوستی اتنی گرمی سے کرنی کیا ضرور تھی؟ بھلے آدمیوں میں صاحب سلامت کا پاس بڑا ہوتا ہے،،۔ یہ بات اس مزے اور انداز سے کہی۔ بے اختیار دل کو بھائی اور بے مروت ہو کر وہاں سے اٹھنا انسانیت کے مناسب نہ جانا۔ اسکی خاطر پھر بیٹھا اور بولا۔ ،، تمھارا فرمانا سر آنکھوں پر۔ میں حاضر ہوں،،۔۔

اتنے کہنے سے بہت خوش ہوا۔ ہنس کر کہنے لگا۔ ،، اگر آج کے دن غریب خانے میں کرم کیجئے تو تمھاری بدولت مجلس خوشی کی جما کر دو چار گھڑی دل بہلاویں۔ اور کچھ کھانے پینے کا شغل باہم بیٹھ کر کریں،،۔ فقیر نے اس پری کو کبھو اکیلا نہ چھوڑا تھا۔ اسکی تنہائی یاد کر کر چند در چند عذر کئے۔ پر اس جوان نے ہرگز نہ مانا۔ آخر وعدہ ان چیزوں کو پہنچا کر میرے پھر آنے کا لیکر اور قسم کھلا کر رخصت دی۔ میں دکان سے اٹھکر جواہر اور خلعتیں اس پری کی خدمت میں لایا۔ اس نے قیمت جواہر کی اور حقیقت جوہری کی پوچھی۔ میں نے سارا احوال مول تول کا اور مہمانی کے بجد ہونے کا کہہ سنایا۔ فرمانے لگی۔ ،،آدمی کو اپنا قول قرار پورا کرنا واجب ہے۔ہمیں خدا کی نگہبانی

میں چھوڑ کر اپنے وعدے کو وفا کر۔ ضیافت قبول کرنی سنت رسول کی ہے،، ۔ تب میں نے کہا۔ ” میرا دل چاہتا نہیں کہ تمہیں اکیلا چھوڑ کر جاؤں ۔ اور حکم یوں ہوتا ہے ۔ لاچار جاتا ہوں۔ جب تلک آؤں گا دل یہیں لگا رہیگا ،، ۔ یہ کہکر پھر اس جوہری کی دکان پر گیا ۔ وہ مونڈھے پر بیٹھا میرا انتظار کھینچ رہا تھا۔ دیکھتے ہی بولا ” آؤ مہربان ۔ بڑی راہ دکھائی ،،—

وہیں اٹھکر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چلا۔ جاتے جاتے ایک باغ میں لے گیا ۔ وہ بڑی بہار کا باغ تھا۔ حوض اور نہروں میں فوارے چھوٹتے تھے۔ میوے طرح بہ طرح کے پھل رہے تھے۔ ہر ایک درخت مارے بوجھ کے جھوم رہا تھا۔ رنگ برنگ کے جانور ان پر بیٹھے چہچہے کر رہے تھے ۔ اور ہر مکانِ عالیشان میں فرش ستھرا بچھا تھا ۔ وہاں لب نہر ایک بنگلے میں جاکر بیٹھا۔ ایک دم کے بعد اٹھ کر چلا گیا۔ پھر دوسری پوشاک معقول پہن کر آیا ۔ میں نے دیکھکر کہا ” سبحان اللہ! چشم بد دور ،، ۔ سنکر مسکرایا اور بولا۔ ” مناسب یہ ہے کہ صاحب بھی اپنا لباس بدل ڈالیں ،، ۔ اس کی خاطر میں نے بھی دوسرے کپڑے پہنے ۔ اس جوان نے بڑی ٹیپ ٹاپ سے تیاری ضیافت کی کی۔اور سامان خوشی کا جیسا چاہئے موجود کیا۔ اور فقیر سے صحبت بہت گرم کر مزے کی باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں ساقی صراحی و پیالہ بلور کا لیکر حاضر ہوا اور گزک کئی قسم کی لا رکھی۔ نمکدان چن دئے۔دور شراب کا شروع ہوا ۔ جب دو چار جام کی نوبت پہنچی چار لڑکے امرد صاحب جمال زلفیں کھولے ہوئے مجلس میں آئے گانے بجانے لگے ۔ یہ عالم ہوا اور ایسا سماں بندھا اگر تان سین اس گھڑی ہوتا۔تو اپنی تان بھول جاتا۔اور

بیجو باؤرا سنکر باؤلا ہوجاتا۔ اس مزے میں ایکبارگی وہ جوان آنسو بھر لایا۔ دو چار قطرے بے اختیار نکل پڑے اور فقیر سے بولا۔ ''اب ہماری تمہاری دوستی جانی ہوئی۔ بس دل کا بھید دوستوں سے چھپانا کسو مذہب میں درست نہیں۔ ایک بات بے تکلف آشنائی کے بھرو سے کہتا ہوں۔ اگر حکم کرو تو اپنی معشوقہ کو بلوا کر اس مجلس میں تسلی اپنے دل کی کروں۔ اسکی جدائی سے جی نہیں لگتا،،۔

یہ بات ایسی اشتیاق سے کہی کہ بغیر دیکھے بھالے فقیر کا دل بھی مشتاق ہوا۔ میں نے کہا ''مجھے تمہاری خوشی درکار ہے۔ اس سے کیا بہتر؟ دیر نہ کیجئیے۔ سچ ہے معشوق بن کچھ اچھا نہیں لگتا،، ۔ اس جوان نے چلمن کی طرف اشارت کی۔ وونہیں ایک عورت کالی کلوٹی بھتنی سی جسکے دیکھنے سے انسان بے اجل مرجاوے۔ جوان کے پاس آن بیٹھی۔ فقیر۔ اسکے دیکھنے سے ڈر گیا۔ دل میں کہا یہی بلا محبوبہ ایسے جوان پریزاد کی ہے جسکی ایسی تعریف اور اشتیاق ظاہر کیا! میں لاحول پڑھکر چپ ہورہا۔ اسی عالم میں تین دن رات مجلس، شراب اور راگ رنگ کی جمی رہی۔ جونھی شب کو غلبہ نشے اور نیند کا ہوا۔ میں خواب غفلت میں بے اختیار سو گیا۔ جب صبح ہوئی اس جوان نے جگایا۔ کئی پیالے خمار شکنی کے پلا کر اپنی معشوقہ سے کہا۔ اب زیادہ تکلیف مہمان کو دینی خوب نہیں —

دونوں ہاتھ پکڑ کے اٹھے۔ میں نے رخصت مانگی، خوشی بخوشی اجازت دی۔ تب میں نے جلد اپنے قدیمی کپڑے پہن لئے، اپنے گھر کی راہ لی۔ اور اس پری کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ مگر ایسا اتفاق

کبھو نہ ہوا تھا کہ اسے تنہا چھوڑ کر شب باش کہیں ہوا ہوں۔ اس تین دن کی غیر حاضری سے نہایت خجل ہو کر عذر کیا۔اور قصہ ضیافت کا اور اسکے نہ رخصت کرنے کا سارا عرض کیا۔ وہ ایک دانا زمانے کی تھی۔ تبسم کرکے بولی۔''کیا مضایقہ اگر ایک دوست کی خاطر رهنا ہوا؟ ہم نے معاف کیا۔ تیری کیا تقصیر ہے؟ جب آدمی کسو کے گھر جاتا ہے تب اسکے مرضی سے پھر آتا ہے۔ لیکن یہ مفت کی مہمانی کھا پی کر چپکے ہو رہو گے یا اس کا بدلا بھی اتارو گے؟ اب یہ لازم ہے کہ جا کر اس سوداگر بچے کو اپنے ساتھ لے آؤ۔اور اس سے دو چند ضیافت کرو۔ اور اسباب کا کچھ اندیشہ نہیں۔خدا کے کرم سے ایک دم میں سب لوازمہ تیار ہو جاوےگا۔اور بہ خوبی مجلس ضیافت کی رونق پاوے گی،،۔ فقیر موافق حکم کے جوہری کے پاس گیا اور کہا۔ ''تمھارا فرمانا میں تو سر آنکھوں سے بجا لایا۔اب تم بھی مہربانی کی راہ سے میری عرض قبول کرو،،۔ اس نے کہا ''جان و دل سے حاضر ہوں،،۔

تب میں نے کہا ''اگر اس بندے کے گھر تشریف لے چلو عین غریب نوازی ہے،،۔ اس جوان نے بہت عذر اور حیلے کئے۔ پر میں نے پنڈ نہ چھوڑا جب تلک وہ راضی نہ ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ اسکو اپنے مکان پر لے چلا۔ لیکن راہ میں یہی فکر کرتا آتا تھا کہ اگر آج اپنے تئیں مقدور ہوتا تو ایسی تواضع کرتا کہ یہ بھی خوش ہوتا۔ اب میں اسے لئے جاتا ہوں۔دیکھئے کیا اتفاق ہوتا ہے۔ اسی حیص بیص میں گھر کے نزدیک پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر دھوم دھام ہو رہی ہے۔ گلیاری میں جھاڑو دیکر چھڑکاؤ کیا ہے۔ یساول اور عصا بردار کھڑے ہیں۔ میں حیران

ہوا لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا ۔ دیکھا تو تمام حویلی میں فرش مکلف لائق ہر مکان کے جا بہ جا بچھا ہے ۔ اور مسندیں لگی ہیں ۔ پاندان، گلاب پاش، عطردان، پیکدان، چنگیریں، نرگس دان قرینے سے دھرے ہیں ۔ طاقوں پر رنگترے، کنولے، نارنگیاں اور گلابیاں رنگ برنگ کی چنی ہیں ۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹیوں میں چراغاں کی بہار ہے ۔ ایک طرف جھاڑ اور سرو کنول کے روشن ہیں ۔ اور تمام دالان اور سہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں ۔ اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں ۔ سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں ۔ باورچی خانے میں دیگیں کھنکھنا رہی ہیں ۔ آبدار خانے کی ویسی ہی تیاری ہے ۔ کوری کوری ٹھلیاں روپے کی گھڑونچیوں پر صافیوں سے بندھیں ۔ اور بجھروں سے ڈھکی رکھی ہیں ۔ آگے چوکی پر ڈونگے کٹورے بمعہ تھالی سرپوش دھرے ۔ برف کی آبخورے لگ رہے ہیں ۔ اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں ۔

غرض سب اسباب بادشاہانہ موجود ہے ۔ اور کنچنیاں ۔ بھانڈ ۔ بھگتیے ۔ کلاونت ۔ قوال ۔ اچھی پوشاک پہنے ساز کے سر ملائے حاضر ہیں ۔ فقیر نے اس جوان کو لیجا کر مسند پر بٹھایا اور دل میں حیران تھا کہ یا الہی ! اتنے عرصے میں یہ سب تیاری کیونکر ہوئی؟ ہر طرف دیکھتا پھرتا تھا لیکن اس پری کا نشان کہیں نہ پایا ۔ اسی جستجو میں ایک مرتبہ باورچی خانے کی طرف جا نکلا ۔ دیکھتا ہوں تو وہ نازنین ایک مکان میں گلے میں کرتی ۔ پاؤں میں تہ پوشی ۔ سر پر سفید رومالی اوڑھے ہوئے سادی خوزادی بن گہنے پاتے بنی ہوئی ۔

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ جیسے خوشنما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

خبر گیری میں ضیافت کی لگ رہی ہے۔ اور تاکید ہر ایک کہانے کی کر رہی ہے۔ کہ خبر دار بامزہ ہو اور آب و نمک بو باس درست رہے۔ اس محنت سے وہ گلاب سا بدن سارا پسینے پسینے ہو رہا ہے۔

میں پاس جا کر تصدق ہوا اور اس شعور و لیاقت کو سراہ کر دعائیں دینے لگا۔ یہ خوشامد سنکر تیوری چڑھا کر بولی۔" آدمی سے ایسے ایسے کام ہوتے ہیں کہ فرشتے کی مجال نہیں۔ میں نے ایسا کیا کیا ہے جو تو ایسا حیران ہو رہا ہے؟ بس بہت باتیں بنانیں مجھے خوش نہیں آتیں۔ بھلا کہہ تو یہ کون آدمیت ہے کہ مہمان کو اکیلا بٹھا کر ادھر ادھر بڑے پھرے؟ وہ اپنے جی میں کیا کہتا ہوگا؟ جلد جا مجلس میں بیٹھکر مہمان کی خاطر داری کر اور اسکی معشوقہ کو بھی بلوا کر اسکے پاس بٹھلا"۔ فقیر وونہیں اس جوان کے پاس گیا اور گرم جوشی کرنے لگا۔ اتنے میں دو غلام صاحب جمال صراحی اور جام جڑاؤ ہاتھ میں لئے رو برو آئے شراب پلانے لگے۔ اس میں میں نے اس جوان سے کہا۔" میں سب طرح مخلص اور خادم ہوں۔ بہتر یہ ہی ہے کہ وہ صاحب جمال کہ جسکی طرف دل صاحب کا مائل ہے تشریف لاوے تو بڑی بات ہے۔ اگر فرماؤ تو آدمی بلانے کی خاطر جاوے"۔ یہ سنتے ہی خوش ہو کر بولا "بہت اچھا۔ اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی"۔ میں نے ایک خوجے کو بھیجا۔ جب آدھی رات گئی وہ چڑیل خاصے جوڈول پر سوار ہو کر بلائے ناگہانی سی آپہنچی۔

سیر پہلے درویش کی

فقیر نے لاچار، خاطر سے مہمان کی، استقبال کر کر نہایت تپاک سے برابر اس جوان کے لا بٹھایا۔ جوان اسکے دیکھتے ہی ایسا خوش ہوا جیسے دنیا کی نعمت ملی۔ وہ بھتنی بھی اس جوان پریزاد کے گلے لپٹ گئی۔ سچ مچ یہ تماشا ہوا جیسے چودھویں رات کے چاند کو گہن لگتا ہے۔ جتنے مجلس میں آدمی تھے۔ اپنی اپنی انگلیاں دانتوں میں دابنے لگے۔ کہ کیا کوئی بلا اس جوان پر مسلط ہوئی؟ سب کی نگاہ اسی طرف تھی۔ تماشا مجلس کا بھولکر اسکا تماشا دیکھنے لگے۔ ایک شخص کنارے سے بولا۔ "یارو! عشق اور عقل میں ضد ہے۔ جو کچھ عقل میں نہ آوے یہ کافر عشق کر دکھاوے۔ لیلٰی کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو"۔ سبھوں نے "کہا آمنا۔ یہی بات ہے"۔

یہ فقیر بموجب حکم کے مہمان داری میں حاضر تھا۔ ہرچند جوان ہم پیالہ ہم نوالہ ہونے کو مجبور ہوتا تھا۔ پر میں ہرگز اس پری کے خوف کے مارے اپنا دل کھانے پینے تا سیر تماشے کی طرف رجوع نہ کرتا تھا۔ اور عذر مہمانداری کا کرکے اسکے شامل نہ ہوتا۔ اس کیفیت سے تین شبانہ روز گذرے۔ چوتھی رات وہ جوان نہایت جوشش سے مجھے بلا کر کہنے لگا۔ "اب ہم بھی رخصت ہونگے، تمھاری خاطر اپنا سب کار و بار چھوڑ چھاڑ کر تین دن سے تمھاری خدمت میں حاضر ہیں۔ تم بھی تو ہمارے پاس ایک دم بیٹھ کر ہمارا دل خوش کرو"۔ میں نے اپنے جی میں خیال کیا اگر اس وقت کہا اس کا نہیں مانتا تو آزردہ ہوگا۔ پس نئے دوست اور مہمان کی خاطر رکھنی ضروری ہے۔ تب یہ کہا۔ "صاحب کا حکم بجالانا منظور۔ کہ الامر فوق الادب"۔ سنتے ہی اسکو۔ جوان نے پیالہ تواضع کیا اور میں نے پی لیا۔ پھر تو ایسا پیہم دور چلا کہ

تھوڑی دیر میں سب آدمی مجلس کے کیفی ہوکر بے خبر ہو گئے - اور میں بھی بے ہوش ہو گیا-

جب صبح ہوئی اور آفتاب دو نیزے بلند ہوا-تب میری آنکھ کھلی - تو دیکھا میں نے نہ وہ تیاری ہے نہ وہ مجلس نہ وہ پری- فقط خالی حویلی پڑی ہے-مگر ایک کونے میں کمبل لپٹا ہوا دھرا ہے - جو اسکو کھول کر دیکھا تو وہ جوان اسکی رنڈی دونوں سر کٹے پڑے ہیں - یہ حالت دیکھتے ہی حواس جاتے رہے - عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ یہ کیا تھا اور کیا ہوا؟ حیرانی سے ہر طرف تک رہا تھا - اتنے میں ایک خواجہ سرا (جسے ضیافت کے کام کاج میں دیکھا تھا) نظر پڑا - فقیر کو اسکے دیکھنے سے کچھ تسلی ہوئی-احوال اس واردات کا پوچھا - اس نے جواب دیا- ''تجھے اس بات کی تحقیق کرنے سے کیا حاصل جو تو پوچھتا ہے؟،، میں نے بھی اپنے دل میں غور کی* کہ سچ تو کہتا ہے- پھر ایک ذرہ تامل کرکے میں بولا ''خیر نہ کہو- بھلا یہ تو بتاؤ وہ معشوقہ کس مکان میں ہے؟،، تب اس نے کہا ''البتہ جو میں جانتا ہوں سو کہدونگا - لیکن تجھ سا آدمی عقل مند بے مرضی حضور کے دو دن کی دوستی پر بے محابا بے تکلف ہوکر صحبت مئے نوشی کی باہم گرم کرے - یہ کیا معنی رکھتا ہے؟،،

فقیر اپنی حرکت اور اسکی نصیحت سے بہت نادم ہوا - سوائے اس بات کے زبان سے کچھ نہ نکلا - ''فی الحقیقت اب تو تقصیر ہوئی معاف کیجئے،، - بارے محلی نے مہربان ہوکر اس پری کے مکان کا

---

* غور مذکر ہے -

نشان بتایا اور مجھے رخصت کیا ۔ آپ ان دونوں زخمیوں کے گاڑنے دابنے کی فکر میں رہا ۔ میں تہمت سے اس فساد کی الگ ہوا اور اشتیاق میں اس پری کے ملنے کے لئے گھبرایا ہوا ۔ گرتا پڑتا ڈھونڈھتا شام کے وقت اس کوچے میں اسی پتے پر جا پہنچا اور نزدیک دروازے کے ایک گوشے میں ساری رات تلملاتے کٹی۔ کسو کی آمد و رفت کی آہٹ نہ ملی۔اور کوئی احوال پرساں میرا نہ ہوا ۔ اسی بیکسی کی حالت میں صبح ہوگئی۔جب سورج نکلا اس مکان کے بالا خانے کی ایک کھڑکی سے وہ ماہ رو میری طرف دیکھنے لگی ۔ اس وقت عالم خوشی کا جو مجھپر گذرا۔دل ہی جانتا ہے ۔ شکر خدا کا کیا۔

اتنے میں ایک خوجےنے میرے پاس آ کر کہا۔''اس مسجد میں تو جا کر بیٹھ شاید تیرا مطلب اس جگہ بر آوے۔اور اپنے دل کی مراد پاوے،، ۔ فقیر فرمانےسے اسکے وہاں سے اٹھکر اسی مسجد میں جا رہا۔لیکن آنکھیں دروازے کی طرف لگ رہی تھیں۔کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمام دن جیسے روزہ دار شام ہونے کا انتظار کھینچتا ہے ۔ میں نے بھی وہ روز ویسی ہی بیقراری میں کاٹا ۔ بارے جس تس طرح سے شام ہوئی اور دن پہاڑ سا چھاتی پر سے ٹلا ۔ ایکبارگی وہی خواجہ سرا (جن نے اس پری کے مکان کا پتہ دیا تھا) مسجد میں آیا ۔ بعد فراغت نماز مغرب کے میرے پاس آکر اس شفیق نے (کہ راز و نیاز کا محرم تھا) نہایت تسلی دےکر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے چلا ۔ رفتہ رفتہ ایک باغیچے میں مجھے بٹھا کر کہا۔''یہاں رہو جب تک تمہاری آرزو بر آوے،،۔اور آپ رخصت ہوکر شاید میری حقیقت حضور میں کہنے گیا ۔ میں

اس باغ کے پھولوں کی بہار اور چاندنی کا عالم اور حوض، نہروں میں فوارے، ساون بھادوں کے اچھلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ لیکن جب پھولوں کو دیکھتا تب اس گل بدن کا خیال آتا۔ جب چاند پر نظر پڑتی تب اس مہرو کا مکھڑا یاد کرتا۔ یہ سب بہار اس کے بغیر میری آنکھوں میں خار تھی۔

بارے خدا نے اسکے دل کو مہربان کیا۔ ایک دم کے بعد وہ پری دروازے سے جیسے چودھویں رات کا چاند بناؤ کئے گلے میں پشواز، بادلے کی سنجاف موتیوں کا دردامن لگا ہوا اور سر پر اوڑھنی جس میں آنچل پلو، لہر، گوکھرو لگا ہوا۔ سر سے پاؤں تک موتیوں میں جڑی روش پر آکر کھڑی ہوئی۔ اسکے آنے سے نئی رو نازگی نئے سر سے اس باغ کو اور اس فقیر کے دل کو ہوگئی۔ ایک دم ادھر ادھر سیر کرکر شہ نشین میں مغرق مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھی۔ میں دوڑ کر پروانے کی طرح جیسے شمع کے گرد پھرتا ہے تصدق ہوا۔ اور غلام کے مانند دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا۔ اس میں وہ خوجہ میری خاطر بطور سفارش کے عرض کرنے لگا میں نے اس محلی سے کہا۔ "بندہ گنہگار تقصیر وار ہے۔ جو کچھ سزا میرے لائق ٹھہرے سو ہو"۔ وہ پری از بسکہ ناخوش تھی۔ بد دماغی سے بولی کہ "اب اسکے حق میں یہی بھلا ہے۔ کہ سو توڑے اشرفی کے لیوے۔ اپنا اسباب درست کرکے وطن کو سدھارے"۔

میں یہ بات سنتے ہی کاٹھ ہوگیا اور سوکھ گیا۔ کہ اگر کوئی میرے بدن کو کاٹے تو ایک بوند لہو کی نہ نکلے۔ اور تمام دنیا آنکھوں کے آگے اندھیری لگنے لگی۔ اور ایک آہ نامرادی کی بے

اختیار جگر سے نکلی۔ آنسو بھی ٹپکنے لگے۔ سوائے خدا کے اسوقت کسو کی توقع نہ رہی۔ مایوس محض ہو کر اتنا بولا۔ ''بھلا ٹک اپنے دل میں غور فرمائیے۔ اگر مجھ کم نصیب کو دنیا کا لالچ ہوتا۔ تو اپنا جان و مال حضور میں نہ کھوتا۔ کیا ایکبارگی حق خدمت گذاری اور جان نثاری کا عالم سے اٹھ گیا؟ جو مجھ سے کم بخت پر اتنی بے مہری فرمائی۔ خیر اب میرے تئیں بھی زندگی سے کچھ کام نہیں۔ معشوقوں کی بیوفائی سے بیچارے عاشق نیم جان کا نباہ نہیں ہوتا،،۔

یہ سنکر نکھی ہو تیوری چڑھا کر خفگی سے بولی۔ ''چہ خوش! آپ ہمارے عاشق ہیں؟ مینڈکی کو بھی زکام ہوا؟ اے بیوقوف! اپنے حوصلے سے زیادہ باتیں بنانیں خیال خام ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ بس چپ رہ۔ یہ نکمی بات چیت مت کر۔ اگر کسی اور نے یہ حرکت بے معنی کی ہوتی۔ پروردگار کی سوں۔ اسکی بوٹیاں کٹوا چیلوں کو بانٹتی۔ پر کیا کروں؟ تیری خدمت یاد آتی ہے۔ اب اسی میں بھلائی ہے کہ اپنی راہ لے۔ تیری قسمت کا دانا پانی ہماری سرکار میں یہیں تلک تھا،،۔ پھر میں نے روتے بسورتے کہا۔ ''اگر میری تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ کہ اپنے دل کے مقصد کو نہ پہنچوں اور جنگل پہاڑ میں سر ٹکراتا پھروں تو لاچار ہوں،،۔ اس بات سے بھی دق ہو کہنے لگی۔ ''میرے تئیں یہ پھسپھندے چوچلے اور رمز کی باتیں پسند نہیں آتیں۔ اس اشارے کی گفتگو کے جو لائق ہو اس سے جا کر کر،،۔ پھر اسی خفگی کے عالم میں اٹھکر اپنے دولتخانے کو چلی۔ میں نے بہتیرا سر پٹکا۔ متوجہ نہ ہوئی۔ لاچار میں بھی اس مکان سے اداس اور ناامید ہو کر نکلا۔

غرض چالیس دن تک بھی نوبت رہی ۔ جب شہر کی کوچہ گردی سے اکتاتا جنگل میں نکل جاتا ۔ جب وہاں سے گھبراتا ۔ پھر شہر کی گلیوں میں دیوانہ سا آتا ۔ نہ دن کو کھاتا نہ رات کو سوتا۔ جیسے دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ۔ زندگی انسان کے کھانے پینے سے ہے ۔ آدمی اناج کا کیڑا ہے ۔ طاقت بدن میں مطلق نہ رہی۔ اپاھج ھوکر اسی مسجد کی دیوار کے تلے جا پڑا ۔ کہ ایک روز وھی خواجہ سرا جمعے کی نماز پڑھنے آیا ۔ میرے پاس سے ھوکر چلا۔ میں یہ شعر آھستہ نا طاقتی سے پڑھ رہا تھا۔

اس درد دل سے موت ھو یا دل کو تاب ھو
قسمت میں جو لکھا ھو الٰہی شتاب ھو

اگرچہ ظاھر میں صورت میری بالکل تبدیل ھوگئی تھی۔ چہرے کی یہ شکل بنی تھی کہ جن نے مجھے پہلے دیکھا تھا۔وہ بھی نہ پہچان سکتا کہ یہ وھی آدمی ہے ۔ لیکن وہ خلی آواز درد کی سنکر متوجہ ھوا۔ میرے تئیں بغور دیکھکر افسوس کیا اور شفقت سے مخاطب ھوا کہ آخر یہ حالت اپنی پہنچائی ۔ میں نے کہا۔ ”اب تو جو ھوا سو ھوا ۔ مال سے بھی حاضر تھا ۔ جان بھی تصدق کی ۔ اسکی خوشی یوں ھی ھوئی تو کیا کروں؟،،

یہ سنکر ایک خدمتگار میرے پاس چھوڑ کر مسجد میں گیا۔ نماز اور خطبے سے فراغت کرکر جب باھر نکلا ۔ فقیر کو ایک میانے میں ڈالکر اپنے ساتھ خدمت میں اس پری بے پروا کی لیجا کر چق کے باھر بٹھایا ۔ اگرچہ میری روھٹ کچھ باقی نہ رھی تھی پر مدت تلک شب و روز اس پری کے پاس اتفاق رھنے کا ھوا تھا ۔ جان بوجھ

کر بیگانی ہو کر خوجے سے پوچھنے لگی - ''یہ کون ہے؟،، اس مرد آدمی نے کہا - ''یہ وہی کم بخت بد نصیب ہے جو حضور کی خفگی اور عتاب میں پڑا تھا - اسی سبب سے اسکی یہ صورت بنی ہے۔ عشق کی آگ سے جلا جاتا ہے - ہر چند آنسوؤں کے پانی سے بجھاتا ہے۔ پر وہ دونی بھڑکتی ہے - کچھ فائدہ نہیں ہوتا - علاوہ اپنی تقصیر کی خجالت سے موا جاتا ہے،، - پری نے ٹھٹولی سے فرمایا ''کیوں جھوٹ بکتا ہے؟ بہت دن ہوئے اسکی خبر وطن پہنچنے کی مجھے خبرداروں نے دی ہے - واللہ عالم - یہ کون ہے اور تو کسکا ذکر کرتا ہے؟،، اس دم خواجہ سرا نے ہاتھ جوڑ کر التماس کیا۔''اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں،، - فرمایا ''کہہ - تیری جان تجھے بخشی،،۔ خوجا بولا۔ ''آپ کی ذات قدردان ہے۔ واسطے خدا کے جلون کو درمیان سے اٹھوا کر پہچانیے اور اسکی بیکسی کی حالت پر رحم کیجئیے۔ ناحق شناسی خوب نہیں۔ اب اسکے احوال پر جو کچھ ترس کھائیے بجا ہے اور جائے ثواب ہے - آگے حد ادب - جو مزاج مبارک میں آوے سو ہی بہتر ہے،،—

اتنے کہنے پر مسکرا کر فرمایا -''بھلا۔ کوئی ہو، اسے دارالشفا میں رکھو - جب بھلا چنگا ہوگا تب اسکے احوال کی پرسش کی جائیگی،،۔ خوجے نے کہا ''اگر اپنے دست خاص سے گلاب اسپر چھڑکئے اور زبان سے کچھ فرمائیے تو اسکو اپنے جینے کا بھروسہ بندھے۔ ناامیدی بری چیز ہے۔ دنیا بہ امید قائم ہے،،۔ اس پر بھی اس پری نے کچھ نہ کہا - یہ سوال جواب سنکر میں بھی اپنے جی سے اکتا رہا تھا - ندھڑک بول اٹھا کہ''اب اس طور کی زندگی کو دل نہیں چاہتا - پاؤں تو گور میں لٹکا چکا ہوں - ایک روز مرنا ہے اور

علاج میرا پادشاہزادی کے ہاتھ میں ہے ۔ کریں یا نہ کریں وہ جانیں ۔،، بارے مقلب القلوب نے اس سنگدل کے دم کو نرم کیا۔ مہربان ہوکر فرمایا ''جلد بادشاہی حکیموں کو حاضر کرو،،۔ وونہیں طبیب آکر جمع ہوئے ۔ نبض قارورہ دیکھکر بہت غور کی ۔ آخرش تشخیص میں ٹھہرا کہ یہ شخص کہیں عاشق ہوا ہے ۔ سوائے وصل معشوق کے اسکا کچھ علاج نہیں ۔ جس وقت وہ ملے بہ صحت ہاوے ۔ جب حکیموں کی بھی زبانی بھی مرض میرا ثابت ہوا ۔ حکم کیا ''اس جوان کو گرمابے میں لیجاؤ ۔ نہلا کر خاصی پوشاک پہنا کر حضور میں لے آؤ،،۔ وونہیں مجھے باہر لیگئے ۔ حمام کروا اچھے کپڑے پہنا خدمت میں پری کی حاضر کیا ۔ تب وہ نازنین نماک سے بولی ''تونے مجھے بیٹھے بٹھائے ناحق بدنام اور رسوا کیا ۔ اب اور کیا کیا چاہتا ہے؟ جو تیرے دل میں ہے صاف صاف بیان کر،،۔

یا فقرا! اس وقت یہ عالم ہوا کہ شادی مرگ ہوجاؤں۔ خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا ۔ اور صورت شکل بدل گئی ۔ شکر خدا کا کیا اور اس سے کہا ۔''اس دم ساری حکیمی آپ پر ختم ہوئی کہ مجھ سے مردے کو ایک بات میں زندہ کیا۔ دیکھو تو اسوقت سے اسوقت تک میرے احوال میں کیا فرق ہوگیا،، یہ کہکر تین بار گرد پھرا اور سامنے آکر کھڑا ہوا اور کہا ۔ ''حضور سے یوں حکم ہوتا ہے کہ جو تیرے جی میں ہو سو کہہ ۔ بندے کو ہفت اقلیم کی سلطنت سے زیادہ یہ ہے کہ غریب نوازی کرکر اس عاجز کو قبول کیجئے اور اپنی قدم بوسی سے سرفرازی دیجئے،، ۔ ایک لمحہ تو سنکر غوطے میں گئی ۔ پھر

کن آنکھیوں سے دیکھکر کہا ''بیٹھو۔ تم نے خدمت اور وفاداری ایسی ہی کی ہے ۔ جو کچھ کہو سو پھبتی ہے اور اپنے بھی دل پر نقش ہے۔ خیر ہم نے قبول کیا،،۔

اسی دن اچھی ساعت، سبھہ لگن میں چپکے چپکے قاضی نے نکاح پڑھ دیا ۔ بعد اتنی محنت اور آفت کے خدا نے یہ دن دکھایا کہ میں نے اپنے دل کا مدعا پایا۔لیکن جیسی دل میں آرزو اس پری سے ہم بستر ہونے کی تھی - ویسی ہی جی میں یہ کلی اس واردات عجیب کے معلوم کرنے کی تھی۔ کہ آج تک میں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ پری کون ہے؟ اور وہ حبشی سانولا سجیلا جسنے ایک پرزے کاغذ پر اتنی اشرفیوں کے بدرے میرے حوالے کئے کون تھا؟ اور تیاری ضیافت کی بادشاہوں کے لائق ایک پہر میں کیونکر ہوئی؟ اور وہ دونوں بیگناہ اس مجلس میں کس لئے مارے گئے؟ اور سبب خفگی اور بے مروتی کا (باوجود خدمت گذاری اور نار برداری کے) مجھ پر کیا ہوا ؟ اور پھر ایکبارگی اس عاجز کو یوں سربلند کیا؟ غرض اسی واسطے بعد رسم رسومات عقد کے آٹھ دن تلک باوصف اس اشتیاق کے قصد مباشرت کا نہ کیا ۔ رات کو ساتھ سوتا ۔ دن کو یونہیں اٹھ کھڑا ہوتا۔

ایک دن غسل کرنے کے لئے میں نے خواص کو کہا کہ تھوڑا پانی گرم کردے تو نہاؤں ۔ ملکہ مسکرا کر بولی ''کس برتے پر تتا پانی؟،، میں خاموش ہو رہا۔ لیکن وہ پری میری حرکت سے حیران ہوئی ۔ بلکہ چہرے پر آثار خفگی کے نمود ہوئے ۔ یہاں تلک کہ

ایک روز بولی ''تم بھی عجب آدمی ہو۔ یا اتنے گرم یا ایسے ٹھنڈے۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ اگر تم میں قوت نہ تھی تو کیوں ایسی کچی ہوس پکائی؟'' اس وقت میں نے بھی بیدھڑک ہو کر کہا ''اے جانی! منصفی شرط ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ انصاف سے نہ چوکے''۔ بولی ''اب کیا انصاف رہ گیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا''۔ فقیر نے کہا۔ ''واقعی بڑی آرزو اور مراد میری یہی تھی سو مجھے ملی۔ لیکن دل میرا دبدھے میں ہے۔ اور دودلی آدمی کی، خاطر پریشان رکھتی ہے۔ اس سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں یہ قول کیا تھا کہ بعد اس نکاح کے (کہ عین دل کی شادی ہے) بعضی بعضی باتیں (جو خیال میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتیں) حضور میں پوچھونگا کہ زبان مبارک سے اس کا بیان سنوں تو جی کو تسکین ہو''۔ اس پری نے جیں بہ جبیں ہو کر کہا ''کیا خوب! ابھی سے بھول گئے۔ یاد کرو بارہا ہم نے کہا ہے کہ ہمارے کام میں ہرگز دخل نہ کیجیو۔ اور کسی بات کے متعرض نہ ہوجیو۔ خلاف معمول یہ بے ادبی کرنی کیا لازم ہے؟'' فقیر نے ہنس کر کہا ''جیسے اور بے ادبیاں معاف کرنے کا حکم ہے۔ ایک یہ بھی سہی''۔ وہ پری نظریں بدلکر تیہے میں آ کر آگ کا بگولا بن گئی اور بولی۔ ''اب تو بہت سر چڑھا! جا اپنا کام کر۔ ان باتوں سے تجھے کیا فائدہ ہوگا؟'' میں نے کہا۔ ''دنیا میں اپنے بدن کی شرم سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن ایک دوسرے کا واقف کار ہوتا ہے۔ پس جب ایسی چیز دل پر روا رکھی تو اور کون سا بھید چھپانے کے لائق ہے؟''

میری اس رمز کو وہ پری وقوف سے دریافت کر کر کہنے لگی۔

''یہ بات سچ ہے پر جی میں یہ سوچ آتا ہے۔ کہ اگر مجھ نگوڑی کا راز فاش ہو تو بڑی قیامت مچے،،۔ میں بولا ''یہ کیا مذکور ہے؟ بندے کی طرف سے یہ خیال دل میں نہ لاؤ۔ اور خوشی سے ساری کیفیت جو بیتی ہے فرماؤ۔ ہرگزہرگز میں دل سے زبان تک نہ لاؤنگا۔ کسو کے کان پڑنا کیا امکان ہے؟،، جب اسنے دیکھا کہ اب سوائے کہنے کے اس عزیز سے چھٹکارا نہیں۔ لاچار ہو کر بولی۔''ان باتوں کے کہنے میں بہت سی خرابیاں ہیں۔تو خواہ نخواہ در پئے، ہوا۔ خیر تیری خاطر عزیز ہے۔ اسلئے اپنی سرگذشت بیان کرتی ہوں۔ تجھے بھی اسکا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے۔ خبر شرط،،۔

غرض بہت سی تاکید کرکر کہنے لگی۔''کہ میں بدبخت ملک دمشق کے سلطان کی بیٹی ہوں۔ اور وہ سلاطینوں سے بڑا پادشاہ ہے۔ سوائے میرے کوئی لڑکا بالا اسکے یہاں نہیں ہوا۔ جس دن سے میں پیدا ہوئی ما باپ کے سائے میں ناز و نعمت اور خوشی خرمی سے پلی۔ جب ہوش آیا تب اپنے دل کو خوبصورتوں اور نازنینوں کے ساتھ لگایا۔ چنانچہ ستھری ستھری پریزاد ہمجولی امیر زادیاں مصاحبت میں۔ اور اچھی اچھی قبول صورت ہم عمر خواصیں سہیلیاں خدمت میں رہتی تھیں۔ تماشا ناچ اور راگ رنگ کا ہمیشہ دیکھا کرتی۔ دنیا کے بھلے برے سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی بے فکری کے عالم کو دیکھکر سوائے خدا کےشکر کے کچھ منہ سے نہ نکلتا تھا۔

اتفاقاً طبیعت خود بخود ایسی بے مزہ ہوئی کہ نہ مصاحبت کسو کی بھاوے۔ نہ مجلس خوشی کی خوش آوے۔ سودائی سا مزاج ہو گیا۔ دل اداس اور حیران۔ نہ کسو کی صورت اچھی لگے۔ نہ بات

کہنے سننے کو جی چاہے۔ میری یہ حالت دیکھکر دائی، ددا
چھوچھو، انگا، سب کی سب مفکر ہوئیں۔ اور قدم پر گرنے لگیں۔
یہی خواجہ سرا نمک حلال قدیم سے میرا محرم اور ہمراز ہے اس سے
کوئی بات مخفی نہیں۔ میری وحشت دیکھکر بولا کہ ''اگر پادشاہزادی
تھوڑا سا شربت ورق الخیال کا نوش جان فرمائیں۔ تو اغلب ہے کہ
طبیعت بحال ہو جاوے اور فرحت مزاج میں آوے''۔ اسکے اس طرح کے
کہنے سے مجھے بھی شوق ہوا۔ تب میں نے فرمایا ''جلد حاضر کر''۔—

محلی باہر گیا اور ایک صراحی اسی شربت کی تکلف سے بنا کر
برف میں لگا کر لڑکے کے ہاتھ لوا کر آیا۔ میں نے پیا اور جو کچھ
اس کا فائدہ بیان کیا تھا ویسا ہی دیکھا۔ اسی وقت اس خدمت کے
انعام میں ایک بھاری خلعت خوجے کو عنایت کی۔ اور حکم کیا کہ
ایک صراحی ہمیشہ اسی وقت حاضر کیا کر۔ اس دن سے یہ مقرر
ہوا کہ خواجہ سرا صراحی اسی چھوکرے کے ہاتھ لوا لاویں۔ اور
بندی پی جاوے۔ جب اسکا نشہ طلوع ہوتا تو اسکی لہر میں اس
لڑکے سے ٹھٹھا مزاخ کر کر دل بہلاتی تھی۔ وہ بھی جب ڈھیٹھ
ہوا تب اچھی اچھی میٹھی باتیں کرنے لگا۔ اور اجنبھے کی نقلیں
لانے۔ بلکہ آہ آوھی بھی بھرنے۔ اور سسکیاں لینے۔ صورت تو اسکی
طرح دار لائق دیکھنے کے تھی۔ بے اختیار جی چاہنے لگا۔ میں دل
کے شوق سے اور اٹھکھیلیوں کے ذوق سے ہر روز انعام بخشش
دینے لگی۔ پر وہ کمبخت انہیں کپڑوں سے جیسے ہمیشہ پہن
رہا تھا حضور میں آتا۔ بلکہ وہ لباس بھی میلا کچیلا ہو جاتا۔—

ایک دن پوچھا کہ ''تجھے سرکار سے اتنا کچھ ملا۔ پر تونے

اپنی صورت ویسی کی ویسی ہی پریشان بنا رکھی - کیا سبب ہے - وے روپے کہاں خرچ کئے - یا جمع کر رکھے،،؟ لڑکے نے بے خاطرداری کی باتیں جو سنیں - اور مجھے اپنا احوال پرساں پایا - آنسو ڈبڈبا کر کہنے لگا - ''جو کچھ آپ نے اس غلام کو عنایت کیا سب استاد نے لے لیا - مجھے ایک پیسہ نہیں دیا - کہاں سے دوسرے کپڑے بناؤں جو پہنکر حضور میں آؤں؟ اس میں میری تقصیر نہیں - میں لاچار ہوں،، - اس غریبی کے کہنے پر اسکے ترس آیا - وونہیں خواجہ سرا کو فرمایا کہ ''آج سے اس لڑکے کو اپنی صحبت میں تربیت کر - اور اچھا لباس تیار کروا کر پہنا - اور لونڈوں میں بے فائدہ کھیلنے کودنے نہ دے - بلکہ اسی خوشی نہ ہے کہ آداب لائق حضور کی خدمت کے سیکھے اور حاضر رہے،، - خواجہ سرا موافق فرمانے کے بجالایا - اور میری مرضی جو ادھر دیکھی نہایت اسکی خبرگیری کرنے لگا - تھوڑے دنوں میں فراغت اور خوش خوری کے سبب سے اس کا رنگ و روغن کچھ کا کچھ ہوگیا اور کینچلی سی ڈال دی - میں اپنے دل کو ہرچند سنبھالتی پر اس کافر کی صورت جی میں ایسی کھب گئی تھی - یہی جی چاہتا تھا کہ مارے پیار کے اسے کلیجے میں ڈال رکھوں - اور اپنی آنکھوں سے ایک پل جدا نہ کروں -

آخر اسکو مصاحبت میں داخل کیا - اور خلعتیں طرح بطرح کی اور جواہر رنگ برنگ کے پہنا کر دیکھا کرتی - بارے اسکے نزدیک رہنے سے آنکھوں کو سکھ کلیجے کو ٹھنڈک ہوئی - ہردم اسکی خاطر داری کرتی - آخر کو میری یہ حالت پہنچی کہ اگر ایک دم کچھ ضروری کام کو میرے سامنے سے جاتا - تو چین نہ آتا - بعد کئی برس کے وہ بالغ ہوا - مسیں بھیگنے لگیں - چھپ تختی درست

ہوئی ۔ تب اسکا چرچا باھر درباریوں میں ھونے لگا ۔ دربان اور رَوَنّے، سیوڑے، باریدار اور یساول، چوبدار اسکو محل کے اندر آنے جانے سے منع کرنے لگے ۔ آخر اسکا آنا موقوف ھوا ۔ مجھے تو اس بغیر کل نہ پڑتی تھی ۔ ایک دم پہاڑ تھا ۔ جب یہ احوال ناامیدی کا سنا۔ ایسی بدحواس ھوگئی گویا مجھپر قیامت ٹوٹی ۔ اور یہ حالت ھوئی کہ نہ کچھ کہہ سکتی ھوں ۔ نہ اس بن رہ سکتی ھوں ۔ کچھ بس نہیں چل سکتا ۔ الٰہی کیا کروں! عجب طرح کا قلق ھوا ۔ مارے بے قراری کے اسی محلی کو (جو میرا بھیدو تھا) بلا کر کہا کہ "مجھے غور اور پرداخت اس لڑکے کی منظور ھے ۔ بالفعل صلاح وقت یہ ھے کہ ھزار اشرفی پونجی دیکر چوک کے چوراھے میں دوکان جوھری کی کروادو۔تو تجارت کرکے اسکے نفع سے اپنی گذران فراغت سے کیا کرے ۔ اور میرے محل کے قریب ایک حویلی اچھے نقشے کی رھنے کے لئے بنوا دو ۔ لونڈے، غلام نوکر چاکر جو ضرور ھوں مول لیکر اور درماھا مقرر کرکر اسکے پاس رکھوادو کہ کسو طرح بے آرام نہ ھو"۔ خواجہ سرا نے اسکے بود و باش کی اور جوھری پنے اور تجارت کی سب تیاری کردی ۔ تھوڑے عرصے میں اسکی دوکان ایسی چمکی اور نمود ھوئی کہ جو خلعتیں فاخرہ اور جواھر بیش قیمت، سرکار میں پادشاہ کی اور امیروں کی، درکار و مطلوب ھوتے، اسی کے یہاں بہم پہنچتے ۔ آھستہ آھستہ یہ دوکان جمی کہ جو تحفہ ھر ایک ملک کا چاھئے وھیں ملے۔ سب جوھریوں کا روزگار اسکے آگے مندا ھوگیا ۔ غرض اس شہر میں کوئی برابری اسکی نہ کر سکتا۔ بلکہ کسی ملک میں ویسا کوئی نہ تھا۔

اسی کاروبار میں اسنے تو لاکھوں روپے کمائے۔ پر جدائی اسکی

روز بروز نقصان میرے تن بدن کا کرنے لگی۔ کوئی تدبیر نہ بن آئی کہ اسکو دیکھکر اپنے دل کی تسلّی کروں۔ بدان صلاح کی خاطر، اسی واقف‌کار محلی کو بلایا اور کہا کہ ''کوئی ایسی صورت بن نہیں آتی کہ ذرا اسکی صورت میں دیکھوں اور اپنے دل کو صبر دوں۔ مگر یہ طرح ھے کہ ایک سرنگ اسکی حویلی سے کھدوا کر محل میں ملا دو،،۔ حکم کرتے ھی تھوڑے دنوں میں ایسی نقب تیار ھوئی کہ جب سانجھ ھوئی جبکے ھی وہ خواجہ سرا اس جوان کو اسی راہ سے لے آیا۔ تمام شب شراب و کباب و عیش و عشرت میں کٹتی۔ میں اسکے ملنے سے آرام پاتی۔ وہ میرے دیکھنے سے خوش ھوتا۔ جب فجر کا تارا نکلتا اور موذن اذان دیتا، محلی اسی راہ سے اس جوان کو اسکے گھر پہنچا دیتا۔ ان باتوں سے سوائے اس خوجے کے اور دو دائیوں کے (جنھوں نے مجھے دودھ پلایا اور پالا تھا) چوتھا آدمی کوئی واقف نہ تھا۔

مدت تلک اسی طرح سے گذری۔ایک روز یہ اتفاق ھوا کہ موافق معمول کے خواجہ سرا جو اسکو بلانے گیا دیکھے تو وہ جوان فکر مند سا چپکا بیٹھا ھے۔ محلی نے پوچھا ''آج خیر ھے کیوں ایسے دلگیر ھو رہے ھو؟ چلو حضور میں، یاد فرمایا ھے،،۔ اسنے ہرگز کچھ جواب نہ دیا۔ زبان نہ ھلائی۔ خواجہ سرا اپنا سا منھ لیکر اکیلا پھر آیا۔اور احوال اسکا عرض کیا۔ میرے تئیں شیطان جو خراب کرے اسپر بھی محبت اسکی دل سے نہ بھولی۔ اگر یہ جانتی کہ عشق اور چاہ ایسے نمک حرام بے وفا کی آخر کو بدنام اور رسوا کریگی۔اور ننگ و ناموس سب ٹھکانے لگے گا۔تو اسی دم اس کام سے باز آتی۔ اور توبہ کرتی۔پھر اسکا نام نہ لیتی نہ اپنا دل اس

بے حیا کو دیتی - ور ہونا تو یوں تھا۔ اسلئیے حرکت بیجا اسکی خاطر میں نہ لائی - اور اسکے نہ آنے کو معشوقوں کا چوچلا اور ناز سمجھا۔ اسکا نتیجہ یہ دیکھا کہ اس سرگذشت سے بغیر دیکھے بھالے تو بھی واقف ہوا۔نہیں تو میں کہاں اور تو کہاں؟ خیر جو ہوا سو ہوا - اس خر دماغی پر اس گدھے کی خیال نہ کر، دوبارہ خوجے کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ ''اگر تو اسوقت نہیں آویگا، تو میں کسو نہ کسو ڈھب سے وہیں آتی ہوں۔لیکن میرے آنے میں بڑی قباحت ہے۔اگر یہ راز فاش ہوا تیرے حق میں بہت برا ہے - تب ایسا کام نہ کر جسمیں سوائے رسوائی کے اور کچھ پھل نہ ملے - بہتر یہی ہے کہ جلد چلا آ - نہیں تو مجھے پہنچا جان - جب یہ سندیسا گیا اور اشتیاق میرا نپٹ دیکھا۔بھونڈی سی صورت بنائے ہوئے ناز نخرے سے آیا،،۔

جب میرے پاس بیٹھا تب میں نے اس سے پوچھا کہ ''آج رکاوٹ اور خفگی کا کیا باعث ہے؟ اتنی شوخی اور گستاخی تونے کبھو نہ کی تھی۔ہمیشہ بلا عذر حاضر ہوتا تھا،، - تب اس نے کہا کہ ''میں گمنام غریب حضور کی توجہ سے اور دامن دولت کے باعث اس مقدور کو پہنچا۔بہت آرام سے زندگی کٹتی ہے - آپ کے جان و مال کو دعا کرتا ہوں۔یہ تقصیر بادشاہزادی کے معاف کرنے کے بھروسے اس گنہگار سے سرزد ہوئی۔امیدوار عفو کا ہوں،،۔ میں تو جان و دل سے اسے چاہتی تھی۔اسکی بناوٹ کی باتوں کو مان لیا۔اور شرارت پر نظر نہ کی۔بلکہ پھر دلداری سے پوچھا کہ ''کیا تجھکو ایسی مشکل کٹھن پیش آئی۔جو ایسا متفکر ہورہا ہے؟ اسکو عرض کر۔اسکی بھی تدبیر ہوجائیگی،،۔

غرض اسنے اپنی خاکساری کی راہ سے بہی کہا۔ کہ ''مجھکو سب مشکل ہے۔ آپ کے رو برو سب آسان ہے''۔ آخر اسکے فحوائے کلام اور بت کہاؤ سے یہ کھلا کہ ایک باغ نہایت سرسبز اور عمارت عالی، حوض، نالاب، کوئے پختہ سمیت، علام کی حویلی کے نزدیک ناف شہر میں بکاؤ ہے۔اور اس باغ کے ساتھ ایک لونڈی بھی گائن کہ علم موسیقی میں خوب سلیقہ رکھتی ہے۔ لیکن یہ دونوں باھم بکتے ھیں نہ اکیلا باغ۔جیسے اونٹ کے گلے میں بلی۔ جو کوئی وہ باغ لیوے اس کنیز کی بھی قیمت دیوے۔ اور تماشہ یہ ہے کہ باغ کا مول پانچ ہزار روپے۔ اور اس باندی کا بہا پانچ لاکھ۔ فدوی سے اتنے روپے بالفعل سرانجام نہیں ہو سکتے۔ میں نے اسکا دل بہت بے اختیار شوق میں ان کی خریداری کے پایا۔ کہ اسی واسطے دل حیران اور خاطر پریشان تھا۔ باوجودیکہ رو برو میرے بیٹھا تھا۔تب بھی اسکا چہرا ماین اور جی اداس تھا۔ مجھے تو خاطر داری اسکی ہر گھڑی اور ہر پل منظور تھی۔اسی وقت خواجہ سرا کو حکم کیا۔ کہ ''کل صبح کو قیمت اس باغ کی لونڈی سمیت چکا کر قبالہ باغ کا اور خط کنیزک کا لکھوا کر اس شخص کے حوالے کرو۔ اور مالک کو زر قیمت خزانہ عامرہ سے دلوا دو''۔

اس پروانگی سنتے ھی جوان نے آداب بجا لایا اور منھ پر رونق آئی۔ساری رات اسی قاعدے سے جیسے ھمیشہ گذرتی تھی ھنسی خوشی سے کٹی۔ فجر ہوتے ھی وہ رخصت ھوا۔ خوجے نے موافق فرمانے کے اس باغ کو اور لونڈی کو خرید کردیا۔پھر وہ جوان رات کو موافق معمول کے آیا جایا کرتا۔ ایک روز بہار کے موسم

میں کہ مکان بھی دلچسپ تھا بدلی گھمنڈ رہی تھی - پھونہیاں پڑ رہی تھیں - بجلی بھی کوند رہی تھی - اور ہوا نرم نرم بہتی تھی - غرض عجب کیفیت اس دم تھی - جونہی رنگ بہ رنگ کے حباب اور گلابیاں طاقوں پر جنی ہوئی نظر پڑیں - دل للچایا کہ ایک گھونٹ لوں - جب دو تین پیالوں کی نوبت پہنچی وونہیں خیال اس باغ نو خرید کا گذرا - کمال شوق ہوا کہ اسیدم اس عالم میں وہاں کی سیر کیا چاہئیے - کم بختی جو آوے - اونٹ چڑھے کتا کاٹے - اچھی طرح بیٹھے بٹھائے ایک دائی کو ساتھ لیکر سرنگ کی راہ سے اس جوان کے مکان کو گئی - وہاں سے باغ کی طرف چلی - دیکھا تو ٹھیک اس باغ کی بہار بہشت کی برابری کر رہی ہے - قطرے مینھ کے درختوں کے سبز سبز پتوں پر جو پڑے ہیں - گویا زمرد کی پٹریوں پر موتی جڑے ہیں - اور سرخی پھولوں کی اس ابر میں ایسی بھلی لگتی ہے جیسے شام کو شفق پھولی ہے - اور نہریں لبالب مانند فرش آئینے کے نظر آتی ہیں اور موجیں لہراتی ہیں —

غرض اس باغ میں ہر طرف سیر کرتی پھرتی تھی - کہ دن ہوچکا - سیاہی شام کی نمود ہوئی - اتنے میں وہ جوان ایک روش پر نظر آیا - اور مجھے دیکھکر بہت ادب اور گرم جوشی سے آگے بڑھکے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر دھر کر بارہ دری کی طرف لے چلا - جب وہاں میں گئی تو وہاں کے عالم نے سارے باغ کی کیفیت کو دل سے بھلا دیا - بہ روشنی کا ٹھاٹھ تھا - (جابجا قمقمے، سرو چراغاں، کنول اور فانوس خیال، شمع مجلس حیران اور فانوسیں روشن تھیں) کہ شب برات باوجود چاندنی اور چراغاں کے اسکے آگے اندھیری لگتی - ایکطرف آتشبازی پھلجھڑی، انارداؤدی،

سیر پہلے درویش کی

بھجنپا ، مرواربد ، مہتابی، ھوائی ، جرخی، ھتھ پھول ، جاھی جوھی ، پٹاخے، سنارے جھٹتے تھے—

اس عرصے میں بادل پھٹ گیا اور چاند نکل آبا بعینه جیسے نافرمانی جوڑا بہنے ہوئے کوئی معشوق نظر آجاتا ھے ۔ بڑی کیفیت ھوئی۔ جاندنی جھٹکنے ھی جوان نے کہا کہ ''اب چلکر باغ کے بالا خانے پر بیٹھئے،،۔ میں ابسی احمق ھوگئی تھی کہ جو وہ نگوڑا کہتا سو میں مان لیتی ۔ اب بہ ناچ نجایا کہ مجھکو اوپر لیگیا ۔ وہ کوٹھا ابسا بلند تھا کہ تمام شہر کے مکان اور بازار کے چراغاں گویا اسکے پائیں باغ تھے ۔ میں اس جوان کے گلے میں بانھ ڈالے ھوئے خوشی کے عالم میں بیٹھی تھی ۔ اتنے میں ایک رنڈی نہایت بھونڈی سی ۔ صورت نہ شکل۔ حولھے میں سے نکل۔ شراب کا شیشہ ھاتھ میں لئے ھوئے آ پہنچی ۔ مجھے اسوقت اسکا آنا نپٹ برا لگا۔ اور اسکی صورت دیکھنے سے دل میں ھول اٹھی—

تب میں نے گھبرا کر جوان سے بوجھا کہ ''یہ تحفہ علت کون ھے؟ تونے کہاں سے پیدا کی؟،، وہ جوان ھاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ ''یہ وھی لونڈی ھے جو اس باغ کے ساتھ حضور کے عنایت سے خرید ھوئی،،۔ میں نے معلوم کیا کہ اس احمق نے بڑی خواھش سے اسکو لیا ھے ۔ شاید اسکا دل اس پر مائل ھے اسی خاطر سے پیچتاب کھا کر میں جپکی ھورھی ۔ لیکن دل اسی وقت سے مکدر ھوا اور ناخوشی مزاج پر چھا گئی ۔ تسپر قیامت اس ایسے تیسے نے یہ کی ۔ کہ ساقی اسی جھنال کو بنایا ۔ اسوقت میں اپنا لہو پیتی تھی اور جیسے طوطی کو کوئی کوے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کرتا ھے،

نہ جانے کی فرصت پاتی تھی، اور نہ بیٹھنے کو جی چاھتا تھا - قصہ مختصر وہ شراب بوند کی بوند تھی جسکے پینے سے آدمی حیوان ہوجاوے - دو چار جام پے در پے اسی تیزآب کے جوان کو دئے - اور آدھا پیالہ جوان کی منت سے میں نے بھی زھرمار کیا - آخر وہ پلشت بے حیا بھی بدمست ہو کراس مردود سے بیہودہ ادائیں کرنے لگی - اور وہ چبلاّ بھی نشے میں بے لحاظ ہو چلا اور ناسعمول حرکتیں کرنے لگا -

مجھے یہ غیرت آئی اگر اسوقت زمین پھاٹے تو میں سماجاؤں - لیکن اسکی دوستی کے باعث میں بللی اسپر بھی چپ ہورھی - پر وہ تو اصل کا باجی تھا۔ سرے اس درگذر کرنے کو نہ سمجھا۔ نشے کی لہر میں اور بھی دو پیالے چڑھا گیا - کہ رہنا سہتا* ہوش جو تھا وہ بھی گم ہو گیا - اور میری طرف سے مطلق دھڑکا جی سے اٹھا دیا - بے شرمی سے شہوت کے غلبے میں میرے روبرو اس بیحیا نے اس بندوڑ سے صحبت کی - اور وہ یجھل پائی بھی اس حالت میں نیچے پڑی ہوئی نخرے تلے کرنے لگی - اور دونوں میں چوما چاٹی ہونے لگی - نہ اس بے وفا میں وفا نہ اس بے حیا میں حیا۔ جیسی روح ویسے فرشتے - میری اسوقت یہ حالت تھی جیسے اوسر چوکی، ڈومنی گاوے تال بے تال۔ اپنے اوپر لعنت کرتی تھی۔ کہ کیوں تو یہاں آئی جسکی یہ سزا پائی؟ آخر کہاں تک سہوں۔ میرے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی۔ اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔ اس غصے اور طیش

---

* مستعمل رہا سہا ہے

میں یہ کہاوت ـ بیل نہ کودا، کودے گون۔ یہ تماشا دیکھے کون۔
کہتی ہوئی وہاں سے اٹھی--

وہ شرابی اپنی خرابی دل میں سوچا ـ کہ اگر پادشاهزادی اسوقت ناخوش ہوئی ـ تو کل میرا کیا حال ہوگا ـ اور صبح کو کیا قیامت مچیگی ؟ اب یہ بہتر ہے کہ شاهزادی کو مارڈالوں۔ یہ ارادہ اس غیبانی کی صلاح سے جی میں ٹھہراکر گلے میں پٹکا ڈال میرے پاؤں آکر پڑا۔ اور پگڑی سر سے اتار کر منت و زاری کرنے لگا ـ میرا دل تو اسپر لٹو ہورہا تھا۔جدھر لئے پھرتا تھا پھرتی تھی۔ اور چکی کی طرح میں اسکے اختیار میں تھی۔ جو کہتا تھا سو کرتی تھی ـ جوں توں مجھے پھسلا پنڈھلا کر پھر بٹھلایا۔ اور اسی شراب دو آتشہ کے دو چار پیالے بھربھر کر آپ بھی پیئے۔ اور مجھے بھی دیئے ـ ایک تو غصے کے مارے جل بھن کر کباب ہورہی تھی۔ دوسرے ایسی شراب پی جلد بے ہوش ہوگئی۔ کچھ حواس باقی نہ رہے ـ تب اس بے رحم نمک حرام کٹر سنگدل نے تلوار سے مجھے گھایل کیا ـ بلکہ اپنی دانست میں مارچکا ـ اس دم میری آنکھ کھلی تو منہ سے یہی نکلا ـ '' خیر ـ جیسا ہم نے کیا ویسا پایا۔ لیکن تو اپنے تئیں ، میرے اس خون ناحق سے بچائیو۔

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کوتو دامن سے دھو۔ہوا سو ہوا

کسی سے یہ بھید ظاہر نہ کیجیو۔ ہم نے تو تجھسے جان تک بھی در گذر نہ کی ،، ـ پھر اسکو خدا کے حوالے کرکر میرا جی ڈوب گیا ـ مجھے اپنی سدھ بدھ کچھ نہ رہی ـ شاید اس قصائی نے

مجھے مردہ خیال کر اس صندوق میں ڈالکر قلعے کی دیوار کے تلے لٹکا دیا۔ سو تونے دیکھا۔ میں کسو کا برا نہ چاہتی تھی۔لیکن یے خرابیاں قسمت میں لکھی تھیں۔

مٹتی نہیں کرم کی رکھا
ان آنکھوں کے سبب سہ کچھ دیکھا

اگر خوبصورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق نہ ہوتا۔تو وہ بد بخت میرے گلے کا طوق نہ ہوتا۔ اللہ نے یہ کام کیا کہ مجھکو وہاں پہنچا دیا۔ اور سبب میری زندگی کا کیا۔ اب حیا جی میں آتی ہے کہ یے رسوائیاں کھینچکر اپنے تئیں جینا نہ رکھوں۔یا کسو کو منہ نہ دکھاؤں۔پر کیا کروں۔مرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں۔خدا نے مار کر پھر جلایا۔آگے دیکھئے کہ کیا قسمت میں بدا ہے۔ظاہر میں تو تیری دوڑ دھوپ اور خدمت کام آئی جو ویسے زخموں سے شفا پائی۔ تونے جان و مال سے میری خاطر کی۔اور جو کچھ اپنی بساط تھی حاضر کی۔ ان دنوں تجھے خرچ اور دودلا دیکھکر وہ شقہ سیدی بہار کو(جو میرا خزانچی ہے) لکھا۔ اسمیں یہی مضمون تھا کہ میں خیروعافیت سے مکان میں ہوں۔مجھ بد طالع کی خبر والدہ شریفہ کی خدمت میں پہنچائیو۔

اس نے تیرے ساتھ دو کشتیاں نقد کی خرچ کی خاطر بھیج دیں۔ اور جب تجھے خلعت اور جواہر کے خرید کرنے کو یوسف، سوداگر بچے کی دوکان کو بھیجا، مجھے نہ بھروسہ تھا کہ وہ کم حوصلہ جلد ہر ایک سے آشنا ہو بیٹھتا ہے، تجھے بھی اجنبی جان کر اغلب ہے کہ دوستی کرنے کے لئے اترا کر دعوت اور ضیافت کریگا۔ سو میرا منصوبہ ٹھیک بیٹھا۔جو کچھ میرے دل میں خیال آیا تھا اسنے ویسا ہی کیا۔ تو جب اس سے قول قرار

پھر آنے کا کر کر میرے پاس آیا۔اور مہمانی کی حقیقت اور اس کا بجد ہونا مجھسے کہا۔میں دل میں خوش ہوئی کہ جب تو اسکے گھر میں جاکر کھاوے پیوےگا تب اگر تو بھی اسکو مہمانی کی خاطر بلاوے گا وہ دوڑا چلا آوے گا۔ اس لئے تجھے جلد رخصت کیا۔ تین دن کے پیچھے جب تو وہاں سے فراغت کرکے آیا۔ اور میرے رو برو عذر غیر حاضری کا شرمندگی سے لایا۔ میں نے تیری تشفی کے لئے فرمایا۔کچھ مضائقہ نہیں۔جب اسنے رضا دی تب تو آیا۔لیکن بے شرمی خوب نہیں کہ دوسرے کا احسان اپنے سر پر رکھئیے اور اسکا بدلا نہ کیجئیے۔اب تو بھی جاکر اسکی استدعا کر۔ اور اپنے ساتھ ہی ساتھ لے آ۔ جب تو اسکے گھر کو گیا تب میں نے دیکھا کہ یہاں کچھ اسباب مہمان داری کا تیار نہیں۔ اگر وہ آجاوے تو کیا کروں؟ لیکن نہ فرصت پائی کہ اس ملک میں قدیم سے بادشاہوں کا یہ معمول ہے، کہ آٹھ مہینے کاروبار ملکی اور مالی کے واسطے ملک گیری میں باہر رہتے ہیں، اور چار مہینے موسم برسات کے قلعۂ مبارک میں جلوس فرماتے ہیں، ان دنوں دو چار مہینے سے بادشاہ یعنی ولی نعمت مجھ بد بخت کے بند و بست کی خاطر ملک میں تشریف لے گئے تھے۔

جب تک تو اس جوان کو ساتھ لیکر آوے کہ شیدی بہار نے میرا احوال خدمت میں پادشاہ بیگم کی (کہ والدہ مجھ ناپاک کی ہیں) عرض کیا۔ پھر میں اپنی تقصیر اور گناہ سے خجل ہوکر ان کے رو برو جاکر کھڑی ہوئی اور جو سر گذشت تھی بیان کی۔ ہر چند انھوں نے میرے غائب ہونے کی کیفیت دور اندیشی اور مہر مادری سے چھپا رکھی تھی کہ خدا جانے اسکا انجام

کیا ہو۔ابھی یہ رسوائی ظاہر کرنی خوب نہیں۔میرے بدلے میں میرے عیبوں کو اپنے پیٹ میں رکھ چھوڑا تھا۔ لیکن میری تلاش میں تھیں۔جب مجھے اس حالت میں دیکھا اور سب ماجرا سنا آنسو بھر لائیں اور فرمایا۔ "اے کم بخت ناشدنی! تونے جان بوجھکر نام و نشان بادشاہت کا سارا کھودیا۔ہزار افسوس! اور اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھویا۔ کانچ کے ٹبرے عوض میں پتھر جنتی تو صبر آتا! اب بھی توبہ کر۔جو قسمت میں تھا سو ہوا۔اب آگے کیا کریگی؟ جیویگی یا مریگی؟"، میں نے نہایت شرمندگی سے کہا "کہ مجھ بے حیا کے نصیبوں میں یہی لکھا تھا۔جو اس بدنامی اور خرابی میں ایسی ایسی آنتوں سے بچکر جیتی رہوں۔ اس سے مرنا ھی بھلا تھا۔ اگرچہ کلنک کا ٹیکا میرے ماتھے پر لگا، پر ایسا کام نہیں کیا جس میں ما باپ کے نام کو عیب لگے"

اب یہ بڑا دکھ ہے کہ وے دونوں بیحیا میرے ہاتھ سے بچ جاویں۔اور آپس میں رنگ رلیاں مناویں۔ اور میں ان کے ہاتھوں سے یہ کچھ دکھ دیکھوں۔ حیف ہے کہ مجھسے کچھ نہ ہوسکے۔ یہ امیدوار ہوں کہ خانساماں کو پروانگی ہو۔تو اسباب ضیافت کا بخوبی تمام اس کم بخت کے مکان میں تیار کرے۔تو میں دعوت کے بہانے سے ان دونوں بد بختوں کو بلواکر ان کے عملوں کی سزا دوں۔ اور اپنا عوض لوں۔ جسطرح اسنے مجھپر ہاتھ چھوڑا۔ اور گھایل کیا میں بھی دونوں کے پرزے پرزے کروں۔ تب میرا کلیجا ٹھنڈا ہو۔نہیں تو اس غصے کی آگ میں پھک رہی ہوں۔ آخر جل بل کر بھوبھل ہوجاؤنگی۔ یہ سنکر اماں نے آنما کے درد سے مہربان ہوکر میری عیب پوشی کی۔ اور سارا لوازمہ ضیافت کا

اسی خواجہ سرا کے ساتھ (جو میرا محرم ہے) کردیا ۔ سب اپنے اپنے کارخانے میں آکر حاضر ہوئے ۔ شام کے وقت تو اس موئے کو ایکر آیا ۔ مجھے اس قحبہ باندی کا بھی آنا منظور تھا ۔

چنانچہ پھر تجھکو تقیّد کر کر ۔ اسے بھی بلوایا ۔ جب وہ بھی آئی اور مجلس جمی شراب پی پی کر سب بدمست اور بے ہوش ہوئے ۔ اور ان کے ساتھ تو بھی کیفی ہو کر مردا سا پڑا ۔ میں نے قلماقنی کو حکم کیا کہ ان دونوں کا سر تلوار سے کاٹ ڈال ۔ اسنے وونہیں ایک دم میں شمشیر نکال کر دونوں کے سر کاٹ، بدن لال کردئے ۔ اور تجھپر غصے کا یہ باعث تھا ۔ کہ میں نے اجازت ضیافت کی دی تھی، نہ دو دن کی دوستی پر اعتماد کر کے شریک مئے خوری کا ہو ۔ البتہ یہ تیری حماقت اپنے تئیں پسند نہ آئی ۔ اس واسطے کہ جب تو پی پا کر بے ہوش ہوا ۔ تب توقع رفاقت کی تجھ سے کیا رہی؟ پر تیری خدمت کے حق ایسے میری گردن پر ہیں ۔ کہ جو تجھ سے ایسی حرکت ہوتی ہے تو معاف کرتی ہوں ۔ لے ۔ میں نے اپنی حقیقت ابتدا سے انتہا تک کہہ سنائی ۔ اب بھی دل میں کچھ اور ہوس باقی ہے؟ جیسے میں نے تیری خاطر کرکے تیرے کہنے کو سب طرح قبول کیا ۔ تو بھی میرا فرمانا اسی صورت سے عمل میں لا ۔ صلاح وقت یہ ہے کہ اب اس شہر میں رہنا میرے اور تیرے حق میں بھلا نہیں ۔ آگے تو مختار ہے،،۔

یا معبود اللہ! شہزادی اتنا فرما کر چپ رہی ۔ فقیر تو دل و جان سے اسکے حکم کو سب چیز پر مقدم جانتا تھا ۔ اور اسکی محبت کے جال میں پھنسا تھا ۔ بولا ۔ ،،جو مرضی مبارک میں آوے سو بہتر ہے ۔

یہ فدوی بے عذر بجا لاویگا''۔ جب شہزادی نے میرے تئیں فرمانبردار و خدمتگار اپنا پورا سمجھا۔فرمایا۔''دو گھوڑے چالاک اور جانباز (کہ چلنے میں ہوا سے باتیں کریں) بادشاہ کے خاص اصطبل سے منگوا کر تیار رکھ''۔ میں نے ویسے ہی، پریزاد چار گردے کے گھوڑے چنکر زین بندھوا کر منگوائے۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہی۔بادشاہ زادی مردانہ لباس پہن اور پانچوں ہتھیار باندھ کر ایک گھوڑے پر سوار ہوئی۔اور دوسرے مرکب پر میں مسلح ہو کر چڑھ بیٹھا اور ایک طرف کی راہ لی۔

جب شام تمام ہوئی اور پرچھا ہونے لگا۔تب ایک پوکھر کے کنارے پہنچے۔ اتر کر منہ ہاتھ دھوئے۔ جلدی جلدی کچھ ناشتہ کرکے پھر سوار ہو کر چلے۔ کبھو ملکہ کچھ کچھ باتیں کرتی۔اور یوں کہتی۔کہ ''ہم نے تیری خاطر شرم حیا ملک مال ما باپ سب چھوڑا۔ ایسا نہ ہو کہ تو بھی اس ظالم بیوفا کی طرح سلوک کرے''۔ کدھو میں کچھ احوال ادھر ادھر کا راہ کٹنے کے لئے کہتا۔ اور اس کا بھی جواب دیتا کہ ''بادشاہزادی! سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے۔ اس پاجی کے نطفے میں کچھ خلل ہوگا جو اس سے ایسی حرکت واقع ہوئی۔اور میں نے تو جان و مال تم پر تصدق کیا۔ اور تم نے مجھے ہر طرح سرفرازی بخشی۔ اب میں بندہ بغیر داموں کا ہوں۔ میرے چمڑے کی اگر جوتیاں بنوا کر پہنو۔تو میں آہ نہ کروں''۔ ایسی ایسی باتیں باہم ہوتی تھیں۔اور رات دن چلنے سے کام تھا۔ کبھو جو ماندگی کے سبب کہیں اترتے۔تو جنگل کے چرند و پرند شکار کرتے۔ حلال کرکے نمکدان سے لون نکال، چکمک سے آگ جھاڑ بھون بھان کر کھا لیتے۔اور

گھوڑوں کو چھوڑ دیتے - وے اپنے منھ سے گھاس پات جر چگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے—

ایک روز ایسے کف دست میدان میں جا نکلے کہ جہاں بستی کا نام نہ تھا۔ اور آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس پر بھی پادشاہزادی کی رفاقت کے سبب سے دن عید اور رات شب برات معلوم ہوتی تھی - جاتے جاتے انجت ایک دریا (کہ جسکے دیکھنے سے کلیجا پانی ہو) راہ میں ملا - کنارے پر کھڑے ہو کر جو دیکھا تو جہاں تلک نگہ نے کام کیا۔پانی ہی تھا - کچھ تھل بیڑا نہ پایا - یا الہی! اب اس سمندر سے کیونکر پار اتریں! ایکدم اسی سوچ میں کھڑے رہے - آخر یہ دل میں لہر آئی۔ کہ ملکہ کو یہیں بٹھا کر میں تلاش میں ناؤ نواڑے کی جاؤں۔جب تلک اسباب گذارے کا ہاتھ آوے۔تب تلک وہ نازنین بھی آرام پاوے۔ تب میں نے کہا۔''اے ملکہ! اگر حکم ہو تو گھاٹ باٹ اس دریا کا دیکھوں -'' فرمانے لگی ''میں بہت تھک گئی ہوں - اور بھوکی پیاسی ہورہی ہوں۔ میں ذرا دم لے لوں جب تئیں تو پار چلنے کی کچھ تدبیر کر''—

اس جگہ ایک درخت پیپل کا تھا۔بڑا۔چھتر باندھے ہوئے۔ کہ اگر ہزار سوار آوے تو دھوپ اور مینھ میں اسکے تلے آرام پاوے۔ وہاں اسکو بٹھا کر میں چلا۔ اور چاروں طرف دیکھتا تھا کہ کہیں بھی زمین پر یا دریا میں نشان انسان کا پاؤں - بہتیرا سر مارا پر کہیں نہ پایا - آخر مایوس ہو کر وہاں سے پھر آیا۔تو اس پری کو پیڑ کے نیچے نہ پایا - اس وقت کی حالت کیا کہوں کہ سرت

جانی رہی ۔ دیوانہ باؤلا ہوگیا ۔ کبھو درخت پر چڑھ جاتا۔ اور ڈال ڈال پات پات پھرتا۔ کبھو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر زمین میں گرتا۔ اور اس درخت کی جڑ کے آس پاس تصدق ہوتا ۔ کدھو چنگھاڑ مار کر اپنی بے بسی پر روتا ۔ کبھو پچھم سے پورب کو دوڑا جاتا۔ کدھو اتر سے دکھن کو پھر آتا ۔ غرض بہتیری خاک چھانی لیکن اس گوہر نایاب کی نشانی نہ پائی ۔ جب میرا کچھ بس نہ چلا تب روتا اور خاک سر پر اڑاتا ہوا تلاش ہر کہیں کرنے لگا۔

دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی جن اس پری کو اٹھا کر لیگیا ۔ اور مجھے یہ داغ دیگیا ۔ یا اسکے ملک سے کوئی اس کے پیچھے لگا چلا آتا تھا ۔ اسوقت اکیلا پا کر منا منو کر پھر شام کی طرف لے اپھرا ۔ ایسے خیالوں میں گھبرا کر کپڑے و پڑے پھینک پھانک دئے۔ننگا منگا فقیر بنکر شام کے ملک میں صبح سے شام تک ڈھونڈھتا پھرتا رہا ۔ اور رات کو کہیں پڑ رہتا ۔ سارا جہان روند مارا ۔ پر اپنی بادشاہزادی کا نام و نشان کسی سے نہ سنا ۔ نہ سبب غائب ہونے کا معلوم ہوا ۔ تب دل میں یہ آیا کہ جب اس جان کا تونے کچھ پتہ نہ پایا ۔ تو اب جینا بھی حیف ہے ۔ کسی جنگل میں ایک پہاڑ نظر آیا ۔ تب اسپر چڑھ گیا ۔ اور یہ ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرا دوں۔ کہ ایک دم میں سر منہ پتھروں سے ٹکراتے ٹکراتے پھوٹ جاویگا، تو ایسی مصیبت سے جی چھوٹ جاویگا۔

یہہ دل میں کہکر چاہتا ہوں کہ اپنے تئیں گراؤں ۔ بلکہ پاؤں بھی اٹھ چکے تھے ۔ کہ کسو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ۔ اتنے میں ہوش آگیا ۔ دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش منہ پر

نقاب ڈالے مجھے فرماتا ھے۔ کہ ''کیوں تو اپنے مرنے کا قصد کرتا ھے؟ خدا کے فضل سے ناامید ہونا کفر ھے۔ جب تلک سانس ھے۔ تب تلک آس ھے۔ اب تھوڑے دنوں میں روم کے ملک میں تین درویش تجھ سے دکھی ایسی ھی مصیبت میں پھنسے ہوئے اور ایسے ھی تماشے دیکھے ہوئے تجھسے ملاقات کرینگے۔ اور وہاں کے پادشاہ کا آزاد بخت نام ھے۔ اسکو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ھے۔ جب وہ بھی تم چاروں فقیروں کے ساتھ ملیگا۔ تو ھر ایک کے دل کا مطلب اور مراد جو ھے بہ خوبی حاصل ھوگی،،۔

میں نے رکاب پکڑ کر بوسا دیا۔ اور کہا۔ '' اے خدا کے ولی! تمھارے اتنے ھی فرمانے سے میرے دل پر اضطرار کو تسلی ہوئی۔ لیکن خدا کے واسطے یہ فرمائیے کہ آپ کون ھیں اور اسم شریف کیا ھے؟،، تب انہوں نے فرمایا کہ ''مرتضیٰ علی میرا نام ھے۔اور میرا یہی کام ھے۔کہ جسکو جو مشکل کٹھن پیش آوے۔تو میں اسکو آسان کردوں۔،، اتنا فرما کر نظروں سے پوشیدہ ھوگئے۔ بارے اس فقیر نے اپنے مولا مشکل کشا کی بشارت سے خاطر جمع کر قصد قسطنطنیہ کا کیا۔ راہ میں جو کچھ مصیبتیں قسمت میں لکھی تھیں، کھینچتا ھوا اس پادشاھزادی کی ملاقات کے بھروسے خدا کے فضل سے یہاں تک آ پہنچا۔ اور اپنی خوش نصیبی سے تمھاری خدمت میں مشرف ھوا۔ ھماری تماری آپس میں ملاقات تو ھوئی۔ باھم صحبت اور بات چیت میسر آئی۔ اب چاھئے کہ پادشاہ آزاد بخت سے بھی روشناس، اور جان پہچان ھو۔

بعد اسکے مقرر ھم پانچوں اپنے مقصد دلی کو پہنچینگے۔ تم بھی دعا مانگو اور آمین کہو۔ یا ھادی! اس حیران سرگردان کی

سیر پہلے درویش کی

سرگذشت یہ تھی-جو حضوری میں درویشوں کی کہہ سنائی - اب آگے دیکھئے کہ کب یہ محنت اور غم بھرا - پادشاہزادی کے ماتھے سے خوشی و خرمی سے بدل ہو-،، آزاد بخت ایک کونے میں چھپا ہوا چپکا دھیان لگائے پہلے درویش کا ماجرا سنکر خوش ہوا- پھر دوسرے درویش کی حقیقت کو سننے لگا-

سیر دوسرے درویش کی

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی۔وہ چار زانو ہو بیٹھا اور بولا—

'' اے یارو! اس فقیر کا ٹک ماجرا سنو
میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا سنو

جسکا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم
ہیگا ہمارا درد نپٹ لا دوا سنو

اے دلق پوشو! یہ عاجز پادشاہزادہ فارس کے ملک کا ہے۔ ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوے ہیں۔ چنانچہ اصفہان نصف جہان مشہور ہے ۔ ہفت اقلیم میں اس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں۔ کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے۔اور وہ ساتوں کواکب میں نیر اعظم ہے۔ آب‌وہوا وہاں کی خوش اور لوگ روشن طبع اور صاحب سلیقہ ہوتے ہیں ۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو پادشاہ اس ملک کے تھے) لڑکپن سے قاعدے اور قانون سلطنت کے تربیت کرنے کے واسطے بڑے بڑے دانا استاد ہر ایک علم اور کسب کے جنکر میری اتالیقی کے لئے مقرر کئے تھے۔تو تعلیم کامل ہر نوع کی پاکر قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے چودہ برس کے سن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا ۔ گفتگو معقول نشست و برخاست پسندیدہ اور جو کچھ بادشاہوں کو لائق اور

درکار ھے سب حاصل کیا۔اور یہی شوق شب و روز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں قصے ھر ایک ملک کے اور احوال الوالعزم پادشاھوں اور نامآوروں کا سنا کروں۔

ایک روز ایک مصاحب دانا نے کہ خوب تواریخ دان اور جہاں دیدہ تھا مذکور کیا کہ ''اگرچہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں ۔ لیکن اکثر وصف ایسے ھیں کہ ان کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک زبانوں پر بخوبی چلا جائیگا۔،، میں نے کہا۔ ''اگر تھوڑا سا احوال اسکا مفصل بیان کرو تو میں بھی سنوں۔اور اسپر عمل کروں۔،، تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح سے کہنے لگا۔کہ ''حاتم کے وقت میں ایک پادشاہ عرب کا نوفل نام تھا ۔ اسکو حاتم کے ساتھ بسبب نام آوری کے دشمنی کمال ھوئی ۔ بہت سا لشکر فوج جمع کرکر لڑائی کی خاطر چڑھ آیا ۔ حاتم تو خدا ترس اور نیک مرد تھا۔یہ سمجھا کہ اگر میں بھی جنگ کی تیاری کروں۔تو خدا کے بندے مارے جائینگے۔اور بڑی خون ریزی ھوگی ۔ اسکا عذاب میرے نام لکھا جائے گا ۔ یہ بات سوچ کر تن تنہا اپنی جان لیکر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا ۔ جب حاتم کے غائب ھونے کی خبر نوفل کو معلوم ھوئی سب اسباب گھر بار حاتم کا قرق کیا۔اور منادی کروا دی۔کہ ''جو کوئی ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پکڑ لاوے۔ پان سے اشرفی پادشاہ کے سرکار سے انعام پاوے،،۔ یہ سنکر سب کو لالچ آیا اور جستجو حاتم کی کرنے لگے۔

ایک دن ایک بوڑھا اور اسکی بڑھیا دو تین بچے چھوٹے چھوٹے ساتھ لئے ھوئے لکڑیاں توڑنے کے واسطے اس غار کے پاس جہاں

حاتم پوشیدہ تھا پہنچے۔اور لکڑیاں اس جنگل سے چننے لگے۔ بڑھیا بولی کہ ''اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے۔ تو حاتم کو کہیں ہم دیکھ پاتے۔ اور اسکو پکڑ کر نوفل کے پاس لیجاتے۔تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا۔ اور ہم آرام سے کھاتے۔ اس دکھ دھندے سے چھوٹ جاتے''۔ بوڑھے نے کہا ''کیا ٹرٹر کرتی ہے۔ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے۔کہ روز لکڑیاں توڑیں۔ اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں۔تب لون روٹی میسر آوے۔یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے۔ لے اپنا کام کر۔ہمارے ہاتھ حاتم کاہے کو آویگا۔ اور بادشاہ اتنے روپے دلاویگا؟'' عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہو رہی–

یے دونوں کی باتیں حاتم نے سنیں۔مردمی اور مروت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بیچاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے۔سچ ہے اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں۔اور جسکے جی میں درد نہیں وہ قصائی ہے–

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

غرض حاتم کی جوانمردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سنکر چپکا ہورہے۔ وونہی باہر نکل آیا اور اس بوڑھے سے کہا۔ کہ ''اے عزیز حاتم میں ہوں۔ میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل۔ وہ مجھے دیکھیگا اور جو کچھ روپے دینے کا قرار کیا ہے۔ تجھے دیویگا''۔ پیر مرد نے کہا ''سچ ہے کہ اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری البتہ ہے۔ لیکن وہ کیا جانے تجھسے کیا سلوک کرے؟

اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں؟ یہ مجھسے ہرگز نہ ہوسکیگا کہ تجھکو اپنی طمع کی خاطر دشمن کے حوالے کروں۔ وہ مال کئے دن کھاؤنگا۔ اور کب تک جیونگا؟ آخر مر جاؤنگا تب خدا کو کیا جواب دونگا؟،، حاتم نے بہتیری منت کی کہ ''مجھے لیجل۔ میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں۔ اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہوں۔ کہ میرا جان و مال کسو کے کام آوے، تو بہتر ہے،،۔ لیکن وہ بوڑھا کسی طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم کو لیجاوے۔ اور انعام پاوے۔ آخر لاچار ہوکر حاتم نے کہا ''اگر تو مجھے یوں نہیں لیجاتا۔تو میں آپ سے آپ بادشاہ پاس جاکر کہتا ہوں کہ اس بوڑھے نے مجھے جنگل میں ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا،،۔ وہ بوڑھا ہنسا اور بولا۔ ''بھلائی کے بدلے برائی ملے۔تو یا نصیب!،، اس رد و بدل کے سوال و جواب میں آدمی اور بھی آ پہنچے۔ بھیڑ لگ گئی۔ انھوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے۔ تو پکڑ لیا۔ اور حاتم کو لے چلے۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ساتھ ہولیا۔ جب نوفل کے روبرو لیگئے۔ اس نے پوچھا کہ اسکو کون پکڑ لایا؟ ایک بد ذات سنگدل بولا کہ ''ایسا کام سوائے ہمارے کون کر سکتا ہے؟ یہ فتح ہمارے نام ہے۔ہم نے عرش پر جھنڈا گاڑا ہے،،۔ ایک اور لنترانی والا ڈینگ مارنے لگا کہ ''میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر جنگل سے پکڑ لایا ہوں۔ میری محنت پر نظر کیجئے۔ اور جو قرار ہے سو دیجئے،،۔ اسی طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا کہ یہ کام مجھسے ہوا۔ وہ بوڑھا چپکا ایک کونے میں لگا ہوا سب کی شیخیاں سن رہا تھا۔ اور حاتم کی خاطر کھڑا روتا تھا۔ جب اپنی اپنی دلاوری اور مردانگی

سب کہہ چکے۔ تب حاتم نے پادشاہ سے کہا۔ ''اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے۔ کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے مجھکو لایا ہے۔ اگر قیافہ پہچان جانتے ہو تو دریافت کرو۔ اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول* کیا ہے پورا کرو۔ کہ سارے ڈیل میں زبان حلال ہے۔ مرد کو چاہئے جو کہے سو کرے۔ نہیں تو جیبھ حیوان کو بھی خدا نے دی ہے۔ پھر حیوان اور انسان میں کیا تفاوت ہے؟''

نوفل نے اس لکڑھارے بوڑھے کو بلا کر پوچھا۔ کہ ''سچ کہہ اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟'' اور اس بیچارے نے سر سے پاؤں تک جو گذرا تھا راست کہہ سنایا۔ اور کہا کہ ''حاتم میری خاطر آپ سے آپ چلا آیا ہے''۔ نوفل بہ همت حاتم کی سنکر متعجب ہوا کہ ''بل بے! تیری سخاوت۔ اپنی جان کا بھی خطرہ نہ کیا''۔ جتنے جھوٹ دعوے حاتم کے پکڑ لانے کے کرتے تھے۔ حکم کیا کہ ''ان کی ٹنڈیاں کسکر پان سو اشرفی کے بدلے پان پان سے جوتیاں ان کے سر پر لگاؤ کہ ان کی بھی جان نکل پڑے''۔ وونھیں تڑ تڑ پیزاریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں سر ان کے گنجے ہو گئے۔ سچ ہے۔ جھوٹ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی گناہ اسکو نہیں پہنچتا۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔ اور جھوٹ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹ موٹ بکے جاتے ہیں۔ لیکن آزمائش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

غرض ان سب کو موافق انکے انعام دیکر۔ نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم سے شخص سے (کہ ایک عالم کو اس سے

---

* ڈنکن کے یہاں قبول ہے

فیض پہنچتا ہے۔اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا۔اور خدا کی راہ میں سر تا پا حاضر ہے) دشمنی رکھنی اور اسکا مدعی ہونا مرد آدمیت اور جوانمردی سے بعید ہے۔ وونہیں حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اورگرم جوشی سے پکڑ لیا اور کہا۔ ''کیوں نہ ہو۔ جب ایسے ہو تب ایسے ہو''۔ تواضع تعظیم کرکر پاس بٹھلایا اور حاتم کا ملک و املاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا۔ وونہیں چھوڑ دیا۔ نئے سر سے سرداری قبیلہ' طے کی اسے دی۔ اور اس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دلوا دیں۔ وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے تمام سنا۔ جی میں غیرت آئی۔ اور یہ خیال گذرا کہ حاتم اپنے قوم کا فقط رئیس تھا۔جن نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تلک مشہور ہے۔ میں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں۔اگر اس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فی‌الواقع دنیا میں کوئی کام بڑا داد و دہش سے نہیں۔اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دنیا میں دیتا ہے۔ اسکا عوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے۔ تو اس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے؟ یہ بات دل میں ٹھہرا کر میر عمارت کو بلوا کر حکم کیا کہ ''ایک مکان عالیشان جسکے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ ہوں باہر شہر کے جلد بنواؤ''۔ تھوڑے عرصے میں ویسی ہی عمارت وسیع جیسا دل چاہتا تھا۔بنکر تیار ہوئی۔اور اس مکان میں ہر روزہر وقت فجر سے شام تک محتاجوں اور بے کسوں کے تئیں روپے اشرفیاں دینا۔ اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا۔ میں اسے مالامال کرتا۔

غرض چالیسوں دروازے سے حاجتمند آتے۔ اور جو چاہتے سو لیجاتے۔ ایک روز کا یہ ذکر ہے۔کہ ایک فقیر سامنے کے دروازے سے آیا۔ اور سوال کیا۔ میں نے اسے ایک اشرفی دی۔پھر وھی دوسرے دروازے سے ھوکر آیا۔دو اشرفیاں مانگیں۔میں نے پہچان کر درگذر کی اور دیں۔ اسی طرح اسنے ہر ایک دروازے سے آنا اور ایک ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا۔ اور میں بھی جان بوجھکر انجان ھوا۔اور اسکے سوال کے موافق دیا کیا۔ آخر چالیسویں دروازے کی راہ سے آکر چالیس اشرفیاں مانگیں۔ وہ بھی میں نے دلوادیں۔ اتنا کچھ لیکر وہ درویش پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا۔ مجھے بہت برا معلوم ھوا۔ میں نے کہا "سن اے لالچی! تو کیسا فقیر ہے کہ ہرگز فقر کے تینوں حرفوں سے بھی واقف نہیں؟ فقیر کا عمل ان پر چاہئے"۔ فقیر بولا "بھلا داتا! تمھیں بتاؤ"۔ میں نے کہا "ف سے فاقہ۔ ق سے قناعت۔ ر سے ریاضت نکلتی ہے۔ جسمیں یے باتیں نہ ھوں وہ فقیر نہیں۔ اتنا جو تجھے ملا ہے اسکو کھا پی کر پھر آئیو اور جو مانگیگا لیجائیو۔ یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے۔ نہ جمع کرنے کے لئے۔ اے حریص! چالیس دروازوں سے تونے ایک اشرفی سے چالیس اشرفیوں تک لیں۔ اس کا حساب تو کر کہ ریوڑی کے پھیر کی طرح کتنی اشرفیاں ھوئیں۔ اور اسپر بھی تجھے حرص، پھر پہلے دروازے سے لے آئی۔ اتنا مال جمع کرکر کیا کریگا؟ فقیر کو چاہئے کہ ایک روز کی فکر کرے۔ دوسرے دن پھر نئی روزی رزاق دینے والا موجود ہے۔ اب حیا و شرم پکڑ۔اور صبر و قناعت کو کام فرما۔ یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی ہے؟"

یہ میری بات سنکر خفا اور بد دماغ ہوا۔اور جتنا مجھسے لیکر جمع کیا تھا۔ سب زمین پر ڈال دیا اور بولا۔ ''بس بابا! اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لیکر رکھ چھوڑو۔ پھر سخاوت کا نام نہ لیجو۔ سخی ہونا بہت مشکل ہے۔ تم سخاوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے ۔ اس منزل کو کب پہنچو گے؟ ابھی دلی دور ہے ۔ سخی کے بھی تین حرف ہیں ۔ پہلے ان پر عمل کرو ۔ تب سخی کہلاؤ'' ۔ تب تو میں ڈرا اور کہا۔''بھلا دانا! اسکے معنی مجھے سمجھاؤ'' ۔ کہنے لگا۔ ''س سے سماں۔ اور خ سے خوف الٰہی۔ اور ی سے یاد رکھنااپنی پیدائش اور مرنے کو ۔ جب تلک اتنا نہ ہولے تو سخاوت کا نام نہ لے۔ اور سخی کا یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو۔تو بھی دوست خدا کا ہے۔ اس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے۔ لیکن سوائے بصرے کے پادشاہزادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا ۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے ۔ اور سب نام چاہتے ہیں پر ویسا کام نہیں کرتے'' ۔ یہ سنکر میں نے بہت منت کی ۔ اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر معاف کرو اور جو چاہئے سو لو۔ میرا دیا ہرگز نہ لیا۔ اور یہ بات کہتا ہوا چلا۔ ''اب اگر اپنی ساری پادشاہت مجھے دے تو اسپر بھی نہ تھوکوں۔ اور نہ دھار* ماروں'' ۔ وہ تو چلا گیا پر بصرے کی پادشاہزادی کی یہ تعریف سننے سے دل بیکل ہوا' کسی طرح کل نہ تھی ۔ اب یہ آرزو ہوئی کہ کسو صورت سے بصرے چلکر اسکو دیکھا چاہئے—

اس عرصے میں بادشاہ نے وفات پائی ۔ اور تخت پر میں بیٹھا۔ سلطنت ملی پر وہ خیال نہ گیا ۔ وزیر اور امیروں سے (جو پائے

* ڈنکن کے یہاں دھر ہے—

تخت سلطنت کے اور ارکان مملکت کے تھے) مشورت کی کہ سفر بصرے کا کیا چاھتا ھوں۔ تم اپنے کام میں مستعد رھو۔اگر زندگی ھے تو سفر کی عمر کوتاہ ھوتی ھے۔ جلد پھر آتا ھوں۔ کوئی میرے جانے پر راضی نہ ھوا۔ لاچار دل تو اداس ھو رھا تھا۔ ایک دن بغیر سب کے کہے سنے، چپکے وزیر با تدبیر کو بلا کر مختار اور وکیل مطلق اپنا کیا۔ اور سلطنت کا مدارالمہام بنایا۔ پھر میں نے گیروا بستر پہن فقیری بھیس کر۔ اکیلے راہ بصرے کی لی۔ تھوڑے دنوں میں اس کی سرحد میں جا پہنچا۔ تب سے یہ تماشا دیکھنے لگا۔ کہ جہاں رات کو جاکر مقام کرتا۔ نوکر چاکر اسی ملکہ کے استقبال کرکر ایک مکان معقول میں اتارتے۔ اور جتنا لوازمہ ضیافت کا ھوتا ھے، بخوبی موجود کرتے۔ اور خدمت میں دست بستہ تمام رات حاضر رھتے۔ دوسرے دن دوسری منزل میں یہی صورت پیش آتی۔ اس آرام سے مہینوں کی راہ طے کی۔ آخر بصرے میں داخل ھوا۔ وونھیں ایک جوان شکیل خوش لباس نیک خو صاحب مروت (کہ دانائی اسکے قیافے سے ظاھر تھی) میرے پاس آیا اور نیٹ شیریں زبانی سے کہنے لگا۔ کہ ”میں فقیروں کا خادم ھوں۔ ھمیشہ اسی تلاش میں رھتا ھوں کہ جو کوئی مسافر فقیر یا دنیادار اس شہر میں آوے۔ میرے گھر میں قدم رنجہ فرماوے۔ سوائے ایک مکان کے یہاں اور بدیسی کے رھنے کی جگہ نہیں ھے۔ آپ تشریف لے چلئے اور اس مقام کو زینت بخشئے اور مجھے سرفراز کیجئیے۔“

فقیر نے پوچھا۔ ”صاحب کا اسم شریف کیا ھے؟“ بولا ”اس گمنام کا نام بیدار بخت کہتے ھیں“۔ اسکی خوبی اور تملق دیکھکر یہ عاجز اسکے ساتھ چلا۔ اور اسکے مکان میں گیا۔ دیکھا تو ایک

عمارت عالی لوازم شاہانہ سے تیار ھے۔ ایک دالان میں اس نے
لیجا کر بٹھایا اور گرم پانی منگوا کر ھاتھ پاؤں دھلوائے۔ اور
دستر خوان بچھوا کر مجھ تن تنہا کے روبرو بکاول نے ایک تورے کا
تورا چن دیا۔ چار مشقاب۔ ایک میں یخنی پلاؤ دوسری میں قورما
پلاؤ تیسری میں متنجن پلاؤ اور چوتھی میں کوکو پلاؤ۔ اور
ایک قاب زردے کی اور کئی طرح کے قلئے۔ دوپیازہ۔ نرگسی۔ بادامی۔
روغن جوش۔ اور روٹیاں کئی قسم کی۔ باقرخانی، تنکی، شیرمال،
گاؤدیدہ، گاؤزبان، نان نعمت، پراٹھے۔ اور کباب کوفتے کے، تکے کے،
مرغ کے، خاگینہ، ملغوبہ، سبدیگ، دم پخت، حلیم، ھریسا، سموسے
ورق، قبولی، فیرنی، شیر برنج، ملائی، حلوہ، فالودہ، پن بھتا، نمش،
آبشورہ، ساق عروس، لوزیات، مربا، اچاردان، دھی کی قلفیاں۔ یے
نعمتیں دیکھکر روح بھر گئی۔ جب ایک ایک نوالا ھر ایک سے لیا
پیٹ بھی بھر گیا۔ تب ھاتھ کھانے سے کھینچا۔

وہ شخص مجوز ھوا کہ ''صاحب نے کیا کھایا؟ کھانا تو سب
امانت دھرا ھے۔ بے تکلف اور نوش جان فرمائیے''۔ میں نے کہا
''کھانے میں شرم کیا ھے؟ خدا تمھارا خانہ آباد رکھے۔ جو کچھ
میرے پیٹ میں سمایا سو میں نے کھایا۔ اور ذائقے کی اسکے کیا
تعریف کروں! کہ اب تک زبان چاٹتا ھوں۔ اور جو ڈکار آتی ھے
سو معطر۔ لو اب مزید کرو''۔ جب دستر خوان اٹھا زیر انداز، کاشانی
مخمل کا مقیشی بچھا کر چلمچی، آفتابۂ طلائی لا کر بیسن دان میں
سے خوشبو بیسن دیکر گرم پانی سے میرے ھاتھ دھلائے۔ پھر
پاندان جڑاؤ میں گلوریاں سونے کی پکھروٹوں میں بندھی ھوئیں،
اور چوگھروں میں کھلوریاں اور چکنی سپیاریاں اور لونگ الائچیاں

روپے کے ورقوں میں مڑھی ہوئیں، لا کر رکھیں ۔ جب میں پانی پینے کو مانگتا تب صراحی برف میں لگی ہوئی آبدار لے آتا ۔ جب شام ہوئی ۔ فانوسوں میں کافوری شمعیں روشن ہوئیں ۔ وہ عزیز بیٹھا ہوا باتیں کرتا رہا۔ جب پہر رات گئی۔ بولا ''اب اس چھپر کھٹ میں (کہ جسکے آگے دلدا پیش گیر کھڑا ھے) آرام کیجئیے۔'' فقیر نے کہا ''اے صاحب! ہم فقیروں کو ایک بوریا یا مرگ چھالا بستر کے لئے بہت ھے۔یہ خدا نے تم دنیا داروں کے واسطے بنایا ھے''۔

کہنے لگا۔''یہ سب اسباب درویشوں کی خاطر ھے۔ کچھ میرا مال نہیں۔'' اسکے بجد ہونے سے ان بچھونوں پر (کہ پھولوں کی سیج سے بھی نرم تھے) جا کر لیٹا ۔ دونوں پٹیوں کی طرف گلدان اور چنگیریں پھولوں کی چنی ہوئیں۔ اور عود سوز اور لخلخے روشن تھے۔ جیدھر کی کروٹ لیتا ۔ دماغ معطر ہوجاتا ۔ اس عالم میں سو رہا ۔ جب صبح ہوئی ناشتے کو بھی بادام، پستے، انگور، انجیر، ناشپاتی، انار، کشمش، چھہارے اور میوے کا شربت لا حاضر کیا ۔ اسی طور سے تین دن رات رہا۔ چوتھے روز میں نے رخصت مانگی ۔ ھاتھ جوڑ کر کہنے لگا ۔ ''شاید اس گنہگار سے صاحب کی خدمتگاری میں کچھ قصور ہوا کہ جسکے باعث مزاج تمھارا مکدر ہوا!'' میں نے حیران ہو کر کہا۔ ''برائے خدا یہ کیا مذکور ھے؟ لیکن مہمانی کی شرط تین دن تلک ھے۔ سو میں رہا۔ زیادہ رہنا خوب نہیں۔ اور علاوہ یہ فقیر واسطے سیر کے نکلا ھے۔ اگر ایک ھی جگہ رہ جاوے تو مناسب نہیں ۔ اسلئے اجازت چاھتا ھے۔ نہیں تو تمھاری خوبیاں ایسی نہیں کہ جدا ہونے کو جی چاھے''۔

تب وہ بولا ''جیسی مرضی - لیکن ایک ساعت توقف کیجئیے کہ بادشاہزادی کے حضور میں جاکر عرض کروں۔ اور جو تم جایا چاہتے ہو۔ تو جو کچھ اسباب اوڑھنے بچھانے کا اور کھانے کے باسن روپے سونے کے اور جڑاؤ کے اس مہمان خانے میں ہیں یہ سب تمھارا مال ہے۔ اسکے ساتھ لیجانے کی خاطر جو فرماؤ تدبیر کی جائے -'' میں نے کہا۔ ''لاحول پڑھو۔ ہم فقیر نہ ہوئے، بھاٹ ہوئے۔ اگر یہی حرص دل میں ہوتی تو فقیر کاہے کو ہوتے - دنیاداری کیا بری تھی؟'' اس عزیز نے کہا ''اگر یہ احوال ملکہ سنے تو خدا جانے مجھے اس خدمت سے تغیر کرکر کیا سلوک کرے - اگر تمھیں ایسی ہی بے پروائی ہے تو ان سب کو ایک کوٹھری میں امانت بند کرکر دروازے کو سر بہ مہر کردو۔ پھر جو چاہو سو کیجیو''۔

میں نہ قبول کرتا تھا۔اور وہ بھی نہ مانتا تھا۔لاچار یہی صلاح ٹھہری کہ سب اسباب کو بند کرکر قفل کردیا۔ اور منتظر رخصت کا ہوا - اتنے میں ایک خواجہ سرا معتبر سر بر سر پیچ اور گوشن پیچ اور کمر میں بندی باندھے۔ایک عصا سونے کا جڑاؤ ہاتھ میں اور ساتھ اسکے کئی خدمتگار، معقول عہدے لئے ہوئے اس شان و شوکت سے میرے نزدیک آیا - ایسی ایسی مہربانگی اور ملایمت سے گفتگو کرنے لگا کہ جسکا بیان نہیں کرسکتا۔ پھر بولا کہ ''اے میاں! اگر توجہ اور کرم کرکر اس مشتاق کے غریب خانے کو اپنے قدم کی برکت سے رونق بخشو۔ تو بندہ‌نوازی اور غریب پروری سے بعید نہیں —

شاید شہزادی سنے کہ کوئی مسافر یہاں آیا تھا۔ اسکی تواضع مدارات کسو نے نہ کی - وہ یونہیں چلا گیا۔ اس واسطے واللہ‌اعلم

مجھ پر کیا آفت لاوے اور کیسی قیامت اٹھاوے۔ بلکہ حرف زندگی پر ہے۔" میں نے ان باتوں کو نہ مانا۔ تب خواہ مخواہ منتیں کرکے میرے تئیں اور ایک حویلی میں (کہ پہلے مکان سے بہتر تھی) لے گیا۔ اسی پہلے میزبان کی مانند تین دن رات دونوں وقت ویسے ہی کھانے۔ اور صبح اور تیسرے پہر شربت۔ اور نقل کی خاطر میوے کھلائے۔ اور باسن نقرئی و طلائی اور فرش فروش اور اسباب جو کچھ وہاں تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ "ان سب کے تم مالک مختار ہو۔ جو چاہو سو کرو"۔

میں یہ باتیں سنکر حیران ہوا۔ اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح یہاں سے رخصت ہو کر بھاگوں۔ میرے بشرے کو دیکھکر وہ محلی بولا۔ "اے خدا کے بندے! جو تیرا مطلب یا آرزو ہو سو مجھ سے کہہ۔ تو حضور میں ملکہ کے جا کر عرض کروں۔" میں نے کہا۔ "میں فقیری کے لباس میں دنیا کا مال کیا مانگوں کہ تم بغیر مانگے دیتے ہو۔ اور میں انکار کرتا ہوں؟" تب وہ کہنے لگا کہ "حرص دنیا کی کسی جی سے نہیں گئی۔ چنانچہ کسو کب نے یہ کبت کہا ہے

नख बिन कटा देखे, सीस भारी जटा देखे, जोगी कन फटा देखे, छार लाये तन में,
मौनी अनबोल देखे, सेवड़ा सिर छोल देखे, करत कलोल देखे बन खंडी बन में,
बीर देखे, सूर देखे, सब गुनी और क्रूर देखे, माया के पूर देखे, भूल रहे धन में,
आदि अंत सुखी देखे, जनम ही के दुखी देखे, पर वे न देखे, जिनके लोभ नाहिं मन में.

نکھ بن کٹا دیکھے، سیس بھاری جٹا دیکھے
جوگی کن پھٹا دیکھے، چھار لائے تن میں

مَوُتی انمول دیکھے ، سیوڑا سر چھول دیکھے
کرت کلول دیکھے بَن کھنڈی بَن میں
بِیر دیکھے سَور دیکھے ۔ سب گُنی اور کُوڑ دیکھے
مایا کے پُور دیکھے ۔ بھول رہے دَھن میں
ادی انت سُکھی دیکھے، جنم ہی کے دُکھی دیکھے
پر وے نہ دیکھے جنکے لوبھ ناھیں من میں

میں نے یہ سنکر جواب دیا کہ ”یہ سچ ہے۔ پر میں کچھ نہیں چاھتا۔ اگر فرماؤ تو ایک رقعہ سر بہ مہر اپنے مطلب کا لکھ کر دوں۔ جو حضور ملکہ کے پہنچادو۔ تو بڑی مہربانی ہے۔ گویا تمام دنیا کا مال مجھکو دیا ۔“ بولا ”بسروچشم۔ کیا مضائقہ۔“ میں نے ایک رقعہ لکھا۔ پہلے شکر خدا کا ۔ پھر احوال کہ یہ بندہ خدا کا کئی روز سے اس شہر میں وارد ہے۔ اور سرکار سے سب طرح کی خبر گیری ہوتی ہے۔ جیسی خوبیاں اور نیکنامیاں ملکہ کی سنکر اشتیاق دیکھنے کا ہوا تھا۔ اس سے چار چند پایا ۔ اب حضور کے ارکان دولت یوں کہتے ہیں۔ کہ جو مطلب اور تمنا تیری ہو سو ظاھر کر ۔ اس واسطے بے حجابانہ جو دل کی آرزو ہے سو عرض کرتا ہوں۔ کہ میں دنیا کے مال کا محتاج نہیں۔ اپنے ملک کا میں بھی پادشاہ ہوں ۔ فقط یہاں تلک آنا اور محنت اٹھانا آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہوا۔ جو تن تنہا اس صورت سے آپہنچا ہوں ۔ اب امید ہے کہ حضور کی توجہ سے یہ خاک نشین مطلب دلی کو پہنچے تو لایق ہے۔ آگے جو مرضیٔ مبارک ۔ لیکن اگر یہ التماس خاکسار کا قبول نہ ہوگا۔ تو اسی طرح خاک چھانتا پھریگا۔ اور اس

جان بیقرار کو آپ کے عشق میں نثار کریگا۔ مجنوں اور فرہاد کے مانند جنگل میں یا پہاڑ پر سر رہے گا۔

یہی مدعا لکھکر اس خوجے کو دیا۔ اس نے بادشاہزادی تلک پہنچایا۔ بعد ایک دم کے پھر آیا اور میرے تئیں بلایا اور اپنے ساتھ محل کی ڈیوڑھی پر لیگیا۔ وھاں جاکر دیکھا تو ایک بوڑھی سی عورت صاحب لیاقت سنہری کرسی پر گہنا پاتا پہنے ہوئے بیٹھی ھے۔اور کئی خوجے خدمتگار تکلف کے لباس پہنے ہوئے ھاتھ باندھے سامنے کھڑے ھیں۔ میں اسے مختار کار، جان کر اور دیرینہ سمجھکر دست بسر ھوا۔ اس ماما نے بہت مہربانی سے سلام کیا اور حکم کیا کہ ”آؤ بیٹھو خوب ھوا تم آئے۔ تمھیں نے ملکہ کے اشتیاق کا رقعہ لکھا تھا؟“ میں شرم کھاکر چپ ھو رھا اور سر نیچا کر کے بیٹھا۔

ایک ساعت کے بعد بولی کہ ”اے جوان! پادشاہ زادی نے سلام کہا ھے اور فرمایا ھے کہ مجھکو خاوند کرنے سے عیب نہیں۔ تم نے میری درخواست کی۔ لیکن اپنی بادشاھت کا بیان کرنا اور اس فقیری میں اپنے تئیں پادشاہ سمجھنا اور اس کا غرور کرنا نپٹ بیجا ھے۔ اس واسطے کہ سب آدمی آپس میں فی الحقیقت ایک ھیں لیکن فضیلت دین اسلام کی البتہ ھے۔ اور میں بھی ایک مدت سے شادی کرنے کی آرزو مند ھوں اور جیسے تم دولت دنیا سے بے پروا ھو۔ میرے تئیں بھی حق تعالی نے اتنا مال دیا ھے کہ جسکا کچھ حساب نہیں۔ پر ایک شرط ھے کہ پہلے مہر ادا کر لو۔اور مہر شہزادی کا ایک بات ھے جو تم سے ھوسکے“۔ میں نے کہا۔ ”میں سب طرح حاضر ھوں۔ جان و مال سے دریغ نہیں

کرنے کا۔ وہ بات کیا ہے؟ کہو تو میں سنوں"۔ تب اسنے کہا۔"آج کے دن رہ جاؤ۔ کل تمھیں کہہ دونگی"۔ میں نے خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہو کر باھر آیا۔

دن تو گذرا۔ جب شام ہوئی مجھے ایک خواجہ سرا محل میں بلا کر لیگیا۔ جا کر دیکھا تو اکابر، عالم اور فاضل، صاحب شرع، حاضر ہیں۔ میں بھی اسی جلسے میں جا کر بیٹھا کہ اتنے میں دسترخوان بچھایا گیا۔ اور کھانے اقسام اقسام کے سبریں اور نمکیں چنے گئے۔ وے سب کھانے لگے۔ اور مجھے بھی تواضع کر کر شریک کیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی ایک دائی اندر سے آئی اور بولی کہ "بہروز کہاں ہے؟ اسے بلاؤ"۔ یساولوں نے وونہیں حاضر کیا۔ اس کی صورت بہت مرد آدمی کی سی اور بہت سی کنجیاں روپے سونے کی کمر میں اٹکتی ہوئیں۔ سلام علیک کر کر میرے پاس آ کر بیٹھا۔ وھی دائی کہنے لگی کہ "اے بہروز! تونے جو کچھ دیکھا ہے۔ مفصل اس کا بیان کر"۔

بہروز نے یہ داستان کہنی شروع کی اور مجھسے مخاطب ہو کر بولا۔"اے عزیز! ہماری بادشاھزادی کی سرکار میں ہزاروں غلام ہیں کہ سوداگری کے کام میں متعین ہیں۔ اس میں سے ایک میں بھی ادنا خانہ زاد ہوں۔ ہر ایک ملک کی طرف لاکھوں روپے کا اسباب اور جنس دیکر رخصت فرماتی ہیں۔ جب وہ وھاں سے پھر آتا ہے تب اس سے اس دیس کا احوال اپنے حضور میں پوچھتی ہیں اور سنتی ہیں۔ ایک بار یہ اتفاق ہوا کہ یہ کمترین تجارت کی خاطر چلا اور شہر نیمروز میں پہنچا۔ وہاں کے باشندوں کو دیکھا تو

سب کا لباس سیاہ ہے۔اور ہر دم نالہ و آہ ہے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر کچھ بڑی مصیبت پڑی ہے۔ اس کا سبب جس سے میں پوچھتا کوئی جواب میرا نہ دیتا۔ اسی حیرت میں کئی روز گذرے۔ ایک دن جونہیں صبح ہوئی۔تمام آدمی چھوٹے بڑے، لڑکے بوڑھے،غریب غنی، شہر کے باہر چلے۔ ایک میدان میں جا کر جمع ہوئے۔اور اس ملک کا پادشاہ بھی سب امیروں کو ساتھ لیکر سوار ہوا۔اور وہاں گیا۔تب سب برابر قطار باندھ کر کھڑے ہوئے۔

میں بھی ان کے درمیان کھڑا تماشا دیکھتا تھا۔پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وے سب کسو کا انتظار کھینچ رہے ہیں۔ ایک گھڑی کے عرصے میں دور سے ایک جوان پریزاد صاحب جمال پندرہ سولہ برس کا سن و سال غل اور شور کرتا ہوا اور کف منہ سے جاری۔ زرد بیل کی سواری۔ ایک ہاتھ میں کچھ لئے مقابل خلق اللہ کے آیا۔ اور اپنے بیل پر سے اترا۔ ایک ہاتھ میں ناتھ اور ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لیکر دو زانو بیٹھا۔ ایک گل اندام، پری چہرہ اسکے ہمراہ تھا۔اسکو اس جوان نے وہ چیز جو ہاتھ میں تھی دی۔ وہ یتیم لیکر ایک سرے سے ہر ایک کو دکھاتا جاتا تھا۔ لیکن یہ حالت تھی کہ جو کوئی دیکھتا تھا۔بے اختیار داڑھ* مار کر روتا تھا۔ اسی طرح سب کو دکھاتا اور رلاتا ہوا سب کے سامنے سے ہو کر اپنے خاوند کے پاس پھر گیا۔

اسکے جاتے ہی وہ جوان اٹھا اور اس غلام کا سر شمشیر سے کاٹ کر اورسوار ہو کر جیدھر سے آیا تھا اودھر کو چلا۔ سب کھڑے

*داڑھ، ڈاڑھ، اور دھاڑ میں اتفاق لغات کا دھاڑ مار کر رونے پر ہے۔

دیکھا کئیے - جب نظروں سے غائب ہوا لوگ شہر کی طرف پھرے۔ میں ہر ایک سے اس ماجرے کی حقیقت پوچھتا تھا - بلکہ روپیوں کا لالچ دیتا اور خوشامد منت کرتا کہ مجھے ذرا بتادو کہ یہ جوان کون ہے؟ اور اس نے یہ کیا حرکت کی۔اور کہاں سے آیا۔اور کہاں گیا؟ ہرگز کسی نے نہ بتلایا اور نہ کچھ میرے خیال میں آیا - یہ تعجب دیکھکر جب میں یہاں آیا اور ملکہ کے روبرو اظہار کیا تب سے پادشاہزادی بھی حیران ہو رہی ہے۔ اور اس کی تحقیق کرنے کی خاطر دو دلی ہورھی ہے - لھذا مہر اپنا یہی مقرر کیا ہے۔ کہ جو شخص اس عجوبے کی کماحقہ خبر لاوے - اس کو پسند فرماوے اور وھی مالک سارے مال کا اور ملکہ کا ہووے۔

یہ ماجرا تم نے سب سنا - اپنے دل میں غور کرو۔ اگر تم اس جوان کی خبر لا سکو تو قصد ملک نیم روز کا کرو اور جلد روانہ ھو - نہیں تو انکار کرکر اپنے گھر کی راہ لو۔'' میں نے جواب دیا کہ ''اگر خدا چاہے تو جلد اس کا احوال سر سے پاؤں تک دریافت کرکر پادشاہزادی کے پاس آ پہنچتا ہوں اور کامیاب ہوتا ہوں۔ اور جو میری قسمت بد ہے تو اسکا کچھ علاج نہیں۔ لیکن ملکہ اس قول کا قرار کریں کہ اپنے کہنے سے نہ پھریں۔ اور بالفعل ایک اندیشہ مشکل میرے دل میں خلش کر رہا ہے۔ اگر ملکہ غریب نوازی اور مسافر پروری سے حضور میں بلاویں اور پردے کے باھر بٹھلاویں اور میرا التماس اپنے کانوں سنیں اور اس کا جواب اپنی زبان سے فرماویں۔تو میری خاطر جمع ھو اور مجھ سے سب کچھ ھوسکے۔'' یہ میرے مطلب کی بات اس ماما نے روبرو اس پری پیکر کے عرض کی۔بارے قدر دانی کی راہ سے حکم کیا کہ انہیں بلالو۔

دائی پھر باہر آئی اور مجھے اپنے ساتھ جس محل میں بادشاہزادی تھی لیگئی - کیا دیکھتا ہوں کہ دو رویہ صف باندھے دست بستہ سہیلیاں اور خواصیں اور آردابیگنیاں، قلماقنیاں، ترکنیاں، حبشنیاں، اذبکنیاں، کشمیرنیاں جواہر میں جڑی عہدے لئے کھڑی ہیں۔ اندر کا اکھاڑا کہوں یا پریوں کا اتارا؟ بے اختیار ایک آہ بیخودی سے زبان تک آئی اور کلیجہ تھلکنے لگا پر بزور اپنے تئیں تھانبا۔ ان کو دیکھتا بھالتا اور سیر کرتا ہوا آگے چلا۔لیکن پانؤ سو سو من کے ہوگئے - جسکو دیکھوں پھر یہ نہ جی چاہے کہ آگے جاؤں۔ ایک طرف چلون پڑی تھی اور مونڈھا جڑاؤ بچھوا رکھا تھا۔اور چوکی بھی صندل کی بچھی تھی - دائی نے مجھے بیٹھنے کی اشارت کی۔ میں مونڈھے پر بیٹھ گیا اور وہ چوکی پر۔ کہنے لگی۔"لو اب جو کہنا ہے سو جی بھر کر کہو"۔

میں نے ملکہ کی خوبیوں کی اور عدل و انصاف داد دہش کی پہلے تعریف کی - پھر کہنے لگا - "جب سے میں اس ملک کی سرحد میں آیا۔ہر ایک منزل میں یہی دیکھا کہ جابجا مسافر خانے اور عمارتیں عالی بنی ہوئی ہیں۔اور آدمی ہر ایک عہدے کے تعینات ہیں کہ خبر گیری مسافروں اور محتاجوں کی کرتے ہیں۔مجھے بھی تین تین دن ہر ایک مقام میں گذرے - چوتھے روز جب رخصت ہونے لگا تب بھی کسو نے خوشی سے نہ کہا کہ جاؤ۔اور جتنا اسباب اس مکان میں تھا شطرنجی - چاندنی۔ قالینیں۔ سیتل پاٹی۔ منگل کوٹی - دیوار گیری - چھت پردے - چلونیں۔ سائبان - نمگیرے۔ چھپر کھٹ معہ غلاف - آدقچہ توشک - بالاپوش - سیج بند - چادر۔ تکئے۔ تکینی - گل تکئے - مسند - گاؤ تکیہ۔ دیگ۔ دیگچے۔

پتیلے۔ طباق ۔ رکابی۔ بادیئے۔ تشتری ۔ چمچے ۔ بکاولی۔ کفگیر۔ طعام بخش۔ سرپوش۔ سینی ۔ خوان پوش۔ تورہ پوش۔ آبخورے۔ بجھرے۔ صراحی۔ لگن۔ پاندان۔ چوگھرے۔ چنگیر۔ گلاب پاش۔ عودسوز۔ آفتابہ۔ چلمچی سب میرے حوالے کئے۔کہ یہ تمھارا مال ہے۔ چاھو اب لیجاؤ۔نہیں تو ایک کوٹھری میں بندکرکر اپنی مہر کرو۔ جب تمھاری خوشی ہوگی بھرتے ہوئے لئے جائیو۔ میں نے یوں ھی کیا۔پر یہ حیرت ہے کہ جب مجھ سے فقیر، تنہا سے، یہ سلوک ھوا۔تو ایسے غریب ہزاروں تمھارے ملکوں میں آتے جاتے ہونگے۔ بس اگر ہر ایک سے بھی مہانداری کا طور رہنا ہوگا۔تو مبلغ بے حساب خرچ ہوتے ہونگے ۔ پس اتنی دولت کہ جسکا یہ صرف ہے کہاں سے آئی اور کیسی ہے؟ اگر گنج قارون ہو تو بھی وفا نہ کرے۔اور ظاہر میں اگر ملکہ کی سلطنت پر نگاہ کیجئے تو اسکی آمد فقط باورچی خانے کے خرچ کو بھی کفایت نہ کرتی ہوگی۔اور خرچوں کا تو کیا ذکر ہے ۔ اگر اسکا بیان ملکہ کی زبان سے سنوں۔تو خاطر جمع ہو، قصد ملک نیمروز کا کروں۔ اور جوں توں وھاں جا پہنچوں ۔ پھر سب احوال دریافت کرکے ملکہ کی خدمت میں بشرط زندگی بار دگر حاضر ہوں۔اپنے دل کی مراد پاؤں''۔

یہ سنکر ملکہ نے اپنی زبان سے کہا کہ ''اے جوان! اگر تجھے آرزو کمال ہے کہ یہ ماھیت دریافت کرے۔تو آج کے دن بھی مقام کر۔شام کو تجھے حضور میں طلب کرکر جو کچھ احوال اس دولت بے زوال کا ہے بے کم و کاست کہا جائیگا۔'' میں یہ تسلی پاکر اپنی استقامت کے مکان پر آکر منتظر تھا کہ کب شام ہو

جو میرا مطلب تمام ہو۔ اتنے میں خواجہ سرا کئی چوگوشے، تورہ پوش پڑے، بھوئیوں کےسر پر دھرے، آکر موجود ہوا اور بولا کہ ''حضور سے آلش خاص عنایت ہوا ہے۔اسکو تناول کرو۔'' جس وقت میرے سامنے کھولے۔ بوباس سے دماغ معطر ہوا اور روح بھر گئی۔ جتنا کھا سکا کھا لیا۔باقی ان سبھوں کو اٹھا دیا اور شکر نعمت کہہ بھیجا۔ بارے جب آفتاب تمام دن کا مسافر تھکا ہوا گرتا پڑتا اپنے محل میں داخل ہوا۔ اور ماھتاب دیوان خانے میں اپنے مصاحبوں کو ساتھ لیکر نکل بیٹھا۔ اسوقت دائی آئی۔ اور مجھ سے کہنے لگی کہ ''چلو بادشاھزادی نے یاد فرمایا ہے''۔

میں اسکے ھمراہ ہو لیا۔ خلوت خاص میں لیگئی۔روشنی کا یہ عالم تھا کہ شب قدر کو وھاں قدر نہ تھی۔اور پادشاھی فرش پر مسند مغرق بچھی۔مرصع کا تکیہ لگا ہوا اور اس پر ایک شمیانہ موتیوں کی جھالر کا جڑاؤ استادوں پر کھڑا ہوا۔اور سامنے مسند کے جواھر کے درخت پھول پات لگے ہوئے (گویا چمن مین قدرتی ہیں) سونے کی کیاریوں میں جمے ہوئے۔اور دونوں طرف دست راست اور دست چپ شاگرد پیشے اور مجرائی دست بستہ باادب آنکھیں نیچی کئے ہوئے حاضر تھے۔اور طوائف اور گائنیں سازوں کے سر بنائے منتظر۔ یہ سماں اور یہ تیاری کر و فر کی، دیکھکر عقل ٹھکانے نہ رھی۔ دائی سے پوچھا کہ ''دن کو وہ زیبائش اور رات کو یہ آرایش کہ دن عید اور رات شب برات کہا چاھئے۔بلکہ دنیا میں بادشاہ ھفت اقلیم کو یہ عیش میسر نہ ھوگا۔ ھمیشہ یہی صورت رھتی ہے؟'' دائی کہنے لگی کہ ''ھماری ملکہ کا جتنا کارخانہ تم نے دیکھا۔ یہ سب اسی دستور سے جاری ھیں۔ اس میں ھرگز

خلل نہیں بلکہ افزوں ہے۔ تم یہاں بیٹھو۔ملکہ دوسرے مکان میں تشریف رکھتی ہیں۔ جا کر خبر کروں"۔

دائی یہ کہکر گئی۔اور انہیں پاؤں پھر آئی۔کہ چلو حضور میں۔ بہ مجرد اس مکان میں جاتے ہی بھیچک رہ گیا۔نہ معلوم ہوا کہ دروازہ کہاں اور دیوار کدھر ہے۔اس واسطے کہ حلبی آئینے قد آدم چاروں طرف لگے۔اور ان کی پردازوں میں ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ ایک کا عکس ایک میں نظر آتا۔تو یہ معلوم ہوتا کہ جواہر کا سارا مکان ہے۔ ایک طرف پردہ پڑا تھا۔ اسکے پیچھے ملکہ بیٹھیں تھیں۔ وہ دائی پردے سے لگ کر بیٹھی اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا۔ تب دائی ملکہ کے فرمانے سے اس طور بیان کرنے لگی کہ "سن اے جوان دانا! سلطان اس اقلیم کا بڑا پادشاہ تھا۔ان کے گھر میں سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک روز پادشاہ نے جشن فرمایا۔یے ساتوں لڑکیاں سولہ سنگار، بارہ ابھرن، بال بال گج موتی پرو کر بادشاہ کے حضور کھڑی تھیں۔ سلطان کے کچھ جی میں آیا۔تو بیٹیوں کی طرف دیکھکر فرمایا۔"اگر تمھارا باپ بادشاہ نہ ہوتا اور کسی غریب کے گھر تم پیدا ہوتیں۔ تو تمھیں پادشاہزادی اور ملکہ کون کہتا؟ خدا کا شکر کرو کہ شہزادیاں کہلاتی ہو۔ تمھاری یہ ساری خوبی میرے دم سے ہے"۔

چھ لڑکیاں ایک زبان ہوکر بولیں کہ "جہاں پناہ جو فرماتے ہیں بجا ہے۔ اور آپ ہی کی سلامتی سے ہماری بھلائی ہے۔" لیکن یہ ملکہ جہاں سب بہنوں سے چھوٹی تھیں۔پر عقل و شعور میں اس عمر میں بھی گویا سب سے بڑی تھیں۔ چپکی کھڑی

رهیں۔ اس گفتگو میں بهنوں کی شریک نه هوئیں۔ اس واسطے که یه کلمه کفر کا هے۔ پادشاه نے نظر غضب سے ان کی طرف دیکها اور کہا۔ ''کیوں بی بی! تم کچھ نه بولیں۔اس کا کیا باعث هے؟ تب ملکه نے دونوں هاته اپنے رومال سے باندھ کر عرض کی که ''اگر جان کی امان پاؤں اور تقصیر معاف هو تو یه لونڈی اپنے دل کی بات گذارش کرے۔'' حکم هوا که ''کہہ۔کیا کہتی هے؟'' تب ملکه نے کہا که ''قبلهٔ عالم! آپ نے سنا هے که سچی بات کڑوی لگتی هے۔ سو اسوقت میں اپنی زندگی سے هاته دهو کر عرض کرتی هوں۔ اور جو کچھ میری قسمت میں لکهنے والے نے لکها هے۔ اسکا مٹانے والا کوئی نهیں۔ کسو طرح نهیں ٹلنے کا۔

خواه تم پاؤں گھسو یا که رکھو سر به سجود
بات پیشانی کی جو کچھ هے سو پیش آتی هے

جس بادشاه علی الاطلاق نے آپ کو بادشاه بنایا۔انهیں نے مجهے بهی پادشاهزادی کہلوایا۔ اسکی قدرت کے کارخانے میں کسو کا اختیار نهیں چلتا۔ آپ کی ذات هماری ولیٔ نعمت اور قبله و کعبه هے۔ حضرت کے قدم مبارک کی خاک کو اگر سرمه کروں تو بجا هے۔ مگر نصیب هر ایک کے ساته هیں۔'' پادشاه یه سنکر طیش میں آئے اور یه جواب دل پر سخت گراں معلوم هوا۔بیزار هوکر فرمایا۔ ''چهوٹا منه بڑی بات۔ اب اسکی یهی سزا هے که گهنا پاتا جو کچھ اسکے هاته گلے میں هے اتار لو۔ اور ایک میانے میں چڑها کر ایسے جنگل میں که جهاں نام و نشان آدمی، آدم زاد کا نه هو۔ پهینک آؤ۔ دیکهیں اسکے نصیبوں میں کیا لکها هے''۔

سیر دوسرے درویش کی

بموجب حکم پادشاہ کے اس آدھی رات میں کہ (عین اندھیری تھی) ملکہ کو (جو جونرے بھونرے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی) بھوئی لیجا کر ایک میدان میں (کہ وہاں پرندہ پر نہ مارتا۔ انسان کا تو کیا ذکر ہے) چھوڑ کر چلے آئے۔ ملکہ کے دل پر عجب حالت گذرتی تھی کہ ایکدم میں کیا تھا اور کیا ہوگیا؟ پھر اپنے خدا کی جناب میں شکر کرتیں اور کہتیں۔ ”تو ایسا ہی بے نیاز ہے جو چاہا سو کیا۔ اور جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور جو چاہیگا سو کریگا۔ جب تلک نتھنوں میں دم ہے تجھسے ناامید نہیں ہوتی۔“ اسی اندیشے میں آنکھ لگ گئی۔ جس وقت صبح ہونے لگی۔ ملکہ کی آنکھ کھل گئی۔ پکاریں کہ وضو کو پانی لانا۔ پھر ایکبارگی رات کی بات چیت یاد آئی کہ تو کہاں اور یہ بات کہاں؟ یہ کہکر اٹھکر تیمم کیا۔ اور دوگانہ شکر کا پڑھا۔ اے عزیز! ملکہ کی اس حالت کے سننے سے چھاتی پھٹتی ہے۔ اس بھولے بھالے جی سے پوچھا جاہئے کہ کیا کہتا ہوگا۔

غرض اس میانے میں بیٹھی ہوئی خدا سے لو لگائے رہیں تھیں۔ اور یہ کبت اس دم پڑھتی تھیں —

जब दांत न थे तब दूध दियो, जब दांत दिये कहा अन्न न दै है
जो जल में थल में पंछी पशु की सुध लेत, सो तेरी भी लै है.
काहेको सोच करे, मन मूरख सोच करे, कछु हाथ न आय है.
जान को देत, अजान को देत, जहान को देत, सो तोको भी दै है

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیئے،
جب دانت دیئے کہو ان نہ دے ہے

سیر دوسرے درویش کی

جو جل میں تھل میں پنچھی پشو کی
سدھ لیت، سو تیری بھی لے ہے

کاہے کو سوچ کرے، من مورکھ
سوچ کرے کچھ ھاتھ نہ آئے ہے

جان کو دیت، اجان کو دیت، جہان کو دیت،
سو تو کو بھی دے ہے

سچ ہے جب کچھ بن نہیں آتا - تب خدا ھی یاد آتا ہے - نہیں تو اپنی اپنی تدبیر میں ھر ایک لقمان اور بوعلی سینا ہے - اب خدا کے کارخانے کا تماشا سنو - اسی طرح تین دن رات صاف گذر گئے کہ ملکہ کے منھ میں ایک کھیل بھی اڑ کر نہ گئی - وہ پھول سا بدن سوکھکر کانٹا ھوگیا - اور وہ رنگ جو کندن سا دمکتا تھا - ھلدی سا بن گیا - منھ میں پھیپھڑی بندھ گئی - آنکھیں پتھرا گئیں - مگر ایک دم اٹک رھا تھا کہ وہ آتا جاتا تھا - جب تلک سانس تب تلک آس - چوتھے روز صبح کو ایک درویش خضر کی سی صورت نورانی چہرہ، روشن دل آکر پیدا ھوا - ملکہ کو اس حالت میں دیکھکر بولا ”اے بیٹی! اگرچہ تیرا باپ پادشاہ ہے لیکن تیری قسمت میں یہ بھی بدا تھا - اب اس فقیر بوڑھے کو اپنا خادم سمجھ - اور اپنے پیدا کرنے والے کا رات دن دھیان رکھ، خدا خوب کریگا -“ اور فقیر کے کچکول میں جو ٹکڑے بھیک کے موجود تھے - ملکہ کے روبرو رکھے اور پانی کی تلاش میں پھرنے لگا - دیکھے تو ایک کوا تو ہے - پر ڈول رسی کہاں - جس سے پانی بھرے؟ تھوڑے پتے درخت سے توڑ کر دونا بنایا - اور اپنی سیلی کھولکر اس میں باندھ کر نکالا -

اور ملکہ کو کچھ کھلایا پلایا۔ بارے ٹک ہوش آیا۔ اس مرد خدا نے بے کس اور بے بس جان کو بہت سی تسلی دی۔خاطر جمع کی۔ اور آپ بھی رونے لگا۔ ملکہ نے جب غمخواری اور دلداری اسکی بے حد دیکھی۔ تب ان کے بھی مزاج کو استقلال ہوا۔ اس روز سے اس پیر مرد نے یہ مقرر کیا کہ صبح کو بھیک مانگنے کے لئے شہر میں نکل جاتا۔ جو ٹکڑا پارچہ پاتا۔ ملکہ کے پاس لے آتا اور کھلاتا۔

اس طور سے تھوڑے روز گذرے۔ ایک دن ملکہ نے تیل سر میں ڈالنے اور کنگھی چوٹی کرنے کا قصد کیا۔ جونہی مباف کھولا۔ جڑلے میں سے ایک موتی کا دانہ گول آب دار نکل پڑا۔ ملکہ نے اس درویش کو دیا اور کہا۔ "شہر میں سے اسکو بیچ لاؤ۔" وہ فقیر اس گوہر کو بیچ کر اسکی قیمت پادشاہزادی کے پاس لے آیا۔ تب ملکہ نے حکم کیا کہ "ایک مکان موافق گذران کے اس جگہ بنواؤ"۔ فقیر نے کہا "اے بیٹی! نیو دیوار کی کھود کر تھوڑی سی مٹی جمع کرو۔ ایک دن میں پانی لا کر گاڑا* کر کر گھر کی بنیاد درست کر دونگا"۔ ملکہ نے اسکے کہنے سے مٹی کھودنی شروع کی۔ جب ایک گز عمیق گڑھا کھودا گیا۔ زمین کے نیچے سے ایک دروازہ نمود ہوا۔ ملکہ نے اس در کو صاف کیا۔ ایک بڑا گھر جواہر اور اشرفیوں سے معمور نظر آیا۔ ملکہ نے پانچ چار لپ اشرفیوں کی لیکر پھر بند کیا۔ اور مٹی دیکر اوپر سے ہموار کردیا۔ اتنے میں فقیر آیا۔ ملکہ نے فرمایا کہ "راج اور معمار

---

* گارا۔

کاریگر اور اپنے کام کے استاد اور مزدور جلد دست بلاؤ جو اس مکان پر ایک عمارت پادشاہانہ کہ طاق کسریٰ کا جفت ہو۔ اور قصر نعمان سے سبقت لیجائے۔اور شہر پناہ اور قلعہ اور باغ اور باؤلی اور ایک مسافر خانہ کہ لاثانی ہو۔جلد تیار کریں۔لیکن پہلے نقشہ ان کا ایک کاغذ پر درست کرکے حضور میں لاویں جو پسند کیا جائے''۔

فقیر نے ایسے ہی کارکن،کارکردہ، ذی ہوش لا کر حاضر کئے۔ موافق فرمانے کے تعمیر عمارت کی ہونے لگی۔ اور نوکر چاکر ہرایک کارخانجات کی خاطر چن چن کر فہمیدہ اور بادیانت ملازم ہونے لگے۔ اس عمارت عالیشان کی تیاری کی خبر رفتہ رفتہ پادشاہ ظل سبحانی کو (جو قبلہ گاہ ملکہ کے تھے) پہنچی۔ سنکر بہت متعجب ہوئے۔ اور ہر ایک سے پوچھا کہ ''یہ کون شخص ہے جن نے یہ محلات بنانے شروع کئے ہیں؟'' اسکی کیفیت سے کوئی واقف نہ تھا جو عرض کرے۔ سبھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ کوئی غلام نہیں جانتا کہ اس کا بانی کون ہے۔ تب پادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا اور پیغام دیا کہ ''میں ان مکانوں کے دیکھنے کو آیا چاہتا ہوں۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں کی پادشاہزادی ہو اور کس خاندان سے ہو۔ یہ سب کیفیت دریافت کرنی اپنے تئیں منظور ہے''۔

جونہی ملکہ نے یہ خوشخبری سنی۔ دل میں بہت شاد ہوکر عرضی لکھی۔کہ ''جہاں پناہ سلامت! حضور کے تشریف لانے کی خبر طرف غریب خانے کی سنکر نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ اور سبب حرمت اور عزت اس کمترین کا ہوا۔ زہے طالع اس مکان کے! کہ جہاں قدم مبارک کا نشان پڑے۔ اور وہاں کے رہنے والوں پر دامن

دولت سایہ کرے۔ اور نظر توجہ سے وے دونوں سرفراز هوویں۔ یہ لونڈی امیدوار ہے کہ کل روز پنجشنبہ روز مبارک ہے۔ اور میرے نزدیک بہتر روز نوروز سے ہے۔ آپ کی ذات مشابہہ آفتاب کے ہے۔ تشریف فرما کر اپنے نور سے اس ذرۂ بے مقدار کو قدر و منزلت بخشئے۔ اور جو کچھ اس عاجزہ سے میسر ہو سکے نوشجان فرمائیے۔ یہ عین غریب نوازی اور مسافر پروری ہے۔ زیادہ حد ادب۔'' اور اس عمدہ کو بھی کچھ تواضع کر کر رخصت کیا۔

پادشاہ نے عرضی پڑھی اور کہلا بھیجا کہ ''ہم نے تمھاری دعوت قبول کی۔ البتہ آونگے۔'' ملکہ نے نوکروں اور سب کارباریوں کو حکم کیا کہ لوازمہ ضیافت کا ایسے سلیقے سے تیار ہو کہ پادشاہ دیکھکر اور کھا کر بہت محظوظ ہوں۔ اور ادنا اعلا جو پادشاہ کی رکاب میں آویں۔ سب کھا پی کر خوش ہو کر جاویں۔ ملکہ کے فرمانے اور تاکید کرنے سے سب قسم کے کھانے سلونے اور میٹھے اس ذائقہ کے تیار ہوئے کہ اگر باھمن کی بیٹی کھاتی تو کلمہ پڑھتی۔ جب شام ہوئی۔ پادشاہ مُنڈے تخت پر سوار ہو کر ملکہ کے مکان کی طرف تشریف لائے۔ ملکہ اپنی خان خواص سہیلیوں کو لیکر استقبال کے واسطے چلیں۔ جوں پادشاہ کے تخت پر نظر پڑی اس آداب سے مجرا شاہانہ کیا کہ یہ قاعدہ دیکھکر پادشاہ کو اور بھی حیرت نے لیا۔ اور اسی انداز سے جلوہ کر کر پادشاہ کو تخت مرصع پر لا بٹھایا۔ ملکہ نے سوا لاکھ روپے کا چبوترہ تیار کروا رکھا تھا۔ اور ایک سو ایک کشتی جواھر اور اشرفی اور پشمینہ اور نوربافی اور ریشمی اور طلابافی اور زردوزی کی لگا رکھی تھی۔ اور دو زنجیر فیل اور دس راس اسپ

عراق اور یمنی مرصع کے، سازسے تیار کر رکھے تھے۔نذر گذرانے۔ اور آپ دونوں ہاتھ باندھے رو برو کھڑی رہیں ۔ پادشاہ نے بہت مہربانی سے فرمایا کہ ''تم کس ملک کی شہزادی ہو۔ اور یہاں کس صورت سے آنا ہوا ؟''

ملکہ نے آداب بجالا کر التماس کیا کہ ''یہ لونڈی وہی گنہگار ہے جو غضب سلطانی کے باعث اس جنگل میں پہنچی۔ اور یہ سب تماشے خدا کے ہیں جو آپ دیکھتے ہیں۔'' یہ سنتے ہی پادشاہ کے لہو نے جوش مارا۔اٹھکر محبت سے گلے لگا لیا اور ہاتھ پکڑ کے اپنے تخت کے پاس کرسی بچھوا کر حکم بیٹھنے کا کیا۔ لیکن پادشاہ حیران اور متعجب بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ ''پادشاہ بیگم کو کہو کہ پادشاہ زادیوں کو اپنے ساتھ لیکر جلد آویں ۔'' جب وے آئیں ما بہنوں نے پہچانا ۔ اور گلے ملکر روئیں اور شکر کیا ۔ ملکہ نے اپنی والدہ اور چھیئوں ہمشیروں کے روبرو اتنا کچھ نقد اور جواہر رکھا کہ خزانہ تمام عالم کا اسکے پاسنگ میں نہ چڑھے ۔ پھر پادشاہ نے سب کو ساتھ بٹھا کر خاصہ نوشجان فرمایا۔۔

جب تلک جہاں پناہ جیتے رہے۔اسی طرح گذری ۔ کبھو کبھو آپ آتے ۔ اور کبھی ملکہ کو بھی اپنے ساتھ محلوں میں لیجاتے ۔ جب پادشاہ نے رحلت فرمائی ۔ سلطنت اس اقلیم کی ملکہ کو پہنچی کہ ان کے سوا دوسرا کوئی لائق اس کام کے نہ تھا ۔ اے عزیز! سرگزشت یہ ہے جو تونے سنی ۔ پس دولت خداداد کو ہرگز زوال نہیں ہوتا۔ مگر آدمی کی نیت درست چاہئیے ۔ بلکہ جتنی خرچ کرو اس میں اتنی ہی برکت ہوتی ہے ۔ خدا کی قدرت میں تعجب کرنا

کسی مذھب میں روا نہیں۔" دائی نے یہ بات کہکر کہا کہ "اب اگر قصد وھاں کے جانے کا اور اس خبر لانے کا دل میں مقرر رکھتے ھو۔ تو جلد روانہ ھو۔" میں نے کہا "اسی وقت میں جاتا ھوں۔ اور خدا چاھے تو جلد پھر آتا ھوں۔" آخر رخصت ھوکر اور فضل الٰہی پر نظر رکھکر اس سمت کو چلا۔

برس دن کے عرصے میں ھرج مرج کھینچتا ھوا شہر نیم‌روز میں جا پہنچا۔ جتنے وھاں کے آدمی ھزاری اور بزاری نظر پڑے۔ سیاہ پوش تھے۔ جیسا احوال سنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کئی دنوں کے بعد چاند رات ھوئی۔ پہلی تاریخ سارے لوگ اس شہر کے چھوٹے بڑے لڑکے بالے امرا پادشاہ عورت مرد ایک میدان میں جمع ھوئے۔ میں بھی اپنی حالت میں حیران سر گردان اس کثرت کے ساتھ اپنے مال ملک سے جدا فقیر کی صورت بنا ھوا کھڑا دیکھتا تھا کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاھر ھوتا ھے۔ اتنے میں ایک جوان گاؤ سوار منہ میں کف بھرے جوش خروش کرتا ھوا جنگل میں سے باھر نکلا۔ یہ عاجز جو اتنی محنت کرکے اس کے احوال دریافت کرنے کی خاطر گیا تھا۔ دیکھتے ھی اسے حواس باختہ ھوکر حیران کھڑا رہ گیا۔ وہ جوان مرد، قدیم قاعدے پر جو جو کام کرتا تھا کرکر پھر گیا۔ اور خلقت شہر کی شہر کی طرف متوجہ ھوئی۔ جب مجھے ھوش آیا تب میں پچھتایا کہ یہ کیا مجھسے حرکت ھوئی۔ اب مہینے بھر پھر راہ دیکھنی پڑی۔ لاچار سب کے ساتھ چلا آیا۔ اور اس مہینے کو ماہ رمضان کی مانند ایک ایک دن گن کر کاٹا۔ بارے دوسری چاند رات آئی۔ مجھے گویا عید ھوئی۔ غرے کو پھر پادشاہ خلقت سمیت وھیں جا کر اکھٹے ھوئے۔

تب میں نے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ اب کی بار جو ہو سو ہو۔ اپنے تئیں سنبھال کر اس ماجرائے عجیب کو معلوم کیا چاہئیے۔

ناگاہ جوان بدستور زرد بیل پر زین باندھے سوار ہو آ پہنچا۔ اور اتر کر دو زانو بیٹھا۔ ایک ہاتھ میں ننگی سیف اور ایک ہاتھ میں بیل کی ناتھ پکڑے۔ اور مرتبان غلام کو دیا۔ غلام ہر ایک کو دکھا کر لیگیا۔ آدمی دیکھکر رونے لگے۔ اس جوان نے مرتبان پھوڑا۔ اور غلام کو ایک تلوار ایسی ماری کہ سر جدا ہو گیا۔ اور سوار ہو کر مڑا۔ میں اسکے پیچھے جلد قدم اٹھا کر چلنے لگا۔ شہر کے آدمیوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا "یہ کیا کرتا ہے۔ کیوں جان بوجھ کر مرتا ہے؟ اگر ایسا ہی تیرا دم ناک میں آیا ہے۔ تو بہتیری طرحیں مرنے کی ہیں۔ مر رہیو۔" ہر چند میں نے منت کی۔ اور زور بھی کیا کہ کسو صورت سے ان کے ہاتھ سے چھوٹوں، چھٹکارا نہ ہوا۔ دو چار آدمی لپٹ گئے اور پکڑے ہوئے بستی کی طرف لے آئے۔ عجب طرح کا قلق پھر مہینے بھر گذرا۔

جب وہ بھی مہینہ تمام ہوا اور سلخ کا دن آیا۔ صبح کو اسی صورت سے سارے عالم کا وہاں ازدحام ہوا۔ میں الگ سب سے نماز کے وقت اٹھکر آگے ہی جنگل میں (جو عین اس جوان کی راہ پر تھا) گھس کر چھپ رہا۔ کہ یہاں تو کوئی میرا مزاحم نہ ہوگا۔ وہ شخص اسی قاعدے سے آیا۔ اور وہی حرکتیں کر کر سوار ہوا اور چلا۔ میں نے اسکا پیچھا کیا اور دوڑتا دھوپتا ساتھ ہولیا۔ اس عزیز نے آہٹ سے معلوم کیا کہ کوئی چلا آتا ہے۔ ایکبارگی باگ موڑ کر ایک نعرہ مارا اور گھرکا۔ تلوار کھینچکر میرے سرپر

آ پہنچا ۔ چاھتا تھا کہ حملہ کرے ۔ میں نے نہایت ادب سے نہڑ کر سلام کیا ۔ اور دونوں ھاتھ باندھ کر کھڑا رہ گیا ۔ وہ قاعدہ دان متکلم ھوا کہ ''اے فقیر! تو ناحق مارا گیا ھوتا پر بچ گیا ۔ تیری حیات کچھ باقی ھے ۔ جا ۔ کہاں آتا ھے؟'' اور جڑاؤ خنجر موتیوں کا اور آویزہ لگا ھوا کمر سے نکالکر میرے آگے پھینکا اور کہا ۔ ''اس وقت میرے پاس کچھ نقد موجود نہیں جو تجھے دوں ۔ اسکو پادشاہ پاس لیجا ۔ جو تو مانگیگا پایگا ۔'' اسی ھیبت اور ایسا رعب اس کا مجھپر غالب ھوا کہ نہ بولنے کی قدرت نہ چلنے کی طاقت ۔ منھ میں گھگی بندھ گئی ۔ پاؤں بھاری ھو گئے ۔

اتنا کہکر وہ غازی مرد نعرہ بھرتا ھوا چلا ۔ میں نے دل میں کہا ھرچہ بادا باد ۔ اب رہ جانا تیرے حق میں برا ھی ۔ پھر ایسا وقت نہ ملیگا ۔ اپنی جان سے ھاتھ دھو کر میں بھی روانہ ھوا ۔ پھر وہ پھرا ۔ اور بڑے غصے سے ڈانٹا ۔ اور مقرر ارادہ میرے قتل کا کیا ۔ مین نے سر جھکا دیا اور سوگند دی کہ ''اے رستم وقت کے! ایسی ھی ایک سیف مار کہ صاف دو ٹکڑے ھو جاؤں ۔ ایک تسمہ باقی نہ رھے ۔ اور اس حیرانی اور تباھی سی چھوٹ جاؤں ۔ میں نے اپنا خون معاف کیا ۔'' وہ بولا کہ ''اے شیطان کی صورت! کیوں اپنا خون ناحق میری گردن پر چڑھاتا ھے اور مجھے گنہگار بناتا ھے؟ جا اپنی راہ لے ۔ کیا جان بھاری پڑی ھے؟'' مین نے اس کا کہانہ مانا اور قدم آگے دھرا ۔ پھر اس نے دیدہ و دانستہ آنا کانی دی ۔ اور میں پیچھے لگ لیا ۔ جاتے جاتے دو کوس وہ جھاڑ جنگل طے کیا ۔ ایک چار دیواری نظر آئی ۔ وہ جوان دروازے پر گیا ۔ اور ایک نعرۂ مہیب مارا ۔ وہ در آپ سے آپ کھل گیا ۔ وہ اندر پیٹھا ۔ میں

باہر کا باہر کھڑا رہ گیا ۔ الہی اب کیا کروں! حیران تھا ۔ بارے ایک دم کے بعد غلام آیا۔ اور پیغام لایا کہ ”چل تجھے رو برو بلایا ہے ۔ شاید تیرے سر پر اجل کا فرشتہ آیا ہے ۔ کیا تجھے کمبختی لگی تھی!“ میں نے کہا ”زہے نصیب!“ اور بیدھڑک اسکے ساتھ اندر باغ کے گیا۔

آخر ایک مکان میں لیگیا جہاں وہ بیٹھا تھا ۔ میں نے اسے دیکھکر فراشی سلام کیا ۔ اسنے اشارت بیٹھنے کی کی ۔ میں ادب سے دوزانو بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں ۔ کہ وہ مرد اکیلا ایک مسند پر بیٹھا ہے ۔ اور ہتھیار زرگری کے آگے دھرے ہیں۔ اور ایک جھاڑ زمرد کا تیار کر چکا ہے ۔ جب اسکے اٹھنے کا وقت آیا۔ جتنے غلام اس شہ نشین کے گرد پیش حاضر تھے۔ حجروں میں چھپ گئے۔ میں بھی مارے وسواس کے ایک کوٹھری میں جا گھسا ۔ وہ جوان اٹھکر سب مکانوں کی کنڈیاں چڑھا کر باغ کے کونے کی طرف چلا۔ اور اپنی سواری کے بیل کو مارنے لگا ۔ اسکے چلانے کی آواز میرے کان میں آئی۔ کلیجہ کانپنے لگا۔ لیکن اس ماجرے کے دریافت کرنے کی خاطر یہ سب آفتیں سہیں تھیں ۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولکر ایک درخت کے تنے کی آڑ میں جا کھڑا ہوا اور دیکھنے لگا۔ جوان نے وہ سونٹا جس سے مارتا تھا۔ ہاتھ سے ڈال دیا۔ اور ایک مکان کا قفل کنجی سے کھولا۔ اور اندر گیا ۔ پھر وونہیں باہر نکل کر نرگاؤ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا ۔ اور منہ چوما اور دانہ گھاس کھلا کر ایدھر کو چلا ۔ میں دیکھتے ہی جلد دوڑ کر پھر کوٹھری میں جا چھپا۔

اس جوان نے زنجیریں سب دروازوں کی کھول دیں۔سارے غلام

باھر نکلے - زیر انداز اور سلپچی آفتابہ لیکر حاضر ھوئے - وہ وضو کرکر نماز کی خاطر کھڑا ھوا - جب نماز ادا کر چکا پکارا کہ "وہ درویش کہاں ھے؟" اپنا نام سنتے ھی میں دوڑ کر رو برو جا کھڑا ھوا - فرمایا "بیٹھ -" میں تسلیم کرکر بیٹھا۔ خاصہ آیا - اس نے تناول فرمایا - مجھے بھی عنایت کیا - میں نے بھی کھایا - جب دسترخوان بڑھایا اور ھاتھ دھوئے غلاموں کو رخصت دی - کہ جا کر سورھو۔ جب کوئی اس مکان میں نہ رھا۔تب مجھسے ھم کلام ھوا اور پوچھا۔کہ "اے عزیز! تجھپر کیا ایسی آفت آئی ھے جو تو اپنی موت کو ڈھونڈھتا پھرتا ھے؟" میں نے اپنا احوال آغاز سے انجام تک جو کچھ گذرا تھا تفصیل وار بیان کیا۔ اور کہا۔ "آپ کی توجہ سے امید ھے کہ اپنی مراد کو پہنچوں -" اسنے یہ سنتے ھی ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بیہوش ھوا اور کہنے لگا - "بار خدایا عشق کے درد سے تیرے سوا کون واقف ھے - جس کی نہ پھٹی ھو بوائی کیا جانے پیر پرائی - اس درد کی قدر جو درد مند ھو - سو جانے-

آفتوں کو عشق کی عاشق سے پوچھا چاھئے
کیا خبر فاسق کو ھے؟ صادق سے پوچھا چاھئے"

بعد ایک لمحے کے ھوش میں آکر ایک آہ جگر سوز بھری - سارا مکان گونج گیا۔تب مجھے یقین ھوا کہ یہ بھی اسی عشق کی بلا میں گرفتار ھے - اور اسی مرض کا بیمار ھے - تب تو میں نے دل چلا کر کہا کہ "میں نے اپنا احوال سب عرض کیا - آپ توجہ فرما کر اپنی سرگذشت سے بندے کو مطلع فرمائیے۔ تو بہ مقدور اپنے، بھلے تمھارے واسطے سعی کروں - اور دل کا مطلب کوشش کرکر ھاتھ میں لاؤں -" القصہ وہ عاشق صادق مجھکو اپنا ھمراز

ور ہمدرد جان کر۔ اپنا ماجرا اس صورت سے بیان کرنے لگا۔ کہ ''سن اے عزیز! میں پادشاہ زادۂ جگر سوز اس اقلیم نیم روز کا ہوں۔ پادشاہ یعنی قبلہ گاہ نے میرے پیدا ہونے کے بعد نجومی اور رمال اور پنڈت جمع کئے اور فرمایا کہ ''احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جانچو۔ اور جنم پتری درست کرو۔ اور جو جو کچھ ہونا ہے حقیقت پل پل گھڑی گھڑی اور پہر پہر اور دن دن مہینے مہینے اور برس برس کی مفصل حضور میں عرض کرو۔'' بموجب حکم پادشاہ کے سب نے متفق ہو اپنے اپنے علم کے رو سے ٹھہرا اور سادھ کر التماس کیا۔ کہ ''خدا کے فضل سے ایسی نیک ساعت اور سبھ لگن میں شہزادے کا تولد اور جنم ہوا ہے۔ کہ چاہئے سکندر کی سی بادشاہت کرے۔ اور نوشیرواں سا عادل ہو۔ اور جتنے علم اور ہنر ہیں۔ ان میں کامل ہو۔ اور جس کام کی طرف دل اسکا مائل ہو۔ وہ بخوبی حاصل ہو۔ سخاوت و شجاعت میں ایسا نام پیدا کرے کہ حاتم اور رستم کو لوگ بھول جاویں۔ لیکن چودہ برس تلک سورج اور چاند کے دیکھنے سے ایک بڑا خطرہ نظر آتا ہے۔ بلکہ یہ وسواس ہے کہ جنونی اور سودائی ہوکر بہت آدمیوں کا خون کرے۔ اور بستی سے گھبراوے اور جنگل میں نکل جاوے۔ اور چرند پرند کے ساتھ دل بہلاوے۔ اس کا تقید رہے کہ رات دن آفتاب ماہتاب کو نہ دیکھے۔ بلکہ آسمان کی طرف بھی نگاہ نہ کرنے پاوے۔ جو اتنی مدت خیر و عافیت سے کٹے۔ تو پھر ساری عمر سکھ اور چین سے سلطنت کرے''۔

یہ سنکر پادشاہ نے اسی لئے اس باغ کی بناڈالی۔ اور مکان متعدد ہر ایک نقشے کے بنوائے۔ میرے تئیں تہ خانے میں پلنے کا

حکم کیا۔ اور اوپر ایک برج نمدے کا تیار کروایا۔تو دھوپ اور چاندنی اس میں سے نہ چھنے۔ میں دائی دودھ پلائی اور انکا چھوچھو اور کئی خواصوں کے ساتھ اس محافظت سے اس مکان عالیشان میں پرورش پانے لگا۔اور ایک استاد دانا کارآزمودہ واسطے میرے تربیت کے متعین کیا۔تو تعلیم ھر علم اور ھنر کی اور مشق ھفت قلم لکھنے کی کرے۔اور جہاں پناہ ھمیشہ میرے خبر گیراں رھتے۔ دم بدم کی کیفیت روز مرہ حضور میں عرض ھوتی۔ میں اس مکان ھی کو عالم دنیا جان کر کھلونوں اور رنگ برنگ پھولوں سے کھیلا کرتا۔ اور تمام جہان کی نعمتیں کھانے کے واسطے موجود رھتیں۔جو چاھتا سو کھاتا۔ دس برس کی عمر تک جتنی صنعتیں اور قابلیتیں تھیں تحصیل کیں۔

ایک روز اس گنبند کے نیچے روشن دان سے ایک پھول اچنبھے کا نظر پڑا۔کہ دیکھتے دیکھتے بڑا ھوتا جاتا تھا۔ میں نے چاھا کہ ھاتھ سے پکڑ لوں۔ جوں میں ھاتھ لنبا کرتا تھا وہ اونچا ھو جاتا تھا۔ میں حیران ھوکر اسے تک رھا تھا۔ وونھیں ایک آواز قہقہے کی میرے کان میں آئی۔ میں نے اسکے دیکھنے کو گردن اٹھائی۔ دیکھا تو نمدا چیر کر ایک مکھڑا چاند کا سا نکل رھا ھے۔ دیکھتے ھی اسکے، میرے عقل و ھوش بجا نہ رھے۔ پھر اپنے تئیں سنبھالکر دیکھا تو ایک مرصع کا تخت پریزادوں کے کاندھے پر معلق کھڑا ھے۔ اور ایک تخت نشیں تاج جواھر کا سر پر اور خلعت جھلا بور بدن میں پہنے۔ ھاتھ میں یاقوت کا پیالہ لئے اور شراب پئے ھوئے بیٹھی ھے۔ وہ تخت بلندی سے آھستہ آھستہ نیچے اتر کر اس برج میں آیا۔ تب پری نے مجھے بلایا۔اور اپنے

نزدیک بٹھایا ۔ باتیں پیار کی کرنے لگی ۔ اور منھ سے منھ لگا کر ایک جام شراب، گل گلاب کا میرے تئیں پلایا اور کہا۔ ''آدمی زاد بیوفا ہوتا ہے ۔ لیکن دل ہمارا تجھے چاہتا ہے ۔'' ایک دم میں ایسی ایسی انداز و نازکی باتیں کیں کہ دل محو ہوگیا ۔ اور ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ زندگانی کا مزہ پایا ۔ اور یہ سمجھا کہ آج تو دنیا میں آیا۔

حاصل یہ ہے کہ میں تو کیا ہوں؟ کسو نے یہ عالم نہ دیکھا ہوگا۔ نہ سنا ہوگا ۔ اس مزے میں خاطر جمع سے ہم دونوں بیٹھے تھے۔ کہ کریال میں غلیلا لگا ۔ اب اس حادثۂ ناگہانی کا ماجرا سن۔ کہ وونہیں چار پریزاد نے آسمان پر سے اتر کر کچھ اس معشوقہ کے کان میں کہا ۔ سنتے ہی اسکا چہرہ تغیر ہوگیا ۔ اور مجھسے بولی کہ ''اے پیارے! دل تو یہ چاہتا تھا کہ کوئی دم تیرے ساتھ بیٹھکر دل بہلاؤں ۔ اور اسی طرح ہمیشہ آؤں یا تجھے اپنے ساتھ لیجاؤں ۔ پر یہ آسمان دو شخص کو ایک جگہ آرام سے اور خوشی سے رہنے نہیں دیتا ۔ لے۔ جاناں! تیرا خدا نگہبان ہے۔'' یہ سنکر میرے حواس جاتے رہے۔ اور طوطے ہاتھ کے اڑ گئے ۔ میں نے کہا کہ ''اجی اب پھر کب ملاقات ہوگی؟ یہ کیا تم نے غضب کی بات سنائی؟ اگر جلد آؤگی تو مجھے جیتا پاؤگی۔ نہیں تو پچھتاؤگی ۔ یا اپنا ٹھکانا اور نام و نشان بتاؤ کہ میں ہی اس پتے پر ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اپنے تئیں تمھارے پاس پہنچاؤں ۔'' یہ سنکربولی۔ ''دور پار، شیطان کے کان بہرے۔ تمھاری صد و بیست سالہ کی عمر ہووے ۔ اگر زندگی ہے تو پھر ملاقات ہو رہیگی ۔ میں جنوں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں ۔ اور کوہ قاف میں رہتی ہوں ۔'' یہ

کہکر تخت اٹھایا - اور جسطرح اترا تھا وونہیں بلند ہونے لگا۔

جب تلک سامنے تھا - میری اور اسکی چار آنکھیں ہو رہیں تھیں - جب نظروں سے غائب ہوا یہ حالت ہوگئی جیسے پری کا سایہ ہوتا ہے - عجب طرح کی اداسی دل پر چھا گئی- عقل و ہوش رخصت ہوا - دنیا آنکھوں کے تلے اندھیری ہوگئی - حیران پریشان زار زار رونا- اور سر پر خاک اڑانا- کپڑے پھاڑنا- نہ کھانے کی سدھ ، نہ بھلے برے کی بدھ۔

اس عشق کی بدولت کیا کیا خرابیاں ہیں
دل میں اداسیاں ہیں اور اضطرابیاں ہیں

اس خرابی سے دائی اور معلم خبردار ہوئے- ڈرتے ڈرتے پادشاہ کے روبرو گئے - اور عرض کی - کہ ''پادشاہزادۂ عالمیان کا یہ حال ہے - معلوم نہیں خود بخود یہ کیا غضب ٹوٹا جو ان کا آرام اور کھانا پینا سب چھوٹا -'' تب پادشاہ وزیر، امرائے صاحب تدبیر اور حکیم حاذق، منجم صادق، ملا، سیانے، خوب درویش، سالک اور مجذوب اپنے ساتھ لیکر اس باغ مین رونق افزا ہوئے - میری بیقراری اور نالہ و زاری دیکھکر ان کی بھی حالت اضطراب کی ہوگئی - آبدیدہ ہوکر بے اختیار گلے سے لگالیا اور اسکی تدبیر کی خاطر حکم کیا- حکیموں نے قوت دل اور خلل دماغ کے واسطے نسخے لکھے- اور ملاؤں نے نقش و تعویذ پلانے اور پاس رکھنے کو دئے - دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگے- اور نجومی بولے کہ ''ستاروں کی گردش کی سبب سے یہ صورت پیش آئی ہے - اسکا صدقہ دیجئے -'' غرض ہر کوئی اپنے اپنے علم کی باتیں کہتا تھا- پر مجھپر جو گذرتی تھی میرا

دل ھی سہتا تھا۔ کسو کی سعی اور تدبیر میری تقدیر بد کے کام نہ آئی ۔ دن بدن دیوانگی کا زور ھوا۔ اور میرا بدن بے آب و دانہ کمزور ھو چلا ۔ رات دن چلانا اور سر پٹکنا ھی باقی رھا ۔ اس حالت میں تین سال گذرے۔ چوتھے برس ایک سوداگر سیر و سفر کرتا ھوا آیا۔ اور ھر ایک ملک کے تحفہ تحائف عجیب و غریب جہاں پناہ کے حضور میں لایا۔ ملازمت حاصل کی۔

پادشاہ نے بہت توجہ فرمائی اور احوال برسی اسکی کرکے پوچھا کہ ''تم نے بہت ملک دیکھے۔ کہیں کوئی حکیم کامل بھی نظر پڑا یا کسو سے مذکور اسکا سنا؟'' اس نے التماس کیا کہ ''قبلہ عالم! غلام نے بہت سیر کی ۔ لیکن ھندوستان میں دریا کے بیچ ایک پہاڑی ھے ۔ وھاں ایک گسائیں جٹادھاری نے بڑا منڈھپ مہادیو کا اور سنگت اور باغ بڑی بہار کا بنایا ھے۔اس میں رھتا ھے ۔ اور اس کا یہ قاعدہ ھے۔ کہ برسویں دن شیورات کے روز اپنے استھان سے نکلکر دریا میں پیرتا ھے ۔ اور خوشی کرتا ھے ۔ اشنان کے بعد جب اپنے آسن پر جانے لگتا ھے ۔ تب بیمار اور درد مند دیس دیس اور ملک ملک کے جو دور دور سے آتے ھیں دروازے پر جمع ھوتے ھیں ۔ ان کی بڑی بھیڑ ھوتی ھے۔

وہ مہنت (جسے اس زمانے کا افلاطون کہا چاھئے) قارورہ اور نبض دیکھتا ھوا اور ھر ایک کو نسخہ لکھکر دیتا ھوا چلا جاتا ھے ۔ خدا نے ایسا دست شفا اسکو دیا ھے کہ دوا پیتے ھی اثر ھوتا ھے ۔ اور وہ مرض بالکل جاتا رھتا ھے ۔ یہ ماجرا میں نے بہ چشم خود دیکھا۔اور خدا کی قدرت کو یاد کیا۔ کہ ایسے ایسے

بندے پیدا کئے ہیں ۔ اگر حکم ہو تو شہزادۂ عالمیان کو اسکے پاس لیجاویں ۔ اسکو ایک نظر دکھاویں ۔ امید قوی ہے کہ جلد شفائے کامل ہو۔ اور ظاہر میں بھی یہ تدبیر اچھی ہے کہ ہ ایک ملک کی ہوا کھانے سے اور جا بجا کے آب و دانے سے مزاج میں فرحت آتی ہے ۔'' پادشاہ کو اسکی صلاح پسند آئی۔ اور خوش ہو کرفرمایا ۔ ''بہت بہتر، شاید ھاتھ اسکا راس آوے ۔ اور میرے فرزند کے دل سے وحشت جاوے ۔'' ایک امیر معتبر جہان دیدہ کار آزمودہ کو اور اس تاجر کو میری رکاب میں تعینات کیا۔ اور اسباب ضروری ساتھ کردیا ۔ نواڑے، بجرے، مورپنکھی، پلوار، لچکے، کھیلنے، الاق، پٹیلیوں پر مع سر انجام، سوار کرکر رخصت کیا ۔ منزل منزل چلتے چلتے اس ٹھکانے پر جا پہنچے ۔ نئی ہوا اور نیا دانہ پانی کھانے پینے سے کچھ مزاج ٹھہرا۔ لیکن خاموشی کا وھی عالم تھا۔ اور رونے سے کام ۔ دم بدم یاد اس پری کی دل سے بھولتی نہ تھی۔ اگر کبھو بولتا تو یہ بت پڑھتا—

نہ جانوں کس پری رو کی نظر ہوئی
ابھی تو تھا بھلا چنگا مرا دل

بارے جب دو تین مہینے گذرے اس پہاڑ پر قریب چار ہزار مریض کے جمع ہوئے۔لیکن سب بھی کہتے تھے کہ اب خدا چاہے تو گسائیں اپنے مٹھ سے نکلینگے اور سب کو ان کے فرمانے سے شفا کلی ہوگی ۔ القصہ جس دن وہ دن آیا صبح کو جوگی مانند آفتاب کے نکل آیا۔ اور دریا میں نہایا اور پیرا۔ پار جاکر پھر آیا اور بھبھوت بھسم تمام بدن میں لگایا۔ وہ گورا بدن مانند انگارے کے

راکھ میں چھپایا۔اور ماتھے پر ملاگیر کا ٹیکا دیا۔لنگوٹ باندھ کر انگوچھا کاندھے پر ڈالا۔بالوں کا جوڑا باندھا۔موچھوں پر تاؤ دیکر چڑھواں جوتا اڑایا۔ اسکے چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا اسکے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتی۔ ایک قلمدان جڑاؤ بغل میں لیکر ایک ایک کی طرف دیکھتا اور نسخہ دبتا ہوا میرے نزدیک آ پہنچا ۔ جب میری اور اسکی چار نظریں ہوئیں کھڑا رہ کر غور میں گیا۔ اور مجھسے کہنے لگا کہ ''ہمارے ساتھ آؤ۔'' میں همراه ہو لیا۔

جب سب کی نوبت ہوچکی میرے تئیں باغ کے اندر لیگیا۔اور ایک مقطع خوش نقشی خلوت خانے میں مجھے فرمایا کہ ''یہاں تم رہا کرو۔'' اور آپ اپنے استھان میں گیا ۔ جب ایک چلا گذرا تو میرے پاس آیا اور آکر آگے کی نسبت مجھے خوش بایا۔تب مسکراکر فرمایا کہ ''اس باغیچے میں سیر کیا کرو۔جس میوے پر جی چلے کھایا کرو۔'' اور ایک قلفی چینی کی معجون سے بھری ہوئی دی۔ کہ ''اس میں سے چھ ماشے همیشہ بلا ناغہ نہار منھ نوش جان فرمایا کرو۔'' یہ کہکر وہ تو چلا گیا۔اور میں نے اسکے کہنے پر عمل کیا ۔ ہر روز قوت بدن میں اور فرحت دل کو معلوم ہونے لگی۔ لیکن حضرت عشق کو کچھ اثر نہ کیا۔ اس پری کی صورت نظروں کے آگے پھرتی تھی۔

ایک روز طاق میں ایک جلد کتاب کی نظر آئی۔ اتارکر دیکھا تو سارے علم دین و دنیا کے اس میں جمع کئے تھے۔گویا دریا کو کوزے میں بھر دیا تھا۔ ہر گھڑی اسکا مطالعہ کیا کرتا۔ علم حکمت اور تسخیر میں نہایت قوت بہم پہنچائی ۔ اس عرصے میں

برس دن گذر گیا ۔ پھر وہی خوشی کا دن آیا۔ جوگی اپنے آسن پر سے اٹھکر باھر نکلا ۔ میں نے سلام کیا ۔ ان نے قلمدان مجھے دیکر کہا ''ساتھ چلو۔'' میں بھی ساتھ ہو لیا ۔ جب دروازے سے باھر نکلا ایک عالم دعا دینے لگا ۔ وہ امیر اور سوداگر مجھے ساتھ دیکھکر گسائیں کے قدموں پر گرے اور ادائے شکر کرنے لگے۔ کہ آپ کی توجہ سے بارے اتنا تو ہوا ۔ وہ اپنی عادت پر دریا کے گھاٹ تک گیا۔ اور اشنان پوجا جسطرح ہر سال کرتا تھا، کی ۔ پھرتی بار بیاروں کو دیکھتا بھالتا چلا آتا تھا۔

اتفاقاً سودائیوں کے غول میں ایک جوان خوبصورت شکیل کہ ضعف سے کھڑے ہونے کی طاقت اس میں نہ تھی نظر پڑا۔ مجھکو کہا کہ ''اسکو ساتھ لے آؤ۔'' سب کی دارو درمن کرکے جب خلوت خانے میں گیا۔ تھوڑی سی کھوپری اس جوان کی تراش کر۔ چاھا کہ کنکھجورا جو مغز پر بیٹھا تھا زنبور سے اٹھا لیوے۔ میرے خیال میں گذرا ۔ اور بول اٹھا۔ کہ ''اگر دست پناہ آگ میں گرم کرکر اسکی پیٹھ پر رکھئیے تو خوب ہے۔ آپ سے آپ نکل آویگا۔ اور جو یوں کھینچئیے گا تو مغز کے گودے کو نہ چھوڑیگا۔ پھر خوف زندگی کو ہے ۔'' یہ سنکر میری طرف دیکھا۔ اور چپکا اٹھ باغ کے کونے میں ایک درخت کولے میں پکڑ جٹا کی لٹ کی گلے میں پھانسی لگاکر رہ گیا ۔ میں پاس جاکر جو دیکھا تو واہ واہ یہ تو مر گیا! یہ اچنبھا دیکھکر نہایت افسوس ہوا۔ لاچار جی میں آیا اسے گاڑ دوں ۔ جوں درخت سے جدا کرنے لگا دو کنجیاں اسکی لٹوں میں سے گر پڑیں ۔ میں نے ان کو اٹھا لیا اور اس گنج خوبی کو زمین میں دفن کیا ۔ وے دونوں کنجیاں

لیکر سب قفلوں میں لگانے لگا۔ اتفاقاً دو حجرے کے تالے ان تالیوں سے کھلے۔ دیکھا تو زمین سے چھت تلک جواھر بھرا ہوا ھے۔ اور ایک پیٹی مخمل سے مڑھی سونے کے پتر لگی، قفل دی ہوئی ایک طرف دھری ھے۔ اسکو جو کھولا تو ایک کتاب دیکھی کہ اس میں اسم اعظم اور حاضرات جن و پری کی اور روحوں کی ملاقات اور تسخیر آفتاب کی ترکیب لکھی ھے۔

اسی دولت کے ھاتھ لگنے سے نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ اور ان پر عمل کرنا شروع کیا۔ دروازہ باغ کا کھول دیا۔ اپنے اس امیر کو اور ساتھ والوں کو کہا کہ کشتیاں منگواکر بہ سب جواھر و نقد و جنس اور کتابیں بار کرلو۔ اور ایک نواڑے پر آپ سوار ھوکر وھاں سے بحر کو روانہ کیا۔ آتے آتے جب نزدیک اپنے ملک کے پہنچا۔ جہاں پناہ کو خبر ہوئی۔ سوار ھوکر استقبال کیا اور اشتیاق سے بے قرار ھوکر کلیجے سے لگالیا۔ میں نے قدم بوسی کرکر کہا کہ ”اس خاکسار کو قدیم باغ میں رہنے کا حکم ھو۔“ بولے کہ ”اے برخوردار! وہ مکان میرے نزدیک منحوس ٹھہرا۔ لہذا اسکی مرمت اور تیاری موقوف کی۔ اب وہ مکان لائق انسان کے نہیں رھا۔ اور جس محل میں جی چاھے اترو۔ بہتر یوں ھے کہ قلعے میں کوئی جگہ پسند کرکے میری آنکھوں کے رو برو رھو۔ اور پائیں باغ جیسا چاھو تیار کرواکر سیر تماشا دیکھا کرو۔“ میں نے بہت ضد اور ہٹ کرکر اس باغ کو نئے سرسے تعمیر کروایا۔ اور بہشت کی مانند آراستہ کر داخل ھوا۔ پھر فراغت سے جنوں کی تسخیر کی خاطر چلے بیٹھا۔ اور ترک حیوانات کرکر حاضرات کرنے لگا۔

جب چالیس دن پورے ہوئے۔ تب آدھی رات کو ایک ایسی

آندھی آئی کہ بڑی بڑی عمارتیں گرپڑیں ۔ اور درخت جڑ پیڑ سے اکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے ۔ اور پریزادوں کا لشکر نمود ہوا ۔ ایک تخت ہوا سے اترا۔ اسپر ایک شخص شاندار موتیوں کا تاج اور خلعت پہنے ہوئے بیٹھا تھا ۔ میں نے دیکھنے هی بہت مودب ہوکر سلام کیا ۔ اس نے میرا سلام لیا اور کہا کہ ''اے عزیز کیا تونے ناحق دند مچایا؟ ہم سے تجھے کیا مدعا ھے؟'' میں نے التماس کیا کہ ''یہ عاجز بہت مدت سے تمھاری بیٹی پر عاشق ھے۔ اور اسی لئے کہاں سے کہاں خراب و خستہ ھوا۔ اور جینے جی موا۔ اب زندگی سے بہ تنگ آیا ھوں ۔ اور اپنی جان پر کھیلا ھوں جو یہ کام کیا ھے ۔ اب آپ کی ذات سے امیدوار ھوں کہ مجھ حیران سرگردان کو اپنی توجہ سے سرفراز کرو۔ اور اسکے دیدار سے زندگی اور آرام بخشو۔ تو بڑا ثواب ھوگا''۔

یہ میری آرزو سنکر بولا ۔ کہ ''آدمی خاکی اور هم آتشی ۔ ان دونوں میں موافقت آنی مشکل ھے ۔'' میں نے قسم کھائی کہ میں ان کے دیکھنے کا مشتاق ھوں ۔ اور کچھ مطلب نہیں۔ پھر اس تخت نشین نے جواب دیا۔ کہ ''انسان اپنے قول قرار پر نہیں رهتا۔ غرض کے وقت سب کچھ کہتا ھے لیکن یاد نہیں رکھتا ۔ یہ بات میں تیرے بھلے کے لئے کہہ سناتا ھوں۔ کہ اگر تونے کبھو قصد کچھ اورکیا۔ تو وہ بھی اور تو بھی دونوں خراب خستہ ہونگے۔ بلکہ خوف جان کا ھے ۔'' میں نے پھر دوبارہ سوگند یاد کی۔ کہ جس میں طرفین کی برائی ھووے ویسا کام ھرگز نہ کروں گا۔ مگر ایک نظر دیکھتا رھونگا ۔ یے باتیں ھوتیاں تھیں۔ کہ انچت وہ پری (کہ جسکا مذکور تھا) نہایت ٹھسے سے بناؤ کئے ھوئے

آ پہنچی۔ اور بادشاہ کا تخت وہاں سے چلا گیا۔ تب میں نے بے اختیار اس پری کو جان کی طرح بغل میں لے آیا۔ اور یہ شعر پڑھا—

کہاں ابرو مرے گھر کیوں نہ آوے
کہ جسکے واسطے کھینچے ہیں چلے

اسی خوشی کے عالم میں باہم اس باغ میں رہنے لگے۔ مارے ڈر کے کچھ اور خیال نہ کرتا۔ بالائی مزے لیتا اور فقط دیکھا کرتا۔ وہ پری میرے قول و قرار کے نبھانے پر دل میں حیران رہتی۔ اور بعضے وقت کہتی۔ کہ ''پیارے! تم بھی اپنی بات کے بڑے سچے ہو۔ لیکن ایک نصیحت میں دوستی کی راہ سے کرتی ہوں۔ اپنی کتاب سے خبردار رہیو۔ کہ جن کسی نہ کسی دن تمہیں غافل پاکر چرا لیجائینگے۔'' میں نے کہا ''اسے میں اپنی جان کے برابر رکھتا ہوں''—

اتفاقاً ایک روز رات کو شیطان نے ورغلایا۔ شہوت کی حالت میں یہ دل میں آیا۔ کہ جو کچھ ہو سو ہو، کہاں تلک اپنے تئیں تھانبھوں؟ اسے چھاتی سے لگا لیا۔ اور قصد جماع کا کیا۔ وونہیں ایک آواز آئی۔ ''یہ کتاب مجھکو دے کہ اس میں اسم اعظم ہے۔ بے ادبی نہ کر۔'' اس مستی کے عالم میں کچھ ہوش نہ رہا۔ کتاب بغل سے نکالکر بغیر جانے پہچانے حوالے کردی۔ اور اپنے کام میں لگا۔ وہ نازنین یہ میری نادانی کی حرکت دیکھکر بولی کہ ''ہے ظالم! آخر چوکا اور نصیحت بھولا''—

یہ کہکر بیہوش ہو گئی اور میں نے اسکے سرہانے ایک دیو دیکھا کہ کتاب لئے کھڑا ہے۔ چاہا کہ پکڑ کر خوب ماروں اور کتاب چھین لوں۔ اتنے میں اسکے ہاتھ سے کتاب دوسرا لے بھاگا۔ میں نے جو افسوں یاد کئے تھے پڑھنے شروع کئے۔ وہ جن جو کھڑا تھا بیل بن گیا۔ لیکن افسوس کہ پری ذرا بھی ہوش میں نہ آئی۔ اور وھی حالت بیخودی کی رھی۔ تب میرا دل گھبرایا۔ سارا عیش تلخ ہوگیا۔ اس روز سے آدمیوں سے نفرت ہوئی۔ اس باغ کے گوشے میں پڑا رہتا ہوں۔ اور دل کے بہلانے کی خاطر یہ مرتبان زمرد کا جھاڑ دار بنایا کرتا ہوں۔ اور ہر مہینے اس میدان میں اسی بیل پر سوار ہوکر جایا کرتا ہوں۔ مرتبان کو توڑ کر غلام کو مار ڈالتا ہوں۔ اس امید پر کہ سب میری یہ حالت دیکھیں۔ اور افسوس کھاویں۔ شاید کوئی ایسا خدا کا بندہ مہربان ہو کہ میرے حق میں دعا کرے۔ تو میں بھی اپنے مطلب کو پہنچوں۔ اے رفیق! میرے جنون اور سودا کی یہ حقیقت ہے جو میں نے تجھے کہہ سنائی"۔

میں سنکر آب دیدہ ہوا اور بولا کہ "اے شہزادے! تونے واقعی عشق کی بڑی محنت اٹھائی۔ لیکن قسم خدا کی کھاتا ہوں کہ میں اپنے مطلب سے در گذرا۔ اب تیری خاطر جنگل پہاڑ میں پھرونگا۔ اور جو مجھسے ہوسکیگا سو کرونگا۔" یہ وعدہ کر کر میں اس جوان سے رخصت ہوا۔ اور پانچ برس تک سودائی سا ویرانے میں خاک چھانتا پھرا۔ سراغ نہ ملا۔ آخر اکتا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور چاہا کہ اپنے تئیں گرا دوں کہ ہڈی پسلی کچھ ثابت نہ رہے۔ وھی سوار برقعہ پوش آ پہنچا۔ اور بولا کہ "اپنی جان مت

کھو۔ تھوڑے دنوں کے بعد تو اپنے مقصد سے کامیاب ہوگا۔،، یا سائیں اللہ! تمھارے دیدار تو میسر ہوئے۔ اب خدا کے فضل سے امیدوار ہوں کہ خوشی اور خرمی حاصل ہو۔اور سب نامراد اپنی مراد کو پہنچیں،،۔

سر گذشت آزاد بخت پادشاہ کی

جب دوسرا درویش بھی اپنی سیر کا قصہ کہہ چکا ۔ رات آخر ہو گئی۔اور وقت صبح کا شروع ہونے پر آیا ۔ بادشاہآزاد بخت چپکا اپنے دولت خانے کی طرف روانہ ہوا۔محل میں پہنچکر نماز ادا کی ۔ پھر غسل خانے میں جا خلعت فاخرہ پہن کر دیوان عام میں تخت پر نکل بیٹھا۔ اور حکم کیا ۔ کہ ''یساول جاوے ۔ چار فقیر فلانے مکان پر وارد ہیں ۔ ان کو بعزت اپنے ساتھ حضور میں لے آوے ۔،، بموجب حکم کے چوبدار وہاں گیا ۔ دیکھا تو چاروں بے نوا جھاڑا جھٹکا پھر، ہاتھ منہ دھوکر، چاہتے ہیں کہ دیا کریں اور اپنی اپنی راہ لیں ۔ چیلے نے کہا ''شاہ جی! بادشاہ نے چاروں صورتوں کو طلب فرمایا ھے ۔ میرے ساتھ چلئے ۔،، چاروں درویش آپس میں ایک ایک کو تکنے لگا ۔ اور چوبدار سے کہا۔ ''بابا! ہم اپنے دل کے بادشاہ ہیں ۔ ہمیں دنیا کے بادشاہ سے کیا کام ھے؟،، اس نے کہا ''میاں اللہ! مضایقہ نہیں ۔ اگر چلو تو اچھا ھے،،۔

اتنے میں چاروں کو یاد آیا کہ مولا مرتضیٰ نے جو فرمایا تھا سو اب پیش آیا ۔ خوش ہوئے اور یساول کے ہمراہ چلے ۔ جب قلعے میں پہنچے اور رو برو پادشاہ کے گئے ۔ چاروں قلندروں نے دعا دی کہ ''بابا! تیرا بھلا ہو ۔،، پادشاہ دیوان خاص میں جا بیٹھے ۔اور دو چار خاص امیروں کو بلایا اور فرمایا ۔ کہ ''چاروں گدڑی پوشوں کو بلاؤ''۔ جب وہاں گئے حکم بیٹھنے کا کیا ۔ احوال پرسی فرمائی

کہ ''تمھارا کہاں سے آنا ہوا۔ اور کہاں کا ارادہ ہے؟ مکان مرشدوں کے کہاں ہیں؟''

انھوں نے کہا کہ ''پادشاہ کی عمر و دولت زیادہ رہے۔ ہم فقیر ہیں۔ ایک مدت سے اسی طرح سیر و سفر کرتے پھرتے ہیں۔ خانہ بدوش ہیں۔ وہ مثل ہے فقیر کو جہاں شام ہوئی وہیں گھر ہے۔ اور جو کچھ اس دنیائے ناپائدار میں دیکھا ہے۔ کہاں تک بیان کریں''۔

آزاد بخت نے بہت تسلی اور تشفی کی۔ اور کھانے کو منگوا کر اپنے رو برو ناشتہ کروایا۔ جب فارغ ہوئے پھر فرمایا کہ ''اپنا ماجرا تمام بے کم و کاست مجھ سے کہو۔ جو مجھ سے تمھاری خدمت ہو سکیگی قصور نہ کرونگا۔'' فقیروں نے جواب دیا کہ ''ہم پر جو جو کچھ بیتا ہے۔ نہ ہمیں بیان کرنے کی طاقت ہے۔ اور نہ پادشاہ کو سننے سے فرحت ہوگی۔ اسکو معاف کیجئے۔'' تب پادشاہ نے تبسم کیا اور کہا۔ ''شب کو جہاں تم بستروں پر بیٹھے اپنا اپنا احوال کہہ رہے تھے۔ وہاں میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ دو درویشوں کا احوال سن چکا ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ یہ دونوں جو باقی ہیں وے بھی کہیں۔ اور چند روز بخاطر جمع میرے پاس رہیں۔ کہ قدم درویشاں رد بلا ہے۔'' پادشاہ سے یہ بات سنتے ہی مارے خوف کے کانپنے لگے۔ اور سر نیچے کرکے چپ ہو رہے۔ طاقت گویائی کی نہ رہی۔

آزاد بخت نے جب دیکھا کہ اب ان میں مارے رعب کے حواس نہیں رہے جو کچھ بولیں۔ فرمایا کہ ''اس جہان میں کوئی

سر گزشت آزاد بخت پادشاہ کی

خص ایسا نہ ہوگا جسپر ایک نہ ایک واردات عجیب و غریب
ہ ہوئی ہوگی۔ باوجودیکہ میں پادشاہ ہوں لیکن میں نے بھی
یسا تماشا دیکھا ھے کہ پہلے میں ھی اس کا بیان کرتا ہوں۔ تم
خاطر جمع سنو۔" درویشوں نے کہا "پادشاہ سلامت! آپ کا الطاف
قیروں کے حال پر ایسا ھے۔ ارشاد فرمائیے۔" آزاد بخت نے اپنا احوال
روع کیا۔ اور کہا۔

"اے شاھو! پادشاہ کا اب ماجرا سنو
جو کچھ کہ میں نے دیکھا ھے۔اور ھےسنا، سنو

کہتا ہوں میں فقیروں کی خدمت میں سربسر
احوال میرا ۔ خوب طرح ، دل لگا سنو

میرے قبلہ گاہ نے جب وفات پائی اور میں اس تخت پر بیٹھا
ین عالم شباب کا تھا ۔ اور سارا یہ ملک روم کا میرے حکم میں
تھا ۔ اتفاقاً ایک سال کوئی سوداگر بدخشاں کے ملک سے آیا ۔ اور
سباب تجارت کا بہت سا لایا ۔ خبرداروں نے میرے حضور میں خبر کی
کہ ایسا بڑا تاجر آج تک شہر میں نہیں آیا ۔ میں نے اسکو طلب
رمایا۔

وہ تحفے ھر ایک ملک کے لائق میری نذر کے لیکر آیا ۔
ی الواقع ھر ایک جنس بے بہا نظر آئی ۔ چنانچہ ایک ڈبیا میں ایک
عل تھا۔ نہایت خوشرنگ اور آبدار، قد و قامت درست اور وزن میں
پانچ مثقال کا ۔ میں نے باوجود سلطنت کے ایسا جواھر کبھو نہ
دیکھا تھا۔ اور نہ کسو سے سنا تھا۔ پسند کیا ۔ سوداگر کو بہت سا
انعام و اکرام دیا اور سند راھداری کی لکھ دی کہ اس سے ھماری

تمام قلمرو میں کوئی مزاحم محصول کا نہ ہو۔اور جہاں جاوے اسکو آرام سے رکھیں ۔ چوکی پہرے میں حاضر رہیں ۔ اسکا نقصان اپنا نقصان سمجھیں ۔ وہ تاجر حضور میں دربار کے وقت حاضر رہتا۔ اور آداب سلطنت سے خوب واقف تھا۔ اور تقریر و خوشگوئی اسکی لائق سننے کی تھی۔ اور میں اس لعل کو ہر روز جواہر خانے سے منگوا کر سر دربار دیکھا کرتا۔

ایک روز دیوان عام لئے بیٹھا تھا ۔ اور امرا ارکان دولت اپنے اپنے پائے پر کھڑے تھے۔ اور ہر ملک کے بادشاہوں کے ایلچی مبارکباد کی خاطر جو آئے تھے۔ وہ بھی سب حاضر تھے ۔ اس وقت میں نے موافق معمول کے اس لعل کو منگوایا ۔ جواہر خانے کا داروغہ لیکر آیا۔ میں ہاتھ میں لیکر تعریف کرنے لگا۔ اور فرنگ کے ایلچی کو دیا ۔ ان نے دیکھکر تبسم کیا اور زمانہ سازی سے صفت کی ۔ اسی طرح ہاتھوں ہاتھ ہر ایک نے لیا اور دیکھا اور ایک زبان ہوکر بولے ۔کہ قبلۂ عالم کے اقبال کے باعث یہ میسر ہوا ہے۔ و الاّ نہ کسو پادشاہ کے ہاتھ آج تک ایسا رقم بے بہا نہیں لگا ۔ اسوقت میرے قبلہ گاہ کا وزیر کہ مرد دانا تھا۔ اور اسی خدمت پر سرفراز تھا ۔ وزارت کی چوکی پر کھڑا تھا۔ آداب بجا لایا اور التماس کیا کہ ”کچھ عرض کیا چاہتا ہوں اگر جان بخشی ہو“۔

میں نے حکم کیا کہ ”کہہ۔“ وہ بولا ”قبلۂ عالم! آپ بادشاہ ہیں اور بادشاہوں سے بہت بعید ہے کہ ایک پتھر کی اتنی تعریف کریں ۔ اگرچہ رنگ ڈھنگ سنگ میں لاثانی ہے لیکن سنگ ہے ۔ اور اس دم سب ملکوں کے ایلچی دربار میں حاضر ہیں۔ جب

ے اپنے شہر میں جاوینگے البتہ یہ نقل کرینگے۔ کہ عجب
دشاہ ہے کہ ایک لعل کہیں سے پایا ہے۔ اسے ایسا تحفہ بنایا
ے کہ ہر روز رو برو منگاتا ہے۔ اور آپ اسکی تعریف کر کر سب کو
کھاتا ہے۔ پس جو بادشاہ یا راجہ یہ احوال سنے گا۔ اپنی مجلس
ں ہنسیگا۔ خداوند! ایک ادنا سوداگر نیشاپور میں ہے۔ اس نے
رہ دانے لعل کے کہ ہر ایک سات سات مثقال کا ہے پٹے میں
سب کر کر کتے کے گلے میں ڈال دئے ہیں۔،، مجھے سنتے ہی غصہ
ڑھ آیا۔ اور کھسیانے ہو کر فرمایا کہ ''اس وزیر کی گردن مارو،،۔۔

جلادوں نے وونہیں اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور چاہا کہ باہر
بجاویں۔ فرنگ کے بادشاہ کا ایک ایلچی دست بستہ رو برو
کھڑا ہوا۔ میں نے پوچھا کہ ''تیرا کیا مطلب ہے؟،، اس نے عرض
ی ''امیدوار ہوں کہ تقصیر سے وزیر کی واقف ہوں۔،، میں نے فرمایا کہ
'جھوٹ بولنے سے اور بڑا گناہ کون سا ہے۔ خصوصاً بادشاہوں کے
روبرو؟،، ان نے کہا۔ ''اس کا دروغ ثابت نہیں ہوا۔ شاید جو کچھ کہ
رض کی ہے سچ ہو۔ ابھی بے گناہ کا قتل کرنا درست نہیں۔،،
س کا میں نے یہ جواب دیا۔ کہ ''ہرگز عقل میں نہیں آتا ایک
تاجر کہ نفع کے واسطے شہر بشہر اور ملک بہ ملک خراب ہوتا
پھرتا ہے اور کوڑی کوڑی جمع کرتا ہے۔ بارہ دانے لعل کے جو
وزن میں سات سات مثقال کے ہوں۔ کتے کے پٹے میں لگاوے۔'' اس نے
کہا ''خدا کی قدرت سے تعجب نہیں۔ شاید کہ باشد۔ ایسے تحفے اکثر
سوداگروں اور فقیروں کے ہاتھ آتے ہیں۔ اسواسطے کہ یہ دونوں
ہر ایک ملک میں جاتے ہیں اور جہاں سے جو کچھ پاتے ہیں
لے آتے ہیں۔ صلاح دولت یہ ہے کہ اگر وزیر ایسا ہی

تقصیر وار ہے ۔ تو حکم قید کا ہو ۔ اس لئے کہ وزیر پادشاہوں کی عقل ہوتے ہیں ۔ اور یہ حرکت سلاطینوں سے بدنما ہے ۔ کہ ایسی بات پر کہ جھوٹھ سچ اس کا ابھی ثابت نہیں ہوا حکم قتل کا فرمائیں ۔ اور اسکی تمام عمر کی خدمت اور نمک حلالی بھول جائیں —

پادشاہ سلامت! اگلے سہرباروں نے بندیخانہ اسی سبب ایجاد کیا ہے ۔ کہ پادساہ یا سردار اگر کسو پر غضب ہوں تو اسے قید کریں ۔ کئی دن میں غصہ جاتا رہے گا اور بے تقصیری اسکی ظاہر ہوگی ۔ بادشاہ خون ناحق سے محفوظ رہینگے ۔ کل کو روز قیامت میں ماخوذ نہ ہوئنگے ،، میں نے جتنا اسکے قائل کرنے کو چاہا ۔ اسنے ایسی معقول گفتگو کی کہ مجھے لاجواب کیا ۔ تب میں نے کہا کہ ”خیر تیرا کہنا پذیرا ہوا ۔ میں خون سے اسکے در گذرا لیکن زندان میں مقید رہیگا ۔ اگر ایک سال کے عرصے میں اسکا سخن راست ہوا کہ اسے لعل کتّے کے گلے میں ہیں تو اسکی نجات ہوگی ۔ اور نہیں تو بڑے عذاب سے مارا جاوے گا ۔ فرمایا کہ وزیر کو بندی خانے میں لیجاؤ ،، یہ حکم سنکر ایلچی نے زمین خدمت کی چومی ۔ اور تسلیمات کی —

جب یہ خبر وزیر کے گھر میں گئی آہ و واویلا مچا ۔ اور ماتم سرا ہوگیا ۔ اس وزیر کی ایک بیٹی تھی برس چودہ پندرہ کی ۔ نہایت خوبصورت اور قابل ۔ نوشت خواند میں درست ۔ وزیر اسکو نپٹ پیار کرتا تھا اور عزیز رکھتا تھا ۔ چنانچہ اپنے دیوان خانے کے پچھواڑے ایک رنگ محل اسکی خاطر بنوا دیا تھا ۔ اور لڑکیاں عمدوں کی اسکی مصاحبت میں اور خواصیں شکیل خدمت میں رہتیں ۔ ان سے ہنسی خوشی کھیلا کودا کرتی —

اتفاقاً جس دن وزیر کو محبوس خانے میں بھیجا ۔ وہ لڑکی اپنی ہمجولیوں میں بیٹھی تھی ۔ اور خوشی سے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا ۔ اور ڈھولک پکھاوج لیئے ہوئے رت جگے کی تیاری کر رہی تھی ۔ اور کڑاھی چڑھا کر گلگلے اور رحم تلنی اور بنا رہی تھی ۔ کہ یکبارگی اسکی ماں روتی پیٹتی سر کھلے پاؤں ننگے بیٹی کے گھر میں گئی ۔ اور دو ہتڑ اس لڑکی کے سر پر ماری اور کہنے لگی ۔ ''کاش کہ تیرے بدلے خدا اندھا بیٹا دیتا ۔ تو میرا کلیجا ٹھنڈا ہوتا ۔ اور باپ کا رفیق ہوتا ۔'' وزیر زادی نے پوچھا ''اندھا بیٹا تمھارے کس کام آتا؟ جو کچھ بیٹا کرتا میں بھی کر سکتی ہوں ۔'' اماّ نے جواب دیا ''خاک تیرے سر پر ۔ باپ پر یہ بپتا بنی ہے کہ پادشاہ کے رو برو کچھ ایسی بات کہی کہ بندی خانے میں قید ہوا ۔'' اسنے پوچھا ''وہ کیا بات تھی؟ ذرا میں بھی سنوں ۔'' تب وزیر کے بیبلے نے کہا کہ ''تیرے باپ نے شاید یہ کہا کہ نیشاپور میں کوئی سوداگر ہے ۔ اسنے بارہ عدد لعل بے بہا کتے کے پٹے میں ٹانکے ہیں ۔ بادشاہ کو باور نہ ہوا ۔ اسے جھوٹا سمجھا اور اسیر کیا ۔ اگر آج کے دن بیٹا ہوتا تو ہر طرح سے کوشش کر کر اس بات کو تحقیق کرتا ۔ اور اپنے باپ کا اپرالا کرتا ۔ اور پادشاہ سے عرض معروض کرکے میرے خاوند کو بندت خانے سے مخلصی دلواتا ۔''

وزیرزادی بولی ۔ ''اماّ جان! تقدیر سے لڑا نہیں جاتا ۔ چاہئیے انسان بلائے ناگہانی میں صبر کرے ۔ اور امیدوار فضل الٰہی کا رہے ۔ وہ کریم ہے ۔ مشکل کسو کی اٹکی نہیں رکھتا ۔ اور رونا دھونا خوب نہیں ۔ مبادا دشمن اور طرح سے پادشاہ کے پاس لگاویں اور لترے چغلی کھاویں کہ باعث زیادہ خفگی کا ہو ۔ بلکہ جہاں پناہ کے حق میں

دعا کرو۔ ہم اسکے خانہ زاد ہیں۔ وہ ہمارا خداوند ہے۔ وہی غضب ہوا ہے وہی مہربان ہوگا۔'' اس لڑکی نے عقلمندی سے ایسی ایسی طرح ماں کو سمجھایا کہ کچھ اس کو صبر و قرار آیا۔ تب اپنے محل میں گئی اور چپکی ہورہی۔ جب رات ہوئی۔ وزیر زادی نے دادا کو بلایا۔ اسکے ہاتھ پاؤں پڑی، بہت سی منت کی اور رونے لگی اور کہا۔ ''میں یہ ارادہ رکھتی ہوں کہ اماّ جان کا طعنہ مجھپر نہ رہے۔ اور میرا باپ مخلصی پاوے۔ جو تو میرا رفیق ہو۔ تو میں نیشاپور کو چلوں۔ اور اس تاجر کو (جسکے کتے کے گلے میں ایسے لعل ہیں) دیکھکر جو بن آوے کراؤں۔ اور اپنے باپ کو چھڑاؤں''۔

پہلے تو اس مرد نے انکار کیا۔ آخر بہت کہنے سننے سے راضی ہوا۔ تب وزیر زادی نے فرمایا ''چپکے چپکے اسباب سفر کا درست کر۔ اور جنس تجارت کی لائق نذر بادشاہوں کے خرید کر۔ اور غلام و نوکر چاکر جتنے ضرور ہوں ساتھ لے۔ لیکن یہ بات کسو پر نہ کھلے۔'' دادا نے قبول کیا اور اس کی تیاری میں لگا۔ جب سب اسباب مہیا کیا۔ اونٹوں اور خچروں پر بار کر کر روانہ ہوا۔ اور وزیرزادی بھی لباس مردانہ پہنکر ساتھ جا ملی۔ ہرگز کسو کو گھر میں خبر نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی۔ وزیر کے محل میں چرچا ہوا کہ وزیرزادی غائب ہے، معلوم نہیں کیا ہوئی۔

آخر بدنامی کے ڈر سے ما نے بیٹی کا گم ہونا چھپایا۔ اور وہاں وزیرزادی نے اپنا نام سوداگر بچہ رکھا۔ منزل بہ منزل چلتے چلتے نیشاپور میں پہنچی۔ خوشی بہ خوشی کارواں سرا میں جا اتری۔ اور سب اپنا اسباب اتارا۔ رات کو رہی۔ فجر کو حمام میں گئی اور پوشاک پاکیزہ جیسے روم کے باشندے پہنتے ہیں پہنی۔ اور

ہر کی سیر کے واسطے نکلی۔ آتے آتے جب چوک میں پہنچی
ورا ھے پر کھڑی ہوئی۔ ایک طرف دوکان جوہری کی نظر پڑی
ـہ بہت سے جواہر کا ڈھیر لگ رہا ھے۔ اور غلام لباس فاخرہ
ہنے ہوئے دست بستہ کھڑے ھیں۔ اور ایک شخص جو سردار ھے۔
بس پچاس ایک کی اس کی عمر ھے۔ طالع سندوں کی سی خلعت اور
مہ آستیں پہنے ہوئے۔ اور کئی مصاحب باوضع نزدیک اسکے
کرسیوں پر بیٹھے ھیں۔ اور آپس میں باتیں کر رہے ھیں۔

وہ وزیرزادی (جس نے اپنے تئیں سوداگر بچہ کر مشہور کیا
ھا) اسے دیکھکر متعجب ہوئی۔ اور دل میں سمجھکر خوش ہوئی کہ
ہدا جھوٹ نہ کرے۔ جس سوداگر کا میرے باپ نے پادشاہ
سے مذکور کیا ھے۔ اغلب ھے کہ یہی ہو۔ بار خدایا! اسکا احوال
ھپر ظاہر کر۔ اتفاقاً ایکطرف جو دیکھا تو ایک دوکان ھے۔ اس میں
و پنجرے آہنی لٹکتے ھیں۔ اور ان دونوں میں دو آدمی قید ھیں۔
ن کی مجنوں کی سی صورت ہو رہی ھے۔ کہ چرم و استخوان باقی ھے
ور سر کے بال اور ناخن بڑھ گئے ھیں۔ سر اوندھائے بیٹھے ہیں اور
دو حبشی بد ہیئت مسلح دونوں طرف کھڑے ھیں۔ سوداگر بچے
کواچنبھا آیا۔ لاحول پڑھکر دوسری طرف جو دیکھا تو ایک دوکان
میں قالیچے بچھے ھیں۔ ان پر ایک چوکی ہاتھی دانت کی۔ اس پر
گدیلا مخمل کا پڑا ہوا۔ ایک کتا جواہر کا پٹا گلے میں اور سونے کی
زنجیر سے بندھا ہوا بیٹھا ھے۔ اور دو غلام امرد خوبصورت اسکی خدمت
کر رہے ھیں۔ ایک تو مورچھل جڑاؤ دستے کا لئے جھلتا ھے۔ اور دوسرا
رومال تارکشی کا ہاتھ میں لیکر منہ اور پاؤں اسکا پونچھ رہا ھے۔
سوداگر بچے نے خوب غور کرکرجو دیکھا۔ تو پٹے میں کتے کے

بارھوں دانے لعل کے جیسے سنے تھے موجود ھیں ۔ شکر خدا کا کیا اور فکر میں گیا کہ کس صورت سے ان لعلوں کو پادشاہ پاس لیجاؤں اور دکھا کر اپنے باپ کو چھڑاؤں؟ یہ تو اس حیرانی میں تھا اور تمام خلقت چوک اور رستے کی اسکا حسن و جمال دیکھکر حیران تھی۔ اور ھکا بکا ھورھی تھی ۔ سب آدمی آپس میں یہ چرچا کرتے تھے۔ کہ آج تلک اس صورت و شبیہہ کا انسان نظر نہیں آیا ۔ اس خواجہ نے بھی دیکھا ۔ ایک غلام کو بھیجا کہ تو جا کر بمنت اس سوداگر بچے کو میرے پاس بلا لا۔

وہ غلام آیا اور خواجہ کا پیام لایا۔ کہ ''اگر مہربانی فرمائیے تو ھمارا خداوند، صاحب کا مشتاق ھے ۔ چلکر ملاقات کیجئے۔'' سوداگر بچہ تو یہ چاھتا ھی تھا۔ بولا'' کیا مضائقہ؟'' جونہیں خواجہ کے نزدیک آیا اور اس پر خواجہ کی نظر پڑی ۔ ایک برچھی عشق کی سینے میں گڑی ۔ تعظیم کی خاطر سر و قد اٹھا لیکن حواس باختہ۔ سوداگر بچے نے دریافت کیا کہ اب بہ دام میں آیا ۔ آپس میں بغلگیری ھوئی ۔ خواجہ نے سوداگر بچے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اپنے برابر بٹھایا ۔ بہت سا تملق کرکے پوچھا کہ ''اپنے نام و نسب سے مجھے آگاہ کرو ۔ کہاں سے آنا ھوا اور کہاں کا ارادہ ھے؟'' سوداگر بچہ بولا کہ ''اس کمترین کا وطن روم ھے ۔ اور قدیم سے استنبول زادبوم ھے۔ میرے قبلہ گاہ سوداگر ھیں ۔ اب بہ سبب پیری کے طاقت سیر و سفر کی نہیں رھی ۔ اس واسطے مجھے رخصت کیا ھے کہ کار بار تجارت کا سیکھوں ۔ آج تلک میں نے قدم گھر سے باھر نہ نکالا تھا ۔ یہ پہلا ھی سفر درپیش ھوا ۔ دریا کی راہ ھواؤ نہ پڑا۔

شکی کی طرف سے قصد کیا لیکن اس عجم کے ملک میں آپ کے
خلاق اور خوبیوں کا جو شور ہے ۔ محض صاحب کی ملاقات کی آرزو
یں یہاں تک آیا ہوں ۔ بارے فضل الہی سے خدمت شریف میں
شرف ہوا ۔ اور اس سے زیادہ پایا ۔ تمنا دل کی بر آئی ۔ خدا
سلامت رکھے ۔ اب یہاں سے کوچ کرونگا''۔

یہ سنتے ہی خواجہ کے عقل و ہوش جاتے رہے۔ بولا کہ ''اے
رزند! ایسی بات مجھے نہ سناؤ۔ کوئی دن غریب خانے میں کرم
رماؤ۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تمھارا اسباب اور نوکر جاکر کہاں ہیں؟''
سوداگر بچے نے کہا کہ ''مسافر کا گھر سرا ہے۔ انہیں وہاں
چھوڑ کر میں آپ کے پاس آیا ہوں۔'' خواجہ نے کہا کہ
'بھٹھیار خانے میں رہنا مناسب نہیں۔ میرا اس شہر میں اعتبار ہے
ور بڑا نام ہے۔ جلد انہیں بلوالو۔ میں ایک مکان تمھارے اسباب کے
ئیے خالی کر دیتا ہوں ۔ جو کچھ جنس لائے ہو۔میں دیکھوں۔
یسی تدبیر کروں گا کہ یہیں تمہیں بہت سا نفع ملے ۔ تم بھی
خوش ہوگے اور سفر کے ہرج مرج سے بچوگے ۔ اور مجھے بھی چند
روز رہنے سے اپنا احسان مند کروگے۔'' سوداگر بچے نے اوپری دل
سے عذر کیا لیکن خواجہ نے پذیرا نہ کیا۔ اور اپنے گماشتے کو
فرمایا کہ ''باربردار جلد بھیجو اور کاروان سرا سے ان کا اسباب
منگوا کر فلانے مکان میں رکھواؤ''۔

سوداگر بچے نے ایک زنگی غلام کو ان کے ساتھ کردیا کہ
سب مال و متاع لدوا کر لے آ۔ اور آپ شام تلک خواجہ کے ساتھ
بیٹھا رہا ۔ جب گذری کا وقت ہوچکا ۔ اور دوکان بڑھائی ۔ خواجہ

گھر کو چلا - تب دونوں غلاموں میں سے ایک نے کتے کو بغل میں لیا - دوسرے نے کرسی اور قالیچہ اٹھالیا - اور ان دونوں حبشی غلاموں نے اس پنجرے کو مزدوروں کے سرپر دھر دیا - اور آپ پانچوں ھتھیار باندھے ساتھ ھوئے - حواجہ سوداگر بچے کا ھاتھ ھاتھ میں لئیے باتیں کرتا ھوا حویلی میں آیا--

سوداگر بچے نے دیکھا کہ مکان عالیشان لائق پادشاھوں یا امیروں کے ھے - لب نہر فرش چاندنی کا بچھا ھے - اور مسند کے رو برو اسباب عیش کا چنا ھے - کتے کی صندلی بھی اسی جگہ بچھائی - اور خواجہ، سوداگر بچے کو لیکر بیٹھا - بے تکلف تواضع شراب کی کی - دونوں پینے لگے - جب سرخوش ھوئے تب خواجہ نے کھانا مانگا - دسترخوان بچھا اور دنیا کی نعمت چنی گئی - پہلے ایک لنگری میں کھانا لیکر سرپوش طلائی ڈھانپ کر کتے کے واسطے لیگئے - اور ایک دسترخوان زربفت کا بچھا کر اس کے آگے دھر دی - کتا صندلی سے نیچے اتر جتنا چاھا اتنا کھایا - اور سونے کی لگن میں پانی پیا - پھر چوکی پر جا بیٹھا - غلاموں نے رومال سے ھاتھ منھ اس کا پاک کیا - پھر اس طباق اور لگن کو غلام پنجرے کے نزدیک لے گئیے - اور خواجہ سے کنجی مانگ کر قفل قفس کا کھولا--

ان دونوں انسانوں کو باھر نکالکر کئی سونٹے مار کر کتے کا جھوٹا انھیں کھلایا اور وھی پانی پلایا - پھر تالا بند کرکر تالی خواجہ کے حوالے کی - جب یہ سب ھوچکا تب خواجہ نے آپ کھانا شروع کیا - سوداگر بچے کو یہ حرکت پسند نہ آئی - گھن کھاکر ھاتھ کھانے میں نہ ڈالا - ھرچند خواجہ نے منت کی پر اسنے انکار ھی کیا - تب خواجہ نے سبب اسکا پوچھا کہ "تم

ون نہیں کھاتے؟،، سوداگر بچے نے کہا۔''یہ حرکت تمھاری
ے تئیں بد نما معلوم ہوئی۔ اسلئیے کہ انسان اشرف‌المخلوقات ھے۔
کتا نجس‌العین ھے ۔ پس خدا کے دو بندوں کو کتے کا جھوٹا
ھلانا کس مذھب و ملت میں روا ھے؟ فقط یہ غنیمت نہیں جانتے
ہ وے تمھارے قید میں ھیں؟ نہیں تو تم اور وے برابر ھیں۔
، میرے تئیں شک* آئی کہ تم مسلمان نہیں۔ کیا جانوں کون ھو
ہ کتے کو پوجتے ھو؟ مجھے تمھارا کھانا کھانا مکروہ ھے
ب تلک یہ شبہہ دل سے دور نہ ھو،،۔

خواجہ نے کہا''اے بابا! جو کچھ کہتا ھے میں یہ سب
جھتا ھوں ۔ اور اسی خاطر بدنام ھوں کہ اس شہر کی خلقت
؛ میرا نام خواجہ سگ پرست رکھا ھے۔ اسی طرح پکارتے ھیں۔
ر مشہور کیا ھے ۔ لیکن خدا کی لعنت کافروں اور مشرکوں پر
ِجیو۔ کلمہ پڑھا اور سوداگر بچے کی خاطر جمع کی ۔ تب سوداگر
ے نے پوچھا کہ اگر مسلمان بہ دل ھو۔ تو اس کا کیا باعث ھے
سی حرکت کرکے اپنے تئیں بدنام کیا ھے ؟،، خواجہ نے کہا ''اے
زند! نام میرا بدنام ھے ۔ اور د گنا محصول اس شہر میں بھرتا ھوں۔
ی واسطے کہ یہ بھید کسو پر ظاھر نہ ھو۔ عجب یہ ماجرا
ے کہ جو کوئی سنے سوائے غم اور غصے کے اسے کچھ اور
اصل نہ ھو۔ تو بھی مجھے معاف رکھ۔ کہ نہ مجھ میں قدرت
ہنے کی اور نہ تجھ میں طاقت سننے کی رھیگی ۔،، سوداگر بچے
ۓ اپنے دل میں غور کی کہ مجھے اپنے کام سے کام ھے۔ کیا ضرور
ے جو ناحق میں زیادہ مجوز ھوں بولا ''خیر اگر لائق کہنے کے

---

* شک ۔ مذکر ھے

نہیں تو نہ کہئیے۔'' کھانے میں ہاتھ ڈالا۔ اور نوالہ اٹھا کر کھانے لگا۔ دو مہینے تک اس ہوشیاری اور عقلمندی سے سوداگر بچے نے خواجہ کے ساتھ گذران کی کہ کسو پر ہرگز نہ کھلا کہ یہ عورت ہے۔ سب یہی جانتے تھے کہ مرد ہے۔ اور خواجہ سے روز بروز ایسی محبت زیادہ ہوئی کہ ایکدم اپنی آنکھوں سے جدا نہ کرتا۔

ایک دن عین مئے نوشی کی صحبت میں سوداگر بچے نے رونا شروع کیا۔ خواجہ نے دیکھتے ہی خاطر داری کی اور رومال سے آنسو پونچھنے لگا۔ اور سبب گریہ کا پوچھا۔ سوداگر بچے نے کہا ''اے قبلہ! کیا کہوں؟ کاش کہ تمہاری خدمت میں بندگی پیدا نہ کی ہوتی۔ اور یہ شفقت جو صاحب میرے حق میں کرتے ہیں نہ کرتے۔ اب دو مشکلیں میرے پیش آئی ہیں۔ نہ تمہاری خدمت سے جدا ہونے کو جی چاہتا ہے۔ اور نہ رہنے کا اتفاق یہاں ہو سکتا ہے۔ اب جانا ضرور ہوا۔ لیکن آپ کی جدائی سے امید زندگی کی نظر نہیں آتی۔''

یہ بات سنکر خواجہ بے اختیار ایسا رونے لگا کہ ہچکی بندھ گئی۔ اور بولا کہ ''اے نور چشم! ایسی جلدی اپنے بوڑھے خادم سے سیر ہوئے کہ اسے دلگیر کئے جاتے ہو؟ قصد روانہ ہونے کا دل سے دور کرو۔ جب تلک میری زندگی ہے رہو۔ تمہاری جدائی سے ایک دم میں جیتا نہ رہونگا۔ بغیر اجل کے مرجاؤنگا۔ اور اس ملک فارس کی آب و ہوا بہت خوب اور موافق ہے۔ بہتر تو یوں ہے کہ ایک آدمی معتبر بھیج کر اپنے والدین

کو مع اسباب یہیں بلوالو ۔ جو کچھ سواری اور برداری درکار ہو۔ میں موجود کروں ۔ جب ما باپ تمہارے اور گھر بار سب آئے۔ اپنی خوشی سے کارو بار تجارت کا کیا کریو۔ میں نے بھی اس عمر میں زمانے کی بہت سختیاں کھینچیں ہیں۔ اور ملک ملک پھرا ہوں ۔ اب بوڑھا ہوا ۔ فرزند نہیں رکھتا ۔ میں تجھے بہتر اپنے بیٹے سے جانتا ہوں۔ اور اپنا ولی عہد و مختار کرتا ہوں ۔ میرے کارخانے سے بھی ہوشیار اور خبردار ہو۔ جب تلک جیتا ہوں۔ ایک ٹکڑا کھانے کو اپنے ہاتھ سے دو ۔ جب مر جاؤں داب گاڑ دیجو۔ اور سب مال و مناع میرا لیجو''۔

تب سوداگر بچے نے جواب دیا کہ''واقعی صاحب نے زیادہ باپ سے میری غمخواری اور خاطر داری کی کہ مجھے ما باپ بھول گئے۔لیکن اس عاصی کے والد نے ایک سال کی رخصت دی تھی۔ اگر دیر لگاؤنگا تو وے اس پیری میں روتے روتے مر جائینگے۔ پس رضامندی پدر کی خوشنودی خدا کی ہے۔اور اگر وہ مجھسے ناراضی ہونگے۔ تو میں ڈرتا ہوں کہ شاید دعائے بد نہ کریں کہ دونوں جہاں میں خدا کی رحمت سے محروم رہوں۔

اب آپ کی یہی شفقت ہے کہ بندے کو حکم کیجئے کہ فرمانا قبلہ گاہ کا بجا لاوے۔اور حق پدری سے ادا ہووے۔اور صاحب کی توجہ کا ادائے شکر جب تلک دم میں دم ہے میری گردن پر ہے ۔ اگر اپنے ملک میں بھی جاؤں گا تو ہر دم دل و جان سے یاد کیا کروں گا ۔ خدا مسبب الاسباب ہے۔ شاید پھر کوئی ایسا سبب ہو کہ قدم بوسی حاصل کروں ۔،، غرض سوداگر بچے نے ایسی ایسی باتیں لون مرچیں لگا کر خواجہ کو سنائیں کہ وہ بیچارہ

لاچار ہوکر ہونٹھ چاٹنے لگا۔ از بسکہ اسپر شیفتہ اور فریفتہ ہو رہا تھا۔ کہنے لگا ''اچھا۔ اگر تم نہیں رہتے ہو تو میں ہی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ میں تجھکو اپنی جان کے برابر جانتا ہوں۔ پس جب جان چلی جاوے تو خالی بدن کس کام آوے؟ اگر تو اسی میں رضا مند ہے تو چل۔ اور مجھے بھی لیچل۔'' سوداگر بچے سے یہ کہکر اپنی بھی تیاری سفر کی کرنے لگا۔ اور گماشتوں کو حکم کیا کہ ''بار برداری کی فکر جلدی کرو''۔

جب خواجہ کے چلنے کی خبر مشہور ہوئی۔ وہاں کے سوداگروں نے سنکر سب نے تہیّہ سفر کا کیا۔ خواجہ سگ پرست نے گنج اور جواہر بیشمار نوکر اور غلام انگنت تحفے اور اسباب شاہانہ بہت سا ساتھ لیکر شہر کے باہر تنبو اور قنات اور بیجوبے اور سراپردے اور گندلے کھڑے کرواکر ان میں داخل ہوا۔ جتنے تجار تھے اپنی اپنی بساط موافق مال سوداگری کا لیکر ہمراہ ہوئے۔ برائے خود ایک لشکر ہوگیا۔

ایک دن جوگِنی کو پیٹھ دیکر وہاں سے کوچ کیا۔ ہزاروں اونٹوں پر شلیتے اسباب کے اور خچروں پر صندوق نقد جواہر کے لادکر پانچ سو غلام دشت قبچاق اور زنگ و روم کے مسلح، صاحب شمشیر، تازی اور ترکی و عراق و عربی گھوڑوں پر چڑھکر چلے۔ سب کے پیچھے خواجہ اور سوداگر بچہ خلعت فاخرہ پہنے سکھپال پر سوار اور ایک تخت بغدادی اونٹ پر کسا اس پر کتا مسند پر سویا ہوا۔ اور ان دونوں قیدیوں کے قفس ایک شتر پر لٹکائے ہوئے روانہ ہوئے۔ جس منزل میں پہنچتے سب سوداگر خواجہ کی بارگاہ میں آکر حاضر ہوتے۔ اور دسترخوان پر کھانا کھاتے اور شراب پیتے۔ خواجہ،

سر گزشت آزاد بخت پادشاہ کی

سوداگر بچے کے ساتھ ہونے کی خوشی میں شکر خدا کا کرتا اور کوچ در کوچ چلا جاتا تھا ۔ بارے بخیر و عافیت نزدیک قسطنطنیہ کے آپہنچے۔ باہر شہر کے مقام کیا ۔ سوداگر بچے نے کہا ''اے قبلہ! اگر رخصت دیجئیے تو میں جاکر ما باپ کو دیکھوں ۔ اور مکان صاحب کے واسطے خالی کروں ۔ جب مزاج سامی میں آوے شہر میں داخل ہوجئیے''—

خواجہ نے کہا ''تمھاری خاطر تو میں یہاں آیا۔ اچھا۔ جلد مل جل کر میرے پاس آؤ۔ اور اپنے نزدیک میرے اترنے کو مکان دو ۔'' سوداگر بچہ رخصت ہوکر اپنے گھر میں آیا ۔ سب وزیر کے محل کے آدمی حیران ہوئے کہ یہ مرد کون گھس آیا ۔ سوداگر بچہ (یعنی بیٹی وزیر کی) اپنی ما کے پاؤں پر جا گری اور روئی اور بولی۔ کہ ''میں تمھاری جائی ہوں ۔'' سننے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ ''اے تتری! تو بڑی شتاّ ہو نکلی ۔ اپنا منہ تونے کالا کیا۔ اور خاندان کو رسوا کیا۔ ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر صبر کرکے تجھسے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ جا دفع ہو''—

تب وزیر زادی نے سر پر سے پگڑی اتار کر پھینک دی اور بولی۔ ''اے اماّ جان! میں بری جگہ نہیں گئی ۔کچھ بدی نہیں کی ۔ تمھارے بموجب فرمانے کے بابا کو قید سے چھڑانے کی خاطر یہ سب فکر کی ۔ الحمد للہ! کہ تمھاری دعاکی برکت سے اور اللہ کے فضل سے پورا کام کرکے آئی ہوں ۔ کہ نیشاپور سے اس سوداگر کو بمع کتے (جسکے گلے میں وے لعل پڑے ہیں) اپنے ساتھ لائی ہوں۔ اور تمھاری امانت میں بھی خیانت نہیں کی ۔ سفر کے لئے مردانہ بھیس کیا ہے ۔ اب ایک روز کا کام باقی ہے ۔ وہ کرکر قبلہ گاہ کو

بندتخانے سے چھڑاتی ہوں ۔ اور اپنے گھر میں آتی ہوں۔ اگر حکم ہو تو پھر جاؤں اور ایک روز باہر رہ خدمت میں آؤں ۔'' ما نے جب خوب معلوم کیا کہ میری بیٹی نے مردوں کا کام کیا ۔ اور اپنے تئیں سب طرح سلامت و محفوظ رکھا ہے۔ خدا کی درگاہ میں نک گھسنی کی ۔ اور خوش ہوکر بیٹی کو چھاتی سے لگا لیا اور منہ چوما۔ بلائیں لیں دعائیں دیں اور رخصت کیا۔ کہ ''تو جو مناسب جان سوکر۔ میری خاطر جمع ہوئی''۔

وزیر زادی پھر سوداگر بچہ بنکر خواجہ سگ پرست پاس چلی ۔ وہاں خواجہ کو جدائی اسکی از بسکہ شاق ہوئی۔ بے اختیار ہوکر کوچ کیا ۔ اتفاقاً نزدیک شہر کے ادھر سے سوداگر بچہ جاتا تھا۔ اور ادھر سے خواجہ آتا تھا ۔ عین راہ میں ملاقات ہوئی۔ خواجہ نے دیکھتے ہی کہا ۔ ''بابا! مجھ بوڑھے کو اکیلا چھوڑکر کہاں گیا تھا؟'' سوداگر بچہ بولا ''آپ سے اجازت لیکر اپنے گھر گیا تھا ۔ آخر ملازمت کے اشتیاق نے وہاں رہنے نہ دیا۔ آکر حاضر ہوا ۔'' شہر کے دروازے پر دریا کے کنارے ایک باغ سایہ دار دیکھکر خیمہ استاد کیا اور وہیں اترے ۔ خواجہ اور سوداگر بچہ باہم بیٹھکر شراب و کباب پینے کھانے لگے ۔ جب عصر کا وقت ہوا ۔ سیر تماشے کی خاطر خیمے سے نکلکر صندلیوں پر بیٹھے۔ اتفاقاً ایک قراول بادشاہی ادھر آ نکلا ۔ ان کا لشکر اور نشست و برخاست دیکھکر اچنبھے ہو رہا اور دل میں کہا۔ شاید ایلچی کسو بادشاہ کا آیا ہے۔ کھڑا تماشا دیکھتا رہا۔

خواجہ کے شاطر نے اسکو آگے بلایا اور پوچھا کہ ''تو کون ہے؟'' اسنے کہا کہ ''میں بادشاہ کا میر شکار ہوں ۔'' شاطر نے خواجہ سے

اس کا احوال کہا۔ خواجہ نے ایک غلام کافری کو کہا کہ ”جاکر بازدار سے کہہ۔ کہ ہم مسافر ہیں۔اگر جی چاہے تو آؤ بیٹھو۔ قہوہ قلیان حاضر ہے۔“ جب میر شکار نے نام سوداگر کا سنا زیادہ متعجب ہوا۔ اور بتیم کے ساتھ خواجہ کی مجلس میں آیا۔ لوازم اور شان و شوکت اور سپاہ و غلام دیکھے۔ خواجہ اور سوداگر بچے کو سلام کیا اور مرتبہ سگ کا نگاہ کیا۔ ہوش اسکے جاتے رہے۔ ھکا بکا سا ہوگیا۔ خواجہ نے اپنے بٹھلا کر قہوے کی ضیافت کی۔ قراول نے نام و نشان خواجہ کا پوچھا۔ جب رخصت مانگی خواجہ نے کئی تھان اور کچھ تحفے اسکو دیکر اجازت دی۔ صبح کو جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ درباریوں سے خواجہ سوداگر کا ذکر کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ مجھکو خبر ہوئی۔ میر شکار کو میں نے رو برو طلب کیا اور سوداگر کا احوال پوچھا۔

اس نے جو کچھ دیکھا تھا عرض کیا۔ سننے سے کتے کے تجمل کے اور دو آدمیوں کے پنجرے میں قید ہونے کے مجھکو خفگی آئی۔ میں نے فرمایا۔ ”وہ مردود تاجر واجب القتل ہے۔“ نسقچیوں کو حکم کیا کہ ”جلد جاؤ۔ اس بے دین کا سر کاٹ لاؤ۔“ قضاکار وہی ایلچی فرنگ کا دربار میں حاضر تھا۔ مسکرایا۔ مجھے اور بھی غضب زیادہ ہوا۔ فرمایا کہ ”اے بے ادب! پادشاہوں کے حضور میں بے سبب دانت کھولنے ادب سے باہر ہیں۔ بے محل ہنسنے سے رونا بہتر ہے۔“ اس نے التماس کیا۔ ”جہاں پناہ! کئی باتیں خیال میں گذریں۔ لہذا فدوی متبسم ہوا۔ پہلے یہ کہ وزیر سچا ہے، اب قید خانے سے رہائی پاویگا۔ دوسرے یہ کہ پادشاہ خون ناحق سے اس وزیر کی بچے۔ تیسرے یہ کہ قبلۂ عالم نے

بے سبب اور بے تقصیر اس سوداگر کو حکم قتل کا کیا۔ ان حرکتوں سے تعجب آیا کہ بے تحقیق ایک بے وقوف کے کہنے سے آپ ہر کسو کو حکم قتل کا کر بیٹھتے ہیں۔ خدا جانے فی الحقیقت اس خواجہ کا احوال کیا ہے! اسے حضور میں طلب کیجئیے۔اور اسکی واردات پوچھئیے۔ اگر تقصیر وار ٹھہرے تب مختار ہو۔جو مرضی میں آوے اس سے سلوک کیجیئے،،۔

جب ایلچی نے اسطرح سے سمجھایا۔مجھے بھی وزیر کا کہنا یاد آیا۔فرمایا ،،جلد سوداگر کو اسکے بیٹے کے ساتھ اور وہ سگ اور قفس حاضر کرو۔،، فورجی اسکے بلانے کو دوڑائے۔ایک دم میں سب کو حضور میں لے آئے۔ رو برو طلب کیا۔ پہلے خواجہ اور اسکا پسر آیا۔ دونوں لباس فاخرہ پہنے ہوئے۔ سوداگر بچے کا جمال دیکھنے سے سب ادنا اعلا حیران اور بھیچک ہوئے۔ ایک خوان طلائی جواہر سے بھرا ہوا (کہ ہر ایک رقم کی چھوٹ نے سارے مکان کو روشن کردیا) سوداگر بچہ ہاتھ میں لئیے آیا۔اور میرے تخت کے آگے نچھاور کیا۔ آداب کورنشات بجا لاکر کھڑا ہوا۔ خواجہ نے بھی زمین چومی اور دعا کرنے لگا۔اس گویائی سے بولتا تھا کہ گویا بلبل ہزار داستان ہے۔ میں نے اسکی لیاقت کو بہت پسند کیا۔ لیکن عتاب کے رو سے کہا۔ ،،اے شیطان آدمی کی صورت! تونے یہ کیا جال پھیلایا ہے۔اور اپنی راہ میں کنوأں کھودا ہے؟ تیرا کیا دین ہے اور یہ کون آئین ہے؟ کس پیغمبر کی امت ہے؟ اگر کافر ہے تو بھی یہ کیسی مت ہے۔ اور تیرا کیا نام ہے کہ تیرا یہ کام ہے،،۔

ان نے کہا ''قبلہ عالم کی عمر و دولت بڑھتی رہے۔غلام کا دین یہ ہے ۔کہ خدا واحد ہے۔ اسکا کوئی شریک نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا کلمہ پڑھتا ہوں۔ اور اسکے بعد بارہ امام کو اپنا پیشوا جانتا ہوں۔ اور آئین میری* یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں۔اور روزہ رکھتا ہوں۔ اور حج بھی کر آیا ہوں۔ اور اپنے مال سے خمس زکواۃ دیتا ہوں۔ اور مسلمان کہا تا ہوں۔ لیکن ظاہر میں یہ سارے عیب جو مجھ میں بھرے ہیں۔ جنکے سبب سے آپ ناخوش ہوئے ہیں اور تمام خلق اللہ میں بدنام ہو رہا ہوں۔ اسکا ایک باعث ہے کہ ظاہر نہیں کر سکتا ۔ ہر چند ملک پرست مشہور ہوں اور مضاعف محصول دیتا ہوں یہ سب قبول کیا ہے ۔ پر دل کا بھید کسو سے نہیں کہا ۔'' اس بہانے سے میرا غصہ زیادہ ہوا اور کہا۔ ''مجھے تو باتوں میں پھسلاتا ہے۔میں نہیں مانتے کا جب تلک اس اپنی گمراہی کی دلیل معقول عرض نہ کرے کہ میرے دل نشیں ہو ۔ تب تو جان سے بچیگا ۔ نہیں تو سکے قصاص میں تیرا پیٹ چاک کرواؤنگا ۔ تو سب کو عبرت ہو کہ بار دیگر کوئی دین محمدی میں رخنہ نہ کرے''

خواجہ نے کہا ۔ ''اے پادشاہ! مجھ کمبخت کے خون سے در گذر کر۔ اور جتنا مال میرا ہے کہ گنتی اور شمار سے باہر ہے سب کو ضبط کرلے۔ اور مجھے اور میرے بیٹے کو اپنے تخت کے تصدق کرکر چھوڑ دے اور جان بخشی کر ۔'' میں نے تبسم کرکے کہا۔ ''اے بیوقوف! اپنے مال کی طمع مجھے دکھاتا ہے۔ سوائے

---

* آئین مذکر ہے

سچ بولنے کے اب تیری مخلصی نہیں۔،، یہ سنتے ہی خواجہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے۔ اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھکر ایک آہ بھری اور بولا۔ ،،میں تو بادشاہ کے روبرو گنہگار ٹھہرا۔ مارا جاؤنگا۔ اب کیا کروں؟ تجھے کسکو سونپوں؟،، میں نے ڈانٹا کہ ،،اے مکار! بس اب عذر بہت کئیے۔ جو کہنا ہے جلد کہہ،،۔

تب تو اس مرد نے قدم بڑھا کر تخت کے پاس آکر پائے کو بوسہ دیا اور صفت و ثنا کرنے لگا اور بولا۔ ،،اے شہنشاہ! اگر حکم قتل کا میرے حق میں نہ ہوتا۔ تو سب سیاستیں سہتا اور اپنا ماجرا نہ کہتا۔ لیکن جان سب سے عزیز ہے۔ کوئی آپ سے کوئے میں نہیں گرتا۔ پس جان کی محافظت واجب ہے۔اور ترک واجب کا خلاف حکم خدا کے ہے۔ خبر جو مرضئ مبارک یہی ہے۔تو سر گذشت اس پیر ضعیف کی سنئیے۔ پہلے حکم ہو کہ وہ دونوں قفس جن میں دو آدمی قید ہیں حضور میں لا کر رکھیں۔ میں اپنا احوال کہتا ہوں۔ اگر کہیں جھوٹ کہوں۔ تو ان سے پوچھکر مجھے قائل کیجئیے اور انصاف فرمائیے۔،، مجھے یہ بات اسکی پسند آئی۔ پنجروں کو منگوا کر ان دونوں کو نکلوا کر خواجہ کے پاس کھڑا کیا۔

خواجہ نے کہا ،،اے پادشاہ! یہ مرد جو داھنی طرف ہے غلام کا بڑا بھائی ہے۔اور جو بائیں کو کھڑا ہے منجھلا برادر ہے۔ میں ان دونوں سے چھوٹا ہوں۔میرا باپ ملک فارس میں سوداگر تھا۔ جب میں چودہ برس کا ہوا قبلہ گاہ نے رحلت کی۔ جب تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی۔ اور پھول اٹھ چکے۔ ایک روز ان دونوں بھائیوں نے مجھے کہا۔ کہ ،،اب باپ کا مال جو کچھ ہے

تقسیم کر لیں۔ جسکا دل جو چاہے سو کام کرے۔" میں نے سنکر کہا "اے بھائیو! یہ کیا بات ہے؟ میں تمھارا غلام ہوں۔ بھائی چارے کا دعویٰ نہیں رکھتا۔ ایک باپ مر گیا۔ تم دونوں میرے پدر کی جگہ میرے سر پر قائم ہو۔ ایک نان خشک چاھتا ہوں جس میں زندگی بسر کروں اور تمھاری خدمت میں حاضر رہوں۔ مجھے حصے بخرے سے کیا کام ہے؟ تمھارے آگے کے جھوٹے سے اپنا پیٹ بھر لونگا۔ اور تمھارے پاس رہونگا۔ میں لڑکا ہوں۔ کچھ پڑھا لکھا بھی نہیں۔ مجھ سے کیا ہو سکیگا؟ ابھی تم مجھے تربیت کرو۔"

یہ سنکر جواب دیا کہ "تو چاھتا ہے اپنے ساتھ ہمیں بھی خراب اور محتاج کرے"۔ میں چپکا ایک گوشے میں جا کر رونے لگا۔ پھر دل کو سمجھایا کہ بھائی آخر بزرگ ہیں۔ میری تعلیم کی خاطر چشم نمائی کرتے ہیں کہ کچھ سیکھے۔ اسی فکر میں سو گیا۔ صبح کو ایک پیادہ قاضی کا آیا اور مجھے دارالشرع میں لیگیا۔ وہاں دیکھا تو یہی دونوں بھائی حاضر ہیں۔ قاضی نے کہا "کیوں اپنے باپ کا ورثہ بانٹ چونٹ نہیں لیتا؟" میں نے گھر میں جو کہا تھا وہاں بھی جواب دیا۔ بھائیوں نے کہا۔ "اگر یہ بات اپنے دل سے کہتا ہے۔ تو ہمیں لادعویٰ لکھدے۔ کہ باپ کے مال و اسباب سے مجھے کچھ علاقہ نہیں۔" تب بھی میں نے یہی سمجھا کہ یہ دونوں میرے بزرگ ہیں۔ میری نصیحت کے واسطے کہتے ہیں۔ کہ باپ کا مال لیکر بیجا تصرف نہ کرے۔ بموجب ان کی مرضی کے فارغ خطی بہ مہر قاضی میں نے لکھدی۔ یہ راضی ہوئے میں گھر میں آیا۔

دوسرے دن مجھسے کہنے لگے۔ ''اے بھائی! یہ مکان جس میں تو رھتا ھے ھمیں درکار ھے۔ تو اپنی بود و باش کی خاطر اور جگہ لیکر جا رہ۔'' تب میں نے دریافت کیا کہ یہ باپ کی حویلی میں بھی رھنے سے خوش نہیں۔ لاچار ارادہ اٹھ جانیکا کیا۔ جہاں پناہ! جب میرا باپ جیتا تھا۔ تو جس وقت سفر سے آتا۔ ھر ایک ملک کا تحفہ بطریق سوغات کے لاتا اور مجھے دیتا۔اس واسطے کہ چھوٹے بیٹے کو ھر کوئی زیادہ پیار کرتا ھے۔ میں نے ان کو بیچ بیچ کر تھوڑی سی اپنی نج کی پونجی بہم پہنچائی تھی۔اسی سے کچھ خرید فروخت کرتا۔ ایکبار لونڈی میری خاطر ترکستان سے میرا باپ لایا۔اور ایک دفعہ گھوڑے لیکر آیا۔ ان میں سے ایک بچھیڑا ناکند کہ ھونہار تھا۔ وہ بھی مجھے دیا۔ میں اپنے پاس سے دانہ گھاس اسکا کرتا تھا۔

آخر انکی بے مروتی دیکھکر ایک حویلی خرید کی۔ وھاں جا رھا۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔ واسطے ضروریات کے اسباب خانہ داری کا جمع کیا۔اور دو غلام خدمت کی خاطر مول لئے۔ اور باقی پونجی سے ایک دوکان بزازی کی کرکے خدا کے توکل پر بیٹھا۔اپنی قسمت پر راضی تھا۔ اگرچہ بھائیوں نے بد خلقی کی۔پر خدا جو مہربان ھوا۔ تین برس کے عرصے میں ایسی دوکان جمی کہ میں صاحب اعتبار ھوا۔ سب سرکاروں میں جو تحفہ چاھتا۔ میری ھی دوکان سے جاتا۔ اس میں بہت سے روپے کمائے۔ اور نہایت فراغت سے گذرنے لگی۔ ھر دم جناب باری میں شکرانہ کرتا۔اور آرام سے رھتا۔ یہ کبت اکثر اپنے احوال پر پڑھتا۔

रूठे क्यूं न राजा? या तें कछू नाहीं काजा; एक तूमे महाराजा, और कौन को सराहिये?
रूठे क्यूं न भाई? वा तें कछू न बसाई; एक तूही है सहाई, और कौन पास जाइये?
रूठे क्यूं न मित्र, शत्रु? आठों याम एक रावरे चरन के नेह को निभाइये.
संसार है रूठा, एक तू है अनूठा, सब चूमेंगे अंगूठा, एक तू न रूठा चाहिये.

روٹھے کیوں نہ راجا، واتیں کچھو ناهیں کاجا،
ایک تو ہے مہاراجا، اور کون کو سراهئیے
روٹھے کیوں نہ بھائی وانیں کچھو نہ بسائی،
ایک تو هی هے سہائی، اور کون پاس جائیے
روٹھے کیوں نہ متر، شتّر آٹھوں جام
ایک راورے چرن کے نیہ کو نبھائیے
سنسار هے روٹھا، ایک تو هے انوٹھا،
سب چومیں گے انگوٹھا، ایک تو نہ روٹھا چاهئے

اتفاقاً جمعے کے روز میں اپنے گھر بیٹھا تھا کہ ایک غلام میرا سودے سلف کو بازار گیا تھا۔ بعد ایک دم کے روتا هوا آیا۔ میں نے سبب پوچھا کہ ”تجھے کیا هوا؟“ خفا هو کر بولا کہ ”تمھیں کیا کام هے؟ تم خوشی مناؤ۔ لیکن قیامت میں کیا جواب دوگے؟“ میں نے کہا ”اے حبشی! ایسی کیا بلا تجھپر نازل هوئی؟“ اس نے کہا ”یہ غضب هے کہ تمھارے بڑے بھائیوں کی، چوک کے چوراهے میں ایک یہودی نے مشکیں باندھیں هیں۔اور قمچیاں مارتا هے۔اور هنستا هے کہ ۔ اگر میرا روپیے نہ دوگے تو مارتے مارتے مار هی ڈالونگا ۔ بھلا مجھے ثواب تو هوگا ۔ پس تمھارے بھائیوں کی یہ نوبت اور تم بے فکر هو۔ یہ بات اچھی هے۔ لوگ کیا کہینگے؟“ یہ غلام سے سنتے هی لہو نے جوش کیا۔ ننگے پاؤں بازار کی طرف دوڑا

اور غلاموں کو کہا ''جلد روپے لیکر آؤ۔'' جونہیں وھاں گیا۔ دیکھا تو جو کچھ غلام نے کہا تھا سچ ھے۔ ان پر مار پڑ رھی ھے۔ حاکم کے پیادوں کو کہا۔ ''واسطے خدا کے ذرا رہ جاؤ۔ میں یہودی سے پوچھوں کہ ایسی کیا تقصیر کی ھے جس کے بدلے یہ تعزیر کی ھے؟''

یہ کہکر میں یہودی کے نزدیک گیا اور کہا۔ ''آج روز ادینہ ھے۔ ان کو کیوں ضرب شلاق کر رھا ھے؟'' اس نے جواب دیا ''اگر حمایت کرنے ھو۔ تو پوری کرو۔ ان کے عوض روپے حوالے کرو۔ نہیں تو اپنے گھر کی راہ لو۔'' میں نے کہا۔ ''کیسے روپے؟ دست آویز نکال۔ میں روپے گن دیتا ھوں۔'' ان نے کہا ''تمسک حاکم کے پاس دے آیا ھوں۔'' اس میں میرے دونوں غلام دو بدرہ روپےلیکر آئے۔ ہزار روپے میں نے یہودی کو دئے اور بھائیوں کو چھڑایا۔ ان کی یہ صورت ھو رھی تھی کہ بدن سے ننگے اور بھوکے پیاسے۔ اپنے ہمراہ گھر میں لایا۔ وونہیں حمام میں نہلوایا۔ نئی پوشاک پہنائی، کھانا کھلایا۔ ہرگز ان سے یہ نہ کہا۔ کہ ''اتنا مال باپ کا تم نے کیا کیا؟'' شاید شرمندہ ھوں۔

اے پادشاہ! یے دونوں موجود ھیں۔ پوچھئے کہ سچ کہتا ھوں یا کوئی بات جھوٹ بھی ھے؟ خیر جب کئی دن میں مار کی کوفت سے بحال ھوئے۔ ایک روز میں نے کہا۔ کہ ''اے بھائیو! اب اس شہر میں تم بے اعتبار ھو گئے ھو۔ بہتر یہ ھے کہ چند روز سفر کرو۔'' یہ سنکر چپ ھورھے۔ میں نے معلوم کیا کہ راضی ھیں۔ سفر کی تیاری کرنے لگا۔ پال پرتل، بار برداری اور سواری کی فکر

کرکے بیس ہزار روپے کی جنس تجارت کی خرید کی۔ ایک قافلہ سوداگروں کا بخارے کو جاتا تھا۔ان کے ساتھ کر دیا۔

بعد ایک سال کے وہ کارواں پھر آیا۔ ان کی خیر خبر کچھ نہ پائی۔ آخر ایک آشنا سے قسمیں دیکر پوچھا ۔ اس نے کہا ”جب بخارے میں گئے ایک نے جوئے خانے میں اپنا تمام مال ہار دیا۔اب وہاں کی جاروب کشی کرتا ھے ۔ اور پھڑ کو لیپتا پوتتا ھے۔ جواری جو جمع ہوتے ھیں ان کی خدمت کرتا ھے۔وہ بطریق خیرات کے کچھ دیتے ھیں۔وھاں گرگا بنا پڑا رھتا ھے ۔ اور دوسرا بوزہ فروش کی لڑکی پر عاشق ھو اپنا مال سارا صرف کیا۔اب وہ بوزے خانے کی ٹہل کیا کرتا ھے ۔ قافلے کے آدمی اس لئے نہیں کہتے کہ تو شرمندہ ھوگا“۔

یہ احوال اس شخص سے سنکر میری عجب حالت ھوئی۔سارے فکر کے نیند بھوک جاتی رھی ۔ زاد راہ لیکر قصد بخارے کا کیا ۔ جب وھاں پہنچا دونوں کو ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر اپنے مکان میں لایا۔ غسل کروا کر نئی پوشاک پہنائی۔ اور ان کی خجالت کے ڈر سے ایک بات منھ پر نہ رکھی ۔ پھر مال سوداگری کا ان کے واسطے خریدا۔ اور ارادہ گھر کا کیا ۔ جب نزدیک نیشاپور کے آیا۔ ایک گاؤں میں بہ مع مال اسباب ان کو چھوڑ کر گھر میں آیا۔اس لئے کہ میرے آنے کی کسو کو خبر نہ ھو۔ بعد دو دن کے مشہور کیا کہ میرے بھائی سفر سے آئے ھیں۔ کل ان کے استقبال کی خاطر جاؤنگا۔ صبح کو چاھا کہ جاؤں ۔ ایک گرھست اسی موضع کا میرےپاس آیا اور فریاد کرنے لگا ۔ میں اسکی آواز سنکر باھر نکلا۔ اسے روتا

دیکھکر پوچھا کہ ''کیوں زاری کرتا ہے؟'' وہ بولا ''تمھارے بھائیوں کے سبب سے ہمارے گھر لوٹے گئے۔ کاش کے ان کو تم وہاں نہ چھوڑ آتے!''

میں نے پوچھا ''کیا مصیبت گذری؟'' بولا کہ رات کو ڈاکا آیا۔ ان کا مال و اسباب لوٹا اور ہمارے گھر بھی لوٹ لے گئے۔'' میں نے افسوس کیا اور پوچھا کہ''اب وے دونوں کہاں ہیں؟'' کہا ''شہر کے باہر ننگے منگے خراب خستہ بیٹھے ہیں۔'' وونہیں دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ لیکر گیا۔پہنا کر گھر میں لایا۔ لوگ سنکر ان کے دیکھنے کو آتے تھے۔ اور یہ مارے شرمندگی کے باہر نہ نکلتے تھے۔ تین مہینے اسی طرح گذرے۔تب میں نے اپنے دل میں غور کی۔کہ کب تلک یہ کونے میں دبکے بیٹھے رھینگے۔بہتر ہے ان کو اپنے ساتھ سفر میں لیجاؤں۔

بھائیوں سے کہا۔ ''اگر فرمائیے تو یہ فدوی آپ کے ساتھ چلے؟'' یے خاموش رہے۔پھر لوازمہ سفر کا اور جنس سوداگری کی تیار کرکے چلا اور ان کو ساتھ لیا۔ جس وقت مال کی زکواۃ دیکر اسباب کشتی پر چڑھایا۔اور لنگر اٹھایا۔ناؤ چلی۔ یہ کتا کنارے پر سو رہا تھا۔جب چونکا اور جہاز کو مانجھ دھار میں دیکھا حیران ہو کر بھونکا۔اور دریا میں کود پڑا اور پیرنے لگا۔ میں نے ایک پنسوئی دوڑا دی۔بارے سگ کو لیکر کشتی میں پہنچایا۔ ایک مہینا خیر و عافیت سے دریا میں گذرا۔کہیں منجھلا بھائی میری لونڈی پر عاشق ہوا۔ ایک دن بڑے بھائی سے کہنے لگا۔کہ ''چھوٹے بھائی کی منت اٹھانے سے بڑی شرمندگی حاصل ہوئی۔ اس کا

دار کہ کیا کریں؟'' بڑے نے جواب دیا کہ ''ایک صلاح دل میں ٹھہرائی ہے۔ اگر بن آوئے تو بڑی بات ہے۔'' آخر دونوں نے مصلحت کرکے تجویز کی کہ اسے مار ڈالیں۔ اور سارے مال اسباب کے قابض متصرف ہوں۔

ایک دن میں جہاز کی کوٹھری میں سوتا تھا۔اور لونڈی پاؤں داب رہی تھی کہ منجھلا بھائی آیا اور جلدی سے مجھے جگایا۔ میں ہڑبڑا کر چونکا اور باہر نکلا۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ ہولیا۔ دیکھوں تو بڑا بھائی جہاز کی باڑ پر ہاتھ ٹیکے نہوڑا ہوا تماشا دریا کا دیکھ رہا ہے۔ اور مجھے پکارتا ہے۔ میں نے پاس جا کر کہا ''خیر تو ہے؟'' بولا ''عجب طرح کا تماسا ہورہا ہے کہ دریائی آدمی موتی کی سیپیاں اور مونگے کے درخت ہاتھ میں لئیے ہوئے ناچتے ہیں۔'' اگر اور کوئی ایسی بات خلاف قیاس کہتا تو میں نہ مانتا۔ بڑے بھائی کے کہنے کو راست جانا۔ دیکھنے کو سر جھکایا۔ ہر چند نگاہ کی کچھ نظر نہ آیا۔ اور وہ یہی کہتا رہا۔ ''اب دیکھا؟'' لیکن کچھ ہو تو دیکھوں۔ اس میں مجھے غافل پا کر منجھلے نے اچانک پیچھے آکر ایسا ڈھکیلا کہ بے اختیار پانی میں گر پڑا۔ اور وہ رونے دھونے لگے کہ ''دوڑیو ہمارا بھائی دریا میں ڈوبا''۔

اتنے میں ناؤ بڑھ گئی۔ اور دریا کی لہر مجھے کہیں سے کہیں لیگئی۔ غوطے پر غوطا کھاتا تھا۔ اور موجوں میں چلا جاتا تھا۔ آخر تھک گیا۔ خدا کو یاد کرتا تھا۔ کچھ بس نہ چلتا تھا۔ ایکبارگی کسو چیز پر ہاتھ پڑا۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو یہی کتا ہے۔ شاید جس دم مجھے دریا میں ڈالا میرے ساتھ یہ بھی

کودا اور پیرتا ہوا میرے ساتھ چلا جاتا تھا۔ میں نے اسکی دم پکڑ لی۔ اللہ نے اسکو میری زندگی کا سبب کیا۔ سات دن اور رات یہی صورت گذری۔ آٹھویں دن کنارے جا لگے۔ طاقت مطلق نہ تھی۔ لیٹے لیٹے کروٹیں کھا کر جوں توں اپنے تئیں خشکی میں ڈالا۔ ایک دن بیہوش پڑا رہا، دوسرے دن کتے کی آواز کان میں گئی۔ ہوش میں آیا۔ خدا کا شکر بجا لایا۔ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دور سے سواد شہر کا نظر آیا۔ لیکن قوت کہاں کہ ارادہ کروں! لاچار دو قدم چلتا پھر بٹھتا۔ اسی حالت سے شام تک کوس بھر راہ کاٹی۔

بیچ میں ایک پہاڑ ملا۔ رات کو وہاں گر رہا۔ صبح کو شہر میں داخل ہوا۔ جب بازار میں گیا۔ نان بائی اور حلوائیوں کی دوکانیں نظر آئیں۔ دل ترسنے لگا۔ نہ پاس پیسا جو خرید کروں۔ نہ جی چاہے کہ مفت مانگوں۔ اسی طرح اپنے دل کو تسلی دیتا ہوا کہ اگلی دوکان سے لونگا چلا جاتا تھا۔ آخر طاقت نہ رہی اور پیٹ میں آگ لگی۔ نزدیک تھا کہ روح بدن سے نکلے۔ ناگاہ دو جوان کو دیکھا کہ لباس عجم کا پہنے۔ اور ہاتھ پکڑے چلے آتے ہیں۔ ان کو دیکھکر خوش ہوا کہ یہ اپنے ملک کے انسان ہیں۔ شاید آشنا صورت ہوں۔ ان سے اپنا احوال کہونگا۔ جب نزدیک آئے تو میرے دونوں برادر حقیقی تھے۔ دیکھکر نپٹ شاد ہوا۔ شکر خدا کا کیا کہ خدا نے آبرو رکھ لی۔ غیر کے آگے ہاتھ نہ پسارا۔ نزدیک جا کر سلام کیا اور بڑے بھائی کا ہاتھ چوما۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی غل و شور کیا۔ سنجھلے بھائی نے تماچا مارا کہ میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ بڑے بھائی کا دامن پکڑا کہ شاید یہ حمایت کریگا۔ اس نے لات ماری۔

غرض دونوں نے مجھے خوب خورد خام کیا۔اور حضرت یوسف کے بھائیوں کا سا کام کیا۔ ہر چند میں نے خدا کے واسطے دئے اور گھگیایا هرگز رحم نہ کھایا۔ ایک خلقت اکٹھی ہوئی۔سب نے پوچھا ''اسکا کیا گناہ ھے؟'' تب بھائیوں نے کہا۔ ''یہ حرام زادہ ھمارے بھائی کا نوکر تھا۔ سو اسکو دریا میں ڈال دیا۔ اور مال اسباب سب لے لیا۔ ھم مدت سے تلاش میں تھے۔آج اس صورت سے نظر آیا۔'' اور مجھسے پوچھتے تھے کہ ''اے ظالم! یہ کیا ترے دل میں آیا کہ ھمارے بھائی کو مار کھپایا! کیا اس نے تیری تقصیر کی تھی؟ ان نے تجھسے کیا برا سلوک کیا تھا کہ اپنا مختار بنایا تھا؟'' پھر ان دونوں نے اپنے گریبان چاک کر ڈالے۔ اور بے اختیار جھوٹھ موٹھ بھائی کی خاطر روتے تھے۔اور لات مکے مجھپر کرتے تھے۔۔

اس سمیں حاکم کے پیادے آئے۔ان کو ڈانٹا کہ ''کیوں مارتے ھو؟'' اور میرا ھاتھ پکڑ کر کوتوال کے پاس لیگئے۔ یے دونوں بھی ساتھ چلے اور حاکم سے بھی یہی کہا۔ اور بطور رشوت کے کچھ دیکر اپنا انصاف چاھا۔ اور خون ناحق کا دعویٰ کیا۔ حاکم نے مجھ سے پوچھا۔ میری یہ حالت تھی کہ مارے بھوک کے اور مار پیٹ کے طاقت گویائی کی نہ تھی۔ سر نیچے کئے کھڑا تھا۔ کچھ منھ سے جواب نہ نکلا۔ حاکم کو بھی یقین ھوا کہ یہ مقرر خونی ھے۔ فرمایا کہ ''اسے میدان میں لیجاکر سولی دو۔'' جہاں پناہ! میں نے روپے دیکر ان کو یہودی کے قید سے چھڑایا تھا۔ اس کے عوض انھوں نے بھی روپے خرچ کرکے میری جان کا قصد کیا۔ یے دونوں حاضر ھیں۔ ان سے پوچھئے کہ میں اس میں

سر مو تفاوت کہتا ہوں ۔ خیر مجھے لیگئے ۔ جب دار کو دیکھا ۔ ہاتھ زندگی سے دھوئے —

سوائے اس کتے کے کوئی میرا رونے والا نہ تھا ۔ اس کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک آدمی کے پاؤں میں لوٹتا اور چلاتا تھا ۔ کوئی لکڑی کوئی پتھر سے مارتا لیکن یہ اس جگہ سے نہ سرکتا ۔ اور میں رو بہ قبلہ کھڑا ہو خدا کو کہتا تھا ۔ کہ "اسوقت میں تیری ذات کے سوا میرا کوئی نہیں جو آڑے آوے اور بیگناہ کو بچاوے ۔ اب تو ہی بچاوے تو بچتا ہوں ۔" یہ کہکر کلمہ شہادت کا پڑھ کر تیورا کر گر پڑا ۔ خدا کی حکمت سے اس شہر کے بادشاہ کو قلنج کی بیماری ہوئی ۔ امرا اور حکیم جمع ہوئے ۔ جو علاج کرتے تھے فائدہ مند نہ ہوتا تھا ۔ ایک بزرگ نے کہا کہ "سب سے بہتر یہ دوا ہے کہ محتاجوں کو کچھ خیرات کرو اور بندیوانوں کو آزاد کرو ۔ دوا سے دعا میں بڑا اثر ہے" ۔ وونہیں بادشاہی چیلے پنڈت خانوں کے طرف دوڑے —

اتفاقاً ایک اس میدان میں آنکلا ۔ ازدہام دیکھکر معلوم کیا کہ کسو کو سولی چڑھاتے ہیں ۔ یہ سنتے ہی گھوڑے کو دار کے نزدیک لاکر تلوار سے طنابیں کاٹ دیں ۔ حاکم کے پیادوں کو ڈانٹا اور تنبیہ کی "کہ ایسے وقت میں کہ پادشاہ کی یہ حالت ہے ۔ تم خدا کے بندے کو قتل کرتے ہو!" اور مجھے چھڑوا دیا ۔ تب یہ دونوں بھائی پھر حاکم کے پاس گئے ۔ اور میرے قتل کے واسطے کہا ۔ شحنہ نے تو رشوت کھائی تھی ۔ جو یہ کہتے تھے سو کرتا تھا —

کوتوال نے ان سے کہا کہ ”خاطر جمع رکھو۔ اب میں اسے ایسا قید کرتا ہوں کہ آپ سے آپ مارے بھوکوں کے بے آب و دانہ مرجاوے۔ کسو کو خبر نہ ہووے“۔ مجھے پکڑ لائے اور ایک گوشے میں رکھا۔ اس شہر سے باہر کوس ایک پرایک پہاڑ تھا کہ حضرت سلیمان کے وقت میں دیوؤں نے ایک کوا تنگ و تاریک اس میں کھودا تھا۔ اس کا نام زندان سلیمان کہتے تھے۔ جس پر بڑا غضب پادشاہی ہوتا۔ اسے وہاں محبوس کرتے۔ وہ خود بخود مر جاتا القصہ رات کو چپکے بہ دونوں بھائی اور کوتوال کے ڈنڈے نے مجھے اس پہاڑ پر لیگئیے۔ اور اس غار میں ڈالکر اپنی خاطر جمع کرکے پھرے۔ اے بادشاہ! یہ کتا میرے ساتھ چلا گیا۔ جب مجھے کوئے میں گرایا۔ تب یہ اسکے مینڈ پر لیٹ رہا۔ میں اندر بیہوش بڑا تھا۔ ذرا سرت آئی نو میں اپنے تئیں مردہ خیال کیا اور اس مکان کو گور سمجھا۔ اس میں دو شخصوں کی آواز کان میں پڑی کہ کچھ آپس میں باتیں کرنے ہیں۔ یہی معلوم کیا کہ نکیر منکر ہیں۔ تجھسے سوال کرنے آئے ہیں۔ سرسراھٹ رسی کی سنی۔ جیسے کسو نے وہاں لٹکائی۔ میں حیرت میں تھا۔ زمین کو ٹٹولتا تو ھڈیاں ھاتھ میں آتیں —

بعد ایک ساعت کے آواز چپڑ چپڑ منھ چلانے کی میرے کان میں آئی۔ جیسے کوئی کچھ کھاتا ھے۔ میں نے پوچھا کہ ”اے خدا کے بندو! تم کون ہو؟ خدا کے واسطے بتاؤ“۔ وہ ھنسے اور بولے۔ ”یہ زندان مہتر سلیمان کا ھے۔ اور ہم قیدی ھیں“۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ”کیا میں جیتا ہوں؟“ پھر کھلکھلا کر ھنسے اور کہا۔ ”اب تلک تو تو زندہ ھے۔ پر اب مریگا“۔ میں نے کہا۔ ”تم کھاتے ہو۔

— ۔

کیا ھو جو مجھے بھی تھوڑا سا دو؟،، تب جنجھلا کر خالی جواب دیا اور کچھ نہ دیا ۔ وہ کھا پی کر سو رھے ۔ میں مارے ضعف و ناتوانی کے غش میں پڑا روتا تھا ۔ اور خدا کو یاد کرتا تھا ۔ قبلہ عالم! سات دن دریا میں اور اتنے دن بھائیوں کے بہتان کے سبب دانہ نہ میسر آیا ۔ علاوہ کھانے کے بدلے مار پیٹ کھائی ۔ اور ایسے زندان میں پھنسا کہ صورت رھائی کی مطلق خیال میں بھی نہ آتی تھی —

آخر جاں کندنی کی نوبت پہنچی ۔ کبھودم آتا کبھو نکل جاتا تھا ۔ لیکن کبھو کبھو آدھی رات کو ایک شخص آتا اور رومال میں روٹیاں اور پانی کی صراحی ڈوری میں باندھ کر لٹکا دیتا اور پکارتا ۔ وہ دونوں آدمی جو میرے پاس محبوس تھے لے لیتے اور کھاتے پیتے ۔ اوبرسے کسے نے ھمیشہ یہ احوال دیکھتے دیکھتے عقل دوڑائی ۔ کہ جسطرح یہ شخص آب و نان کوئے میں لٹکا دیتا ھے۔ تو بھی اسی فکر کر کہ کچھ اس بے کس کو جو میرا خاوند ھے آزقہ پہنچے تو اسکا دم بچے ۔ یہ خیال کرکے شہر میں گیا ۔ نان بائی کی دوکان میں منبر پر گردے چنے ھوئے دھرے تھے ۔ جست مار کر ایک کلچہ منہ میں لیا اور بھاگا ۔ لوگ پیچھے دوڑے ۔ ڈھیلے مارتے تھے لیکن اس نے نان کو نہ چھوڑا ۔ آدمی تھک کر پھرے؛ شہر کے کتے پیچھے لگے ۔ ان سے لڑتا بھڑتا روٹی کو بچائے اس چاہ پر آیا ۔ اور نان کو اندر ڈال دیا ۔ روز روشن تھا ۔ میں نے روٹی کو اپنے پاس پڑا دیکھا اور کتے کی آواز سنی ۔ کلچے کو اٹھا لیا ۔ اور یہ کتا روٹی پھینک کر پانی کی تلاش میں گیا —

کسی گاؤں کے کنارے ایک بڑھیا کی جھونپڑی تھی ۔ ٹھلیا

اور بدھنا پانی سے بھرا ھوا دھرا تھا ۔ اور وہ پیرزن چرخہ کاتتی تھی ۔ کتا کوزے کے نزدیک گیا ۔ چاھا کہ لوٹے کو اٹھاوے ۔ عورت نے ڈانٹا ۔ لوٹا اسکے منہ سے چھوٹا ۔ گھڑے پر گرا ۔ مٹکا پھوٹا ۔ باقی باسن لُڑھ گئے ۔ پانی بہہ جلا ۔ بڑھیا لکڑی لیکر مارنے کو اٹھی ۔ یہ سگ اسکے دامن میں لپٹ گیا ۔ اس کے پاؤں پر منہ ملنے اور دم ھلانے لگا۔ اور بہاڑ کی طرف دوڑ گیا۔ پھر اسکے پاس آکر کبھو رسی اٹھاتا ۔ کبھو ڈول منہ میں پکڑ کر دکھاتا ۔ اور منہ اس کے قدموں پر رگڑتا ۔ اور آنچل جادر کا پکڑ کر کھینچتا ۔ خدا نے اس عورت کے دل میں رحم دیا کہ ڈول رسی کو لیکر اسکے ھمراہ چلی ۔ یہ اسکا آنچل پکڑے گھرسے باھر ھوکر، آگے آگے ھولیا —

آخر اسکو پہاڑ ھی پر لے آیا ۔ عورت کے جی میں کتے کی اس حرکت سے الہام ھوا کہ اس کا میاں مفرر اس غار میں گرفتار ھے ۔ شاید اسکی خاطر پانی چاھتا ھے ۔ غرض پیر زن کو لئے ھوئے غار کے منہ پر آیا ۔ عورت نے لوٹا پانی کا بھر کر رسی سے لٹکایا ۔ میں نے وہ باسن لے لیا اور نان کا ٹکڑا کھایا۔دو تین گھونٹ پانی پیا ۔ اس پیٹ کے کنے کو راضی کیا ۔ خدا کا شکر کرکر ایک کنارے بیٹھا اور خدا کی رحمت کا منتظر تھا ۔ کہ دیکھئے اب کیا ھوتا ھے؟ یہ حیوان بے زبان اسی طورسے نان لے آتا ۔ اور بڑھیا کے ھاتھ پانی پلواتا ۔ جب بھٹیاروں نے دیکھا کہ کتا ھمیشہ روٹی لیجاتا ھے ۔ ترس کھاکر مقرر کیا کہ جب اسے دیکھتے ایک گردا اسکے آگے پھینک دیتے ۔ اور اگر وہ عورت پانی نہ لاتی ۔ تو یہ اسکے باسن پھوڑ ڈالتا ۔ لاچار وہ بھی ھر روز ایک صراحی پانی کی دے جاتی ۔ اس رفیق نے آب و نان سے میری خاطر جمع کی ۔ اور آپ

زنداں کے منہ پر پڑا رھتا ۔ اسی طرح چھ مہینے گذرے ۔ لیکن جو آدمی ایسے زنداں میں رھے کہ دنیا کی ھوا اسکو نہ لگے ۔ اسکا کیا حال ھو! نرا پوست و استخوان مجھ میں باقی رھا ۔ زندگی وبال ھوئی ۔ جی میں آوے کہ یا الہی! یہ دم نکل جاوے تو بہتر ھے —

ایک روز رات کو وہ دونوں قیدی سوتے تھے ۔ میرا دل امنڈ آیا ۔ بے اختیار رونے لگا ۔ اور خدا کی درگاہ میں نک گھسنی کرنے لگا ۔ پچھلے پہر کیا دیکھتا ھوں ۔ کہ خدا کی قدرت سے ایک رسی غار میں لٹکی ۔ اور آواز سہج میں سنی کہ ''اے کمبخت بد نصیب! ڈور کا سرا اپنے ھاتھ میں مضبوط باندھ اور یہاں سے نکل،، ۔ میں نے سنکر دل میں خیال کیا کہ آخر بھائی مجھپر مہربان ھوکر لہو کے جوش سے آپ ھی نکالنے آئے ۔ نہایت خوشی سے اس طناب کو کمر میں خوب کسا ۔ کسو نے مجھے اوپر کھینچا ۔ رات ایسی اندھیری تھی کہ جن نے مجھے نکالا اسکو میں نے نہ پہچانا کہ کون ھے ۔ جب میں باھر آیا تب اسنے کہا ''جلد آ ۔ یہاں کھڑے ھونے کی جگہ نہیں،، ۔ مجھ میں طاقت تو نہ تھی پر مارے ڈر کے لڑھتا پڑتا پہاڑ سے نیچے آیا ۔ دیکھوں تو دو گھوڑے زین بندھے ھوئے کھڑے ھیں ۔ اس شخص نے ایک پر مجھے سوار کیا ۔ اور ایک پر آپ چڑھ لیا اور آگے ھوا ۔ جاتے جاتے دریا کے کنارے پر پہنچا —

صبح ھو گئی ۔ اس شہر سے دس بارہ کوس نکل آئے ۔ اس جوان کو دیکھا کہ ایک اوپچی بنا ھوا زرہ بکتر پہنے، چار آئینہ باندھے، گھوڑے پر پاکھر ڈالے، میری طرف غضب کی نظروں سے گھور کر اور ھاتھ اپنا دانتوں سے کاٹ کر تلوار میاں سے کھینچی

اور گھوڑے کو جست کرکر مجھپر چلائی۔ میں نے اپنے تئیں گھوڑے پر سے نیچے گرا دیا اور گھگھیانے لگا۔کہ "میں بے تقصیر ہوں۔ مجھے کیوں قتل کرتا ہے؟ اے صاحب مروت! ویسے زندان سے میرے تئیں تونے نکالا۔ اب یہ بے مروتی کیا ہے؟" اس نے کہا "سچ کہہ تو کون ہے؟" میں نے جواب دیا کہ "مسافر ہوں۔ ناحق کی بلا میں گرفتار ہوگیا تھا۔ تمھارے تصدق سے بارے جیتا نکلا ہوں"۔ اور بہت باتیں خوشامد کی کیں —

خدا نے اسکے دل میں رحم دیا۔ شمشیر کو غلاف کیا اور بولا۔ "خیر خدا جو چاہے سو کرے۔ جا تیری جان بخشی کی۔ جلد سوار ہو۔ یہاں توقف کا مکان نہیں"۔ گھوڑوں کو جلد کیا اور چلے۔ راہ میں افسوس کھاتا اور پچھتاتا جاتا تھا۔ ظہر کے وقت تک ایک جزیرے میں جا پہنچا۔ وہاں گھوڑے سے اترا۔ مجھے بھی اتارا۔زین، خوگیر، مرکبوں کی پیٹھ سے کھولا اور چرنے کو چھوڑ دیا۔ اپنی بھی کمر سے ھتھیار کھول ڈالے اور بیٹھا۔ مجھ سے بولا۔ "اے بد نصیب! اب اپنا احوال کہہ تو معلوم ہو کہ تو کون ہے"۔ میں نے اپنا نام نشان بتایا۔ اور جوجو کچھ بپتا بیتی تھی اس سے آخر تک کہی —

اس جوان نے جب میری سرگذشت سب سنی۔ رونے لگا۔ اور مخاطب ہوا کہ "اے جوان! اب میرا ماجرا سن۔ میں کنیا زیرباد کے دیس کے راجا کی ہوں۔ اور وہ گبرو جوان جو زندان سلیمان میں قید ہے اس کا نام بہرہ مند ہے۔ میرے پتا کے منتری کا بیٹا ہے۔ ایک روز مہاراجا نے اگیا دی کہ جتنے راجا اور کنور ہیں۔میدان میں زیر جھروکھے نکل کر تیر اندازی اور چوگان بازی کریں۔ تو گھڑ

چڑھی اور کسب ہر ایک کا ظاہر ہو۔ میں رانی کے نیڑے* جو میری ماتا تھیں اٹاری پر اوجھل میں بیٹھی تھی اور دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھیں ۔ تماشا دیکھتی تھی ۔ یہ دیوان کا پوت سب میں سندر تھا ۔ اور گھوڑے کو کاوے دیکر کسب کر رہا تھا ۔ مجھکو بھایا اور دل سے اسپر ریجھی ۔ مدت تلک یہ بات گپت رکھی —

آخر جب بہت بیاکل ہوئی ۔ تب دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا ۔ وہ اس جوان کو کسو نہ کسو ڈھب سے پوشیدہ میری دھراھر میں لے آئی ۔ تب یہ بھی مجھے چاھنے لگا ۔ بہت دن اس عشق مشک میں کٹے ۔ ایک روز چوکی داروں نے آدھی رات کو ہنھیار باندھے اور محل میں آتے دیکھکر اسے پکڑا اور راجہ سے کہا ۔ اسے حکم قتل کیا ۔ سب ارکان دولت نے کہہ سنکر جان بخشی کروائی ۔ تب فرمایا کہ ”اس کو زاندان سلیمان میں ڈال دو“۔ اور دوسرا جوان جو اسکے ہمراہ اسیر ھے ۔ اس کا بھگنا ھے ۔ اس رین کو وہ بھی اسکے ساتھ تھا ۔ دونوں کو اس کوئے میں چھوڑ دیا ۔ آج تین برس ہوئے کہ وے پھنسے ھیں ۔ مگر کسو نے نہیں دریافت کیا کہ یہ جوان راجہ کے گھر میں کیوں آیا تھا ۔ بھگوان نے میری پت رکھی ۔ اسکے شکرانے کے بدلے میں نے اپنے اوپر لازم کیا ھے ۔ کہ ان اور جل اسکو پہنچایا کروں ۔ جب سے اٹھواڑے میں ایک دن آتی ہوں ۔ اور آٹھ دن کا آزقہ اکٹھا دے جاتی ہوں —

کل کی رات سپنے میں دیکھا کہ کوئی مانس کہتا ھے کہ

---

*نیرے بھی بولتے ھیں۔

''شتابی آٹھ اور گھوڑا جوڑا اور کمند اور کچھ نقد خرچ کے واسطے لیکر اس غار پر جا ۔ اور اس بچارے کو وہاں سے نکال،، ۔ یہ سنکر میں چونک پڑی اور مگن ہوکر مردانہ بھیس کیا ۔ اور ایک صندوقچہ جواھر اور اشرفی سے بھر لیا ۔ اور یہ گھوڑا اور کپڑا جوڑا لیکر وھاں گئی کہ کمند سے اسے کھینچوں ۔ کرم میں تیرے تھا کہ ویسی قید سے اس طرح چھٹکارہ پاوے۔اور میرے اس کرتب سے محرم کوئی نہیں۔ شاید وہ کوئی دیوتا تھا کہ تیری مخلصی کی خاطر مجھے بھجوایا ۔ خیر جو میرے بھاگ میں تھا سو ہوا ۔،، یہ کتھا کہکر بوری کچوری ماس کا سالن انگوچھے سے کھولا ۔ پہلے قند نکال ایک کٹورے میں گھولا اور عرق بید مشک کا اسمیں ڈالکر مجھے دیا ۔ میں نے اسکے ھاتھ سے لیکر پیا ۔ پھر تھوڑا سا ناشتہ کیا ۔ بعد ایک ساعت کے میرے تئیں لنگی بندھوا کر دریا میں لیگئی ۔ قینچی سے میرے سر کے بال کترے ۔ ناخن لئیے ۔ نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے ۔ نئے سر سے آدمی بنایا ۔ میں دوگانہ شکرانے کا رو بقبلہ ہوکر پڑھنے لگا۔وہ نازنین اس میری حرکت کو دیکھتی رہی —

جب نماز سے فارغ ہوا پوچھنے لگی ۔ کہ ''یہ تونے کیا کام کیا؟،، میں نے ، کہا ''جس خالق نے ساری خلقت کو پیدا کیا اور تجھ سی محبوبہ سے میری خدمت کروائی اور تیرے دل کو مجھپر مہربان کیا اور ویسے زندان سے خلاص کروایا ۔ اسکی ذات لاشریک ھے ۔ اسکی میں نے عبادت کی۔اور بندگی بجا لایا اور ادائے شکر کیا۔،، یہ بات سنکر کہنے لگی۔''تم مسلمان ھو؟،، میں نے کہا ''شکر الحمد للہ ۔،، بولی ''میرا دل تمھاری باتوں سے خوش ھوا۔میرے تئیں

بھی سکھاؤ اور کلمہ پڑھاؤ۔'' میں نے دل میں کہا ''الحمد للہ کہ یہ ہمارے دین کی شریک ہوئی۔'' غرض میں نے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھا۔ اور اس سے پڑھوایا۔ پھر وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہوکر ہم دونوں چلے۔ رات کو اترتے تو وہ ذکر دین ایمان کا کرتی اور سنتی اور خوش ہوتی۔ اسی طرح دو مہینے تلک پیہم شبانہ روز چلے گئے۔

آخر ایک ولایت میں پہنچے کہ درمیان سر حد ملک زیرباد اور سراندیپ کے تھی۔ایک شہر نظر آیا کہ آبادی میں استنبول سے بڑا۔اور آب و ہوا بہت خوش اور موافق۔ پادشاہ اس شہر کا کسریٰ سے زیادہ عادل اور رعیت برور دیکھکر دل نپٹ شاد ہوا۔ ایک حویلی خرید کرکے بود و باش مقرر کی۔ جب کئی دن میں رنج سفر سے آسودہ ہوئے۔کچھ اسباب ضروری درست کرکے اس بی بی سے موافق شرع محمدی کے نکاح کیا اور رہنے لگا۔ تین سال میں وہاں کے اکابر و اصاغر سے مل جل کر اعتبار بہم پہنچایا۔اور تجارت کا ٹھاٹھ پھیلایا۔ آخر وہاں کے سب سوداگروں سے سبقت لیگیا۔ ایک روز وزیر اعظم کی خدمت میں سلام کے لئے چلا۔ایک میدان میں کثرت خلق اللہ کی دیکھی۔کسو سے پوچھا کہ کیوں اتنا ازدھام ہے؟ معلوم ہوا کہ دو شخصوں کو زنا اور چوری کرتے پکڑا ہے۔اور شاید خون بھی کیا ہے۔ ان کو سنگ سار کرنے کولائے ہیں۔

مجھے سنتے ہی اپنا احوال یاد آیا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح سولی چڑھانے لے گئے تھے۔خدا نے بچا لیا۔ آیا یہ کون ہینگے کہ ایسی بلا میں گرفتار ہوئے ہیں؟ معلوم نہیں کہ راست ہے یا میری طرح تہمت میں گرفتار ہوئے ہیں۔ بھیڑ کو چیر کر

اندر گھسا۔دیکھا تو بھی میرے دونوں بھائی ھیں کہ ٹنڈیاں کسے سروپا برھنہ ان کو لئے جاتے ھیں۔ ان کی صورت دیکھتے ھی خون نے جوش کیا اور کلیجہ جلا۔محصلوں کو ایک مٹھی اشرفیاں دیں اور کہا۔کہ ''ایک ساعت توقف کرو۔'' اور وھاں سے گھوڑے کو سرپٹ پھینک کر حاکم کے گھر گیا۔ایک دانہ یاقوت بے بہا کا نذر گذرانا۔اور ان کی شفاعت کی۔حاکم نے کہا۔ ''ایک شخص ان کا مدعی ھے۔اور ان کے گناہ ثابت ھوئے ھیں۔ اور پادشاہ کا حکم ھو چکا ھے۔میں لاچار ھوں''۔

بارے بہت منت و زاری سے حاکم نے مدعی کو بلوا کر پانچ ہزار روپیے پر راضی کیا۔کہ وہ دعویٰ خون کا معاف کرے۔میں نے روپیے گن دئے۔ اور لادعویٰ لکھوا لیا اور ایسی بلا سے مخلصی دلوائی۔جہاں پناہ! ان سے پوچھئے کہ سچ کہتا ھوں یا جھوٹ بکتا ھوں۔وے دونوں بھائی سر نیچے کئے شرمندہ سے کھڑے تھے۔ خیر ان کو چھڑوا کر گھر میں لایا۔حمام کروا کر لباس پہنوایا۔دیوان خانے میں مکان رھنے کو دیا۔اس مرتبے اپنے قبیلے کو ان کے رو برو نہ کیا۔ان کی خدمت میں حاضر رھتا۔اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا۔سونے کے وقت گھر میں جاتا۔ تین برس تک ان کی خاطر داری میں گذری اور ان سے بھی کوئی حرکت بد واقع نہ ھوئی کہ باعث رنجیدگی کا ھووے۔جو میں سوار ھو کر کہیں جاتا تو یے گھر میں رھتے۔

اتفاقاً وہ بی بی نیک بخت ایک دن حمام کو گئی تھی۔جب دیوان خانے میں آئی کوئی مرد نظر نہ پڑا۔اس نے برقعہ اتارا۔

شاید یہ منجھلا بھائی لیٹا ہوا جاگتا تھا۔دیکھتے ہی عاشق ہوا۔ بڑے بھائی سے کہا۔دونوں نے میرے مار ڈالنے کی باہم صلاح کی۔ میں اس حرکت سے مطلق خبر نہ رکھتا تھا۔بلکہ دل میں کہتا تھا کہ الحمد للہ اس مرتبے اب تک انھوں نے کچھ ایسی بات نہیں کی۔اب ان کی وضع درست ہوئی۔شاید غیرت کو کام فرمایا۔ ایک روز بعد کھانے کے بڑے بھائی صاحب آبدیدہ ہوئے۔اور اپنے وطن کی تعریف اور ایران کی خوبیاں بیان کرنے لگے۔ یہ سنکر دوسرے بھی بسورنے لگے۔ میں نے کہا ''اگر ارادہ وطن کا ہے تو بہتر۔میں تابع مرضی کے ہوں۔ میری بھی یہی آرزو ہے۔ اب انشاء اللہ تعالی میں بھی آپ کی رکاب میں چلتا ہوں۔'' اس بی بی سے دونوں بھائیوں کی اداسی کا مذکور کیا۔ اور اپنا ارادہ بھی کیا۔ وہ عاقلہ بولی کہ ''تم جانو لیکن پھر کچھ دغا کیا چاہتے ہیں۔ یے تمھاری جان کے دشمن ہیں۔تم نے سانپ آستین میں پالے ہیں۔ اور ان کی دوستی کا بھروسہ رکھتے ہو! جو جی چاہے سو کرو۔ لیکن موذیوں سے خبردار رهو۔'' بہر تقدیر تھوڑے عرصے میں تیاری سفر کی کرکے خیمہ میدان میں استاد کیا۔ بڑا قافلہ جمع ہوا۔ اور میری سرداری اور قافلہ باشی پر راضی ہوئے۔ اچھی ساعت دیکھکر روانہ ہوا۔لیکن ان کی طرف سے اپنی جانب میں ہوشیار رهتا۔ اور سب صورت سے فرمانبرداری اور دل جوئی ان کی کرتا۔

ایک روز ایک منزل میں منجھلے بھائی نے مذکور کیا کہ ''ایک فرسخ اس مکان سے ایک چشمہ جاری ہے مانند سلسبیل کے۔ اور میدان میں خود رو کوسوں تلک لالہ و نافرمان اور نرگس و

گلاب پھولا ہے ۔ واقعی عجب مکان سیر کا ہے۔اگر اپنا اختیار ہوتا تو کل وہاں جاکر تفریح طبیعت کی کرتے۔اور ماندگی بھی رفع ہوتی ۔،، میں بولا کہ ،،صاحب مختار ہیں۔ فرماؤ تو کل کے دن مقام کریں۔اور وہاں چلکر سیر کرتے پھریں۔،، یے بولے۔ ،،ازیں چہ بہتر؟،، میں نے حکم کیا۔کہ سارے قافلے میں پکار دو کہ کل مقام ہے۔ اور بکاول کوکہا کہ ،،حاضری قسم بہ قسم کی تیار کر۔کل سیر کو چلینگے ۔،، جب صبح ہوئی۔ان دونوں برداروں نے کپڑے پہن کمر باندھ کر مجھے یاد دلایا۔کہ ،،جلد ٹھنڈے ٹھنڈے چلئے اور سیر کیجئے ۔،، میں نے سواری مانگی۔بولے کہ ،،پا پیادہ جو لطف سیر کا ہوتا ہے سو سواری میں کب معلوم؟ نفروں کو کہدو گھوڑے ڈریا کر لے آویں۔

دونوں غلاموں نے قلیان اور قہوہ دان لے لیا۔اور ساتھ ہوئے۔ راہ میں تیر اندازی کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔جب قافلے سے دور نکل گئے۔ایک غلام کو انھوں نے کسی کام کو بھیجا ۔ تھوڑی دور آگے بڑھ کر دوسرے کو بھی اسکے بلانے کو رخصت کیا ۔ کم بختی جو آئی میرے منہ میں جیسے کسو نے مہر دے دی ۔ جو وہ چاہتے تھے سو کرتے تھے۔ اور مجھے باتوں میں پرچائے لئے جاتے تھے۔ مگر یہ کتا ساتھ رہ گیا ۔ بہت دور نکل گئے نہ چشمہ نظر آیا نہ گلزار۔مگر ایک میدان پر خار تھا۔وہاں مجھے پیشاب لگا۔ میں بول کرنے کو بیٹھا ۔ اپنے پیچھے چمک تلوار کی سی دیکھی۔ مڑکر دیکھوں تو منجھلے بھائی صاحب نے مجھپر تلوار ماری کہ سر دوپارہ ہوگیا ۔ جب تلک بولوں کہ ،،اے ظالم! مجھے کیوں مارتا ہے؟،، بڑے بھائی نے شانے پر لگائی ۔ دونوں زخم کاری لگے۔

تیورا کر گرا۔ تب ان دونوں بے رحموں نے بخاطر جمع میرے تئیں چور زخمی کیا اور لہو لہان کر دیا۔ یہ کتا میرا احوال دیکھکر ان پر بھبکا۔ اسکو بھی گھایل کیا۔ بعد اسکے اپنے ہاتھوں سے اپنے بدنوں میں زخموں کے نشان کئیے۔ اور سروپا برہنہ قافلے میں گئیے اور ظاہر کیا کہ "حرامیوں نے اس میدان میں ہمارے بھائی کو شہید کیا۔ اور ہم بھی لڑ بھڑ کر زخمی ہوئے۔ جلدی کوچ کرو نہیں تو اب کاروان پر گر کر سب کو ننگیا لینگیے۔" قافلے کے لوگوں نے بدوؤں کا نام جو سنا وونہیں بد حواس ہوئے۔ اور گھبرا کر کوچ کیا اور چل نکلے۔

میرے قبیلے نے سلوک اور خوبیاں ان کی سن رکھی تھیں۔ جو جو مجھسے دغائیں کیں تھیں۔ یہ واردات ان کاذبوں سے سنکر جلد خنجر سے اپنے تئیں ہلاک کیا اور جان بحق تسلیم ہوئی۔" اے درویشو! اس خواجۂ سگ پرست نے جب اپنی کیفیت اور مصیبت اس طرح سے یہاں تلک کہی۔ سنتے ہی مجھے بے اختیار رونا آیا۔ وہ سوداگر دیکھکر کہنے لگا کہ "قبلۂ عالم! اگر بے ادبی نہ ہوتی۔ تو برہنہ ہوکر میں اپنا سارا بدن کھول کر دکھاتا۔" تسپر بھی اپنی راستی پر گریبان مونڈھے تلک چیر کر دکھایا۔ واقعی چار انگل تن اسکا بغیر زخم کے ثابت نہ تھا۔ میرے حضور سر سے عمامہ اتارا۔ کھوپڑی میں ایسا بڑا گڑھا پڑا تھا کہ ایک انار سموچا اس میں سماوے۔ ارکان دولت جتنے حاضر تھے سب نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ طاقت دیکھنے کی نہ رہی۔

پھر خواجہ بولا کہ "پادشاہ سلامت! جب بے بھائی اپنی

:انست میں میرا کام تمام کر کے چلے گئے۔ ایک طرف میں اور یک طرف یہ سگ میرے نزدیک زخمی پڑا تھا۔ لہو اتنا بدن سے گیا کہ مطلق طاقت اور ہوش کچھ باقی نہ تھا۔ کیا جانوں دم کہاں اٹک رہا تھا کہ جیتا تھا۔ جس جگہ میں پڑا تھا ولایت سراندیپ کی سرحد تھی۔ اور ایک شہر بہت آباد اس کے قریب تھا۔ اس شہر میں بڑا بت خانہ تھا۔ اور وہاں کے پادشاہ کی ایک بیٹی تھی نہایت قبول صورت اور صاحب جمال—

اکثر بادشاہ اور شہزادے اسکے عشق میں خراب تھے۔ وہاں رسم حجاب کی نہ تھی۔ اس سے، وہ لڑکی تمام دن ہمجولیوں کے ساتھ سیر شکار کرتی پھرتی۔ ہم سے نزدیک ایک بادشاہی باغ تھا۔ اس روز پادشاہ سے اجازت لیکر اسی باغ میں آئی تھی۔ سیر کی خاطر اس میدان میں پھرتی آ نکلی۔ کئی خواصیں بھی ساتھ سوار تھیں۔ جہاں میں پڑا تھا آئیں۔ میرا کراہنا سنکر پاس کھڑی ہوئیں۔ مجھے اس حالت میں دیکھکر وے بھاگیں اور شہزادی سے کہا۔ کہ "ایک مردوا اور ایک کتا لہو میں شور بور پڑا ہے۔" ان سے یہ سنکر آپ ملکہ میرے سرپر آئی۔ افسوس کھا کر کہا۔ "دیکھو تو کچھ جان باقی ہے؟" دو چار دائیوں نے اترکر دیکھا اور عرض کی۔ "اب تلک تو جیتا ہے۔" ترت فرمایا کہ "اسانت قالیچے پر لٹا کر باغ میں لے چلو"—

وہاں لیجا کر جراح سرکار کا بلا کر میرے اور میرے کتے کے علاج کی خاطر بہت تاکید کی۔ اور امیدوار انعام و بخشش کا کیا۔ اس حجام نے سارا بدن میرا پونچھ پانچھ کر خاک و خون سے پاک کیا۔ اور شراب سے دھو دھا کر زخموں کو ٹانکے مرہم لگایا۔ اور

بید مشک کا عرق پانی کے بدلے میرے حلق میں چوایا۔ ملکہ آپ میرے سرھانے بیٹھی رھتی۔ اور میری خدمت کرواتی۔ اور تمام دن رات میں دو چار بار کچھ شوربا یا شربت اپنے ھاتھ سے پلاتی۔ بارے مجھے ھوش آیا تو دیکھا کہ ملکہ نہایت افسوس سے کہتی ھے۔ ”کس ظالم خونخوار نے تجھپر یہ ستم کیا۔ بڑے بت سے بھی نہ ڈرا!“ بعد دس روز کے عرق اور شربت اور معجنوں کی قوت سے میں نے آنکھ کھولی۔ دیکھا تو اندر کا اکھاڑا میرے آس پاس جمع ھے۔ اور ملکہ سرھانے کھڑی ھے۔ ایک آہ بھری اور چاھا کہ کچھ حرکت کروں۔ طاقت نہ پائی۔ پادشاھزادی مہربانی سے بولی کہ ”اے عجمی! خاطر جمع رکھ، کڑھ مت۔ اگرچہ کسو ظالم نے تیرا یہ احوال کیا۔ لیکن بڑے بت نے مجھکو تجھپر مہربان کیا ھے۔ اب چنگا ھو جاوے گا“—

قسم اس خدا کی جو واحد اور لا شریک ھے! میں اسے دیکھکر پھر بیہوش ھو گیا۔ ملکہ نے بھی دریافت کیا اور گلاب پاش سے گلاب اپنے ھاتھ سے چھڑکا۔ بیس دن کے عرصے میں زخم بھر آئے اور انگور کرلائے۔ ملکہ ھمیشہ رات کو جب سب سو جاتے میرے پاس آتی اور کھلا پلا جاتی۔ غرض ایک چلے میں غسل کیا۔ بادشاھزادی نہایت خوش ھوئی۔ حجام کو انعام بہت سا دیا اور مجھکو پوشاک پہنوائی۔ خدا کے فضل سے اور خبر گیری اور سعی سے ملکہ کی، خوب چاق چوبند ھوا۔ اور بدن نہایت تیار ھوا۔ اور کتا بھی فربہ ھو گیا۔ روز مجھے شراب پلاتی اور باتیں سنتی اور خوش ھوتی۔ میں بھی ایک آدھ نقل یا کہانی انوٹھی کہکر اسکے دل کو بہلاتا—

ایک دن پوچھنے لگی کہ ''اپنا احوال تو بیان کرو کہ تم کون ہو۔ اور یہ واردات تم پر کیونکر ہوئی؟'' میں نے سارا ماجرا اپنا اول سے آخر تک کہہ سنایا۔ سنکر رونے لگی اور بولی۔ کہ ''اب میں تجھسے ایسا سلوک کرونگی کہ اپنی ساری مصیبت بھول جاویگا۔'' میں نے کہا ''خدا تمھیں سلامت رکھے۔ تم نے نئے سر سے میری جان بخشی کی ہے۔اب میں تمھارا ہو رہا ہوں۔واسطے خدا کے اسی طرح ہمیشہ مجھپر اپنی مہربانی کی نظر رکھیو۔'' غرض تمام رات اکیلی میرے پاس بیٹھی رہی۔ اور صحبت رکھتی۔ بعضے دن دائی اس کی بھی ساتھ رہی۔ہر ایک طور کا ذکر مذکور سنتی اور کہتی۔ جب ملکہ اٹھ جاتی اور میں تنہا ہوتا طہارت کر، کونے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتا۔

ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ملکہ اپنے باپ کے پاس گئی تھی۔میں خاطر جمع سے وضو کرکے نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک شہزادی دائی سے بولتی ہوئی آئی۔ کہ ''دیکھیں عجمی اسوقت کیا کرتا ہے۔ سوتا ہے یا جاگتا ہے۔'' مجھے مکان پر جو نہ دیکھا تعجب میں ہوئی۔ کہ ''ایں یہ کہاں گیا ہے؟ کسو سے کچھ لگا تو نہیں لگایا۔'' کونا کٹھرا دیکھنے لگی اور تلاش کرنے لگی۔ جہاں میں نماز کر رہا تھا۔ وہاں آنکلی۔ اس لڑکی نے کبھو نماز کاہے کو دیکھی تھی۔ چپکی کھڑی دیکھا کی۔ جب میں نے نماز تمام کرکے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سجدے میں گیا۔ بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی اور بولی ''کیا یہ آدمی سودائی ہوگیا۔ یہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے؟''

میں ہنسنے کی آواز سنکر دل میں ڈرا۔ ملکہ آگے آکر

پوچھنے لگی کہ ''اے عجمی! یہ تو کیا کرتا تھا؟'' میں کچھ جواب نہ دیسکا۔ اس میں دائی بولی۔ ''بلالوں۔ تیرے صدقے گئی۔ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ اور لات منات کا دشمن ہے۔ ان دیکھے خدا کو پوجتا ہے۔ ملکہ نے یہ سنتے ہی ہاتھ ہاتھ پر مارا۔ بہت غصے ہوئی کہ ''میں کیا جانتی تھی کہ یہ ترک ہے۔ اور ہمارے خداؤں سے منکر ہے۔ تبھی ہمارے بت کے غضب میں پڑا تھا۔ میں نے ناحق اسکی پرورش کی اور اپنے گھر میں رکھا''۔ یہ کہتے ہوئے چلی گئی۔ میں سنتے ہی بدحواس ہوا کہ دیکھئے اب کیا سلوک کرے۔ مارے خوف کے نیند اچاٹ ہوگئی۔ صبح تک بے اختیار رویا کیا اور آنسوؤں سے منہ دھویا کیا —

تین دن رات اسی خوف و رجا میں روتے گذری۔ ہرگز آنکھ نہ جھپکی۔ تیسری شب ملکہ شراب کے نشے میں مخمور اور دائی ساتھ لئیے میرے مکان پر آئی۔ غصے میں بھری ہوئی اور تیر کمان ہاتھ میں لئیے باہر چمن کے کنارے بیٹھی۔ دائی سے پیالا شراب کا مانگا۔ پی کر کہا ''دائیا! وہ عجمی جو ہمارے بڑے بت کے قہر میں گرفتار ہے۔ موا یا اب تک جیتا ہے؟'' دائی نے کہا ''بلیّا لوں' کچھ دم باقی ہے''۔ بولی کہ ''اب وہ ہماری نظروں سے گرا لیکن کہہ کہ باہر آوے''۔ دائی نے مجھے پکارا۔ میں دوڑا۔ دیکھوں تو ملکہ کا چہرہ مارے غصے کے تمتما رہا ہے۔ اور سرخ ہو گیا ہے۔ روح قالب میں نہ رہی۔ سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا۔ غضب کی نگاہ سے مجھے دیکھکر دائی سے بولی۔ ''اگر میں اس دین کے دشمن کو تیر سے ماروں۔ تو میری خطا بڑا بت معاف کریگا یا

ین؟ یہ مجھ سے بڑا گناہ ہوا ہے۔ کہ میں نے اسے اپنے گھر
بن رکھ کر خاطر داری کی''۔

دائی نے کہا۔ ''پادشاہ زادی کی کیا تقصیر ہے؟ دشمن جان کر
ہیں رکھا۔ تم نے اسپر ترس کھایا۔ تمکو نیکی کے عوض نیکی
لیگی۔ اور یہ اپنی بدی کا ثمرہ بڑے بت سے پا رھیگا''۔ یہ سنکر
کہا۔ ''دائی! اسے بیٹھنے کو کہہ''۔ دائی نے مجھے اشارات کی کہ
بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ ملکہ نے اور جام شراب کا پیا اور دائی
سے کہا۔ کہ ''اس کمبخت کو بھی ایک پیالا دے۔ تو آسانی سے
ارا جاوے''۔ دائی نے جام دیا۔ میں نے بے عذر پیا اور سلام کیا۔
ہرگز میری طرف نگاہ نہ کی۔ مگر کن انکھیوں سے چوری چوری
دیکھتی تھی۔ جب مجھے سرور ہوا کچھ شعر پڑھنے لگا۔
زانجملہ ایک بیت یہ بھی پڑھی —

قابو میں ہوں میں تیرے، گواب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسو نے ٹک دم لیا تو پھر کیا؟

سنکر مسکرائی اور دائی کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''کیا تجھے
بند آتی ہے؟'' دائی نے مرضی پا کر کہا کہ ''ہاں مجھپر خواب نے
غلبہ کیا ہے''۔ وہ تو رخصت ہوکر جہنم واصل ہوئی۔ بعد ایک
دم کے ملکہ نے پیالا مجھ سے مانگا۔ میں جلد بھر کر رو برو لیگیا۔
ایک ادا سے میرے ھاتھ سے لیکر پی لیا۔ تب میں قدموں پر گرا۔
ملکہ نے ھاتھ مجھ پر جھاڑا اور کہنے لگی۔ ''اے جاھل! ھمارے
بڑے بت میں کیا برائی دیکھی جو غائب خدا کی پرستش کرنے
لگا؟'' میں نے کہا ''انصاف شرط ہے۔ ٹک غور فرمائیے کہ بندگی

کے لائق وہ خدا ھے کہ جسنے ایک قطرے پانی سے تم سار کا محبوب پیدا کیا ۔ اور یہ حسن و جمال دیا کہ ایک آن میں ہزاروں انسان کے دل کو دیوانہ کر ڈالو۔ بت کیا چیز ھے کہ کوئی اس کی پوجا کرے؟ ایک پتھر کو سنگ تراشوں نے گڑھ کر صورت بنائی اور دام احمقوں کے واسطے بچھایا ۔ جنکو شیطان نے ورغلانا ھے ۔ وے مصنوع کو صانع جانتے ھیں۔ جسے اپنے ھاتھوں سے بناتے ھیں ۔ اسکے آگے سر جھکاتے ھیں۔ اور ھم مسلمان ھیں ، جس نے ھمیں بنایا ھے ھم اسے مانتے ھیں ۔ ان کے واسطے دوزخ ، ھمارے لئے بہشت بنایا ھے ۔ اگر پادشاھزادی ایمان خدا پر لاوے۔ تب اس کا مزا پاوے۔ اور حق و باطل میں فرق کرے اور اپنے اعتقاد کو غلط سمجھے،، —

بارے ایسی ایسی نصیحتیں سنکر اس سنگدل کا دل ملائم ھوا ۔ خدا کے فضل و کرم سے رونے لگی اور بولی ۔ ،،اچھا مجھے بھی اپنا دین سکھاؤ ،،۔ میں نے کلمہ تلقین کیا ۔ اس نے بہ صدق دل پڑھا ۔ اور توبہ استغفار کرکر مسلمان ھوئی ۔ تب میں اسکے پاؤں پڑا ۔ صبح تک کلمہ پڑھتی اور استغفار کرتی رھی ۔ پھر کہنے لگی ۔ ،،بھلا میں نے تو تمھارا دین قبول کیا ۔ لیکن ما باپ کافر ھیں ۔ ان کا کیا علاج ھے؟،، میں نے کہا۔ ،،تمھاری بلا سے ۔ جو جیسا کریگا ویسا پاویگا،، ۔ بولی کہ ،،مجھے چچا کے بیٹے سے منسوب کیا ھے ۔ اور وہ بت پرست ھے ۔ کل کو خدانخواستہ بیاہ ھو اور وہ کافر مجھ سے ملے اور اس کا نطفہ میرے پیٹ میں ٹھہر جاوے تو بڑی قباحت ھے ۔ اسکی فکر ابھی سے کیا چاھئے ۔ کہ اس بلا سے نجات پاؤں ،،۔ میں نے کہا ،،تم بات تو معقول کہتی ھو ۔ جو مزاج میں

وے سو کرو''۔ بولی کہ ''میں اب یہاں نہ رہونگی۔ کہیں نکل جاؤنگی'' میں نے پوچھا ''کس صورت سے بھاگنے پاؤگی۔ اور کہاں جاؤگی؟''، جواب دیا کہ ''پہلے تم میرے پاس سے جاؤ۔ مسلمانوں کے ساتھ سرا میں جا رہو۔ تو سب آدمی سنیں اور تم پر گمان نہ یجاویں۔ تم وہاں کشتیوں کی تلاش میں رہو۔ جو جہاز عجم کی طرف چلے مجھے خبر کیجو۔ میں اس واسطے دائی کو تمھارے پاس اکثر بھیجا کرونگی۔ جب تم کہلا بھیجو گے میں نکل کر آؤنگی اور کشتی پر سوار ہو کر چلی جاؤنگی۔ ان کم بخت بے دینوں کے ساتھ سے مخلصی پاؤنگی''۔ میں نے کہا ''تمھاری جان و ایمان کے قربان ہوا۔ دائی کو کیا کروگی؟''، بولی ''اسکی فکر سہل ہے۔ ایک پیالے میں زہر ہلاہل پلا دونگی''۔ یہی صلاح مقرر ہوئی۔ جب دن ہوا میں کاروان سرا میں گیا۔ ایک حجرہ کرائے لیا اور جا رہا۔ اس جدائی میں فقط وصل کی توقع پر جیتا رہا۔ جب دو مہینے میں سوداگر روم و شام و اصفہان کے جمع ہوئے۔ ارادہ کوچ کا تری کی راہ سے کیا۔ اور اپنا اسباب جہاز پر چڑھانے لگے۔ ایک جگہ رہنے سے اکثر آشنا صورت ہوگئے تھے۔ مجھسے کہنے لگے ''کیوں صاحب! تم بھی چلو نا۔ یہاں کفرستان میں کب تلک رہوگے؟''، میں نے جواب دیا کہ ''میرے پاس کیا ہے جو اپنے وطن کو جاؤں؟ یہی ایک لونڈی، ایک کتا، ایک صندوق، بساط میں رکھتا ہوں۔ اگر تھوڑی سی جگہ بیٹھ رہنے کو دو۔ اور اس کا نول مقرر کرو تو میری خاطر جمع ہو۔ میں بھی سوار ہوں''۔

سوداگروں نے ایک کوٹھری میرے تحت میں کردی۔ میں نے اسکے نول کا روپیہ بھر دیا۔ دل جمعی کرکر کسو بہانے سے

دائی کے گھر گیا اور کہا ۔ ''اے اما! تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں ۔ اب وطن کو جاتا ہوں ۔ اگر تیری توجہ سے ایک نظر ملکہ کو دیکھ لوں تو بڑی بات ہے،، ۔ بارے دائی نے قبول کیا ۔ میں نے کہا ''میں رات کو آؤنگا ۔ فلانے مکان پر کھڑا رہونگا،،۔ بولی ''اچھا،،۔ میں کہکر سرا میں آیا ۔ صندوق اور بچھونے اٹھا کر جہاز میں لایا اور ناخدا کو سونپ کر کہا ۔ ''کل فجر کو اپنی کنیز کو لیکر آؤنگا،،۔نا خدا بولا ''جلد آئیو۔ صبح ہم لنگر اٹھاوینگے،،۔ میں نے کہا ''بہت خوب،، ۔ جب رات ہوئی اسی مکان پر جہاں دائی سے وعدہ کیا تھا ۔ جا کر کھڑا رہا ۔ پھر رات گئے محل کا دروازہ کھلا اور ملکہ میلے کچیلے کپڑے پہنے ایک پیٹی جواہر کی لئے باہر نکلی ۔ وہ پٹاری سر سے حوالے کی اور ساتھ چلی ۔ صبح ہوتے کنارے دریا کے ہم پہنچے ۔ ایک لنبوت پر سوار ہوکر جہاز میں جا اترے ۔ یہ وفادار کتا بھی ساتھ تھا ۔ جب صبح خوب روشن ہوئی لنگر اٹھایا اور روانہ ہوئے ۔ بہ خاطر جمع چلے جاتے تھے ۔ ایک بندر سے آواز توپوں کی شلک کی آئی ۔ سب حیران اور فکر مند ہوئے ۔ جہاز کو لنگر کیا اور آپس میں چرچا ہونے لگا ۔ کہ ''کیا شاہ بندر کچھ دغا کریگا ۔ توپ چھوڑنے کا کیا سبب ہے؟،،

انفاقاً سب سوداگروں کے پاس خوبصورت لونڈیاں تھیں ۔ شاہ بندر کے خوف سے کہ مبادا چھین لے سب نے کنیزکوں کو صندوقوں میں بند کیا ۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنی شہزادی کو صندوق میں بٹھا کر قفل کردیا ۔ اس عرصے میں شاہ بندر ایک غراب پر بہ مع نوکر چاکر بیٹھا ہوا نظر آیا ۔ آتے آتے جہاز پر آ چڑھا ۔ شاید اسکے آنے کا یہ سبب تھا کہ

سرگزشت آزاد بخت پادشاہ کی

ادشاہ کو دائی کے مرنے کی اور ملکہ کے غائب ہونے کی جب
بر معلوم ہوئی ۔ مارے غیرت کے اسکا تو نام نہ لیا ۔ مگر شاہبندر
کو حکم کیا کہ ”میں نے سنا ہے عجمی سوداگروں کے پاس
ونڈیاں خوب خوب ہیں ۔ سو میں شہزادے کے واسطے لیا چاھتا
ہوں ۔ تم ان کو روک کر جتنی لونڈیاں جہاز میں ہوں حضور
یں حاضر کرو گے ۔ انہیں دیکھکر جو پسند آوینگی ان کی قیمت
دی جائیگی ۔ نہیں تو واپس ہونگی“—

بہ موجب حکم پادشاہ کے یہ شاہ بندر اسلئے آپ جہاز پر آیا ۔
اور میرے نزدیک ایک اور شخص تھا ۔ اسکے پاس بھی ایک
نااندی قبول صورت صندوق میں بند تھی ۔ شاہ بندر اسی صندوق پر
آکر بیٹھا اور لونڈیوں کو نکلوانے لگا ۔ میں نے خدا کا شکر کیا
کہ بھلا پادشاھزادی کا مذکور نہیں ۔ غرض جتنی لونڈیاں پائیں
شاہ بندر کے آدمیوں نے ناؤ پر چڑھائیں ۔ اور خود شاہ بندر جس
صندوق پر بیٹھا تھا اسکے مالک سے بھی ہنستے ہنستے پوچھا
کہ ”تیرے پاس بھی تو لونڈی تھی“ ۔ اس احمق نے کہا ”آپ کے قدموں
کی سوگند ۔ میں نے ھی یہ کام نہیں کیا ۔ سبھوں نے تمھارے ڈر
سے لونڈیاں صندوقوں میں چھپائی ہیں“ ۔ شاہ بندر نے یہ بات سنکر
سب صندوقوں کا جھاڑا لینا شروع کیا ۔ میرا بھی صندوق کھولا
اور ملکہ کو نکالکر سب کے ساتھ لیگیا ۔ عجب طرح کی مایوسی
ہوئی کہ یہ ایسی حرکت پیش آئی کہ تیری جان تو مفت گئی
اور ملکہ سے دیکھئیے کیا سلوک کرے —

اس کی فکر میں اپنی بھی جان کا ڈر بھول گیا ۔ سارے دن رات
خدا سے دعا مانگتا رہا ۔ جب بڑی فجر ہوئی ۔ سب لونڈیوں کو

سرگزشت آزاد بخت پادشاہ کی

کشتی پر سوار کرکے لائے۔ سوداگر خوش ہوئے۔ اپنی اپنی کنیزکیں لیں۔ سب آئیں مگر ایک ملکہ ان میں نہ تھی۔ میں نے پوچھا کہ ''میری لونڈی نہیں آئی۔ اس کا کیا سبب ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ''ہم واقف نہیں۔ شاید پادشاہ نے پسند کی ہوگی''۔ سب سوداگر مجھے تسلی اور دلاسا دینے لگے۔ کہ ''خیر جو ہوا سو ہوا تو کڑھ مت۔ اسکی قیمت ہم سب بہری کرکر تجھے دینگے۔ میرے حواس باختہ ہوگئے۔ میں نے کہا کہ ''اب میں عجم نہیں جانے کا''۔ کشتی والوں سے کہا ''یارو! مجھے بھی اپنے ساتھ لیچلو۔ کنارے پر اتار دیجو''۔ وے راضی ہوئے۔ میں جہاز سے اتر کر غراب میں آ بیٹھا۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا —

جب بندر میں پہونچا ایک صندوقچہ جواہر کا جو ملکہ اپنے ساتھ لائی تھی اسے تو رکھ لیا۔ اور سب اسباب شاہ بندر کے نوکروں کو دیا۔ اور میں جاسوسی میں ہر کہیں پھرنے لگا کہ شاید خبر ملکہ کی پاؤں۔ لیکن ہرگز سراغ نہ ملا اور نہ اس بات کا پتہ پایا۔ ایک رات کو کسو مکر سے پادشاہ کے بھی محل میں گیا اور ڈھونڈھا۔ کچھ خبر نہ ملی۔ قریب ایک مہینے کے شہر کے کوچے اور محلے چھان مارے۔ اور اس غم سے اپنے تئیں قریب ہلاکت کے پہنچایا۔ اور سودائی سا پھرنے لگا۔ آخر اپنے دل میں خیال کیا۔ کہ غالب ہے شاہ بندر کے گھر میں میری پادشاہزادی ہووے تو ہووے۔ نہیں تو اور کہیں نہیں۔ شاہ بندر کی حویلی کے گرد پیش دیکھتا پھرتا تھا۔ کہ کہیں سے بھی جانے کی راہ پاؤں تو اندر جاؤں —

بھپا لے اور کسو سے نہ بول۔ بعد تین دن کے باہمن اور بت پرست
ر چند تجھے خلعت دیکر رخصت کریں۔ تو وہاں سے ہرگز نہ
ٹھ۔ جب نہایت منت کریں تو بولیو کہ ”مجھے روپیہ پیسہ کچھ
رکار نہیں۔ میں مال کا بھوکا نہیں۔ میں مظلوم ہوں۔ فریاد کو
یا ہوں۔ اگر برھمنوں کی ماتا میری داد دے تو بہتر۔ نہیں بڑا
ت میرا انصاف کریگا اور اس ظالم سے یہی بڑا بت میری فریاد کو
پہنچے گا“۔ جب تک وہ ما باھمنوں کی آپ تیرے پاس نہ آوے،
بہتیرا کوئی مناوے تو راضی نہ ہوجیو۔ آخر لاچار ہوکر وہ خود
یرے نزدیک آویگی۔ وہ بہت بوڑھی ہے۔ دوسو چالیس برس کی
مر ہے۔ اور چھتیس بیٹے اسکے جنے ہوئے بتخانے کے سردار
یں۔ اور اس کا بڑے بت کے پاس بڑا درجا ہے۔ اس سبب اسکا
تنا بڑا حکم ہے کہ جتنے چھوٹے بڑے اس ملک کے ہیں اسکے
کہنے کو اپنی سعادت جانتے ہیں۔ جو وہ فرماتی ہیں بسروچشم
انتے ہیں۔ اسکا دامن پکڑ کر کہیو ”اے مائی! اگر مجھ مظلوم
سافر کا انصاف ظالم سے نہ کریگی۔ تو میں بڑے بت کی خدمت
یں ٹکریں ماروں گا۔ آخر وہ رحم کھاکر تجھ سے میری سفارش
کریگا“ —

اسکے بعد جب وہ برھمنوں کی ماتا جب تیرا سب احوال پوچھے
و کہیو کہ ”میں عجم کا رہنے والا ہوں۔ بڑے بت کی زیارت
ی خاطر اور تمھاری عدالت سنکر کالے کوسوں سے یہاں آیا ہوں۔
کئی دنوں آرام سے رہا۔ میری بی بی بھی میرے ساتھ آئی تھی۔ وہ
جوان ہے اور صورت شکل بھی اچھی ہے اور آنکھ ناک سے درست
ہے۔ معلوم نہیں کہ شاہ بندر نے اسے کیوں کر دیکھا۔ بہ

زور مجھ سے چھین کر اپنے گھر میں ڈال دیا۔ اور ہم مسلمانوں کا یہ قاعدہ ھے کہ۔ جو نا محرم عورت کو ان کی دیکھے یا چھین لے تو واجب ھے کہ اسکو جسطرح ھو مار ڈالیں اور اپنی جورو کو لے لیں ۔ اور نہیں تو کھانا پینا چھوڑ دیں ۔ کیونکہ جب تلک وہ جیتا رھے وہ عورت خاوند پر حرام ھے ۔ اب یہاں لاچار ھوکر آیا ھوں ۔ دیکھئیے، تم کیا انصاف کرتی ھو"۔ جب ملکہ نے مجھے یہ سب سکھا پڑھا دیا میں رخصت ھو اسی نابدان کی راہ سے نکلا ۔ اور وہ جالی آھنی پھر لگادی —

صبح ھوتے بتخانے میں گیا اور وہ سیاہ پلاس اوڑھ کر بیٹھا۔ تین روز میں اتنا روپیہ اور اشرفی اور کپڑا میرے نزدیک جمع ھوا کہ انبار لگ گیا ۔ چوتھے دن پنڈے بھجن کرتے اور گاتے بجاتے خلعت لئے میرے پاس آئے اور رخصت کرنے لگے ۔ میں راضی نہ ھوا ۔ اور دھائی بڑے بت کی دی ۔ کہ میں گدائی کرنے نہیں آیا۔ بلکہ انصاف کے لئے بڑے بت اور برھمنوں کی ماتا کے پاس آیا ھوں۔ جب تلک اپنی داد نہ پاؤنگا یہاں سے نہ جاؤنگا ۔ وے سنکر اس پیر زال کے رو برو گئے ۔ اور میرا احوال بیان کیا ۔ بعد اسکے ایک چوبے آیا اور میرے تئیں کہنے لگا ۔ "کہ چل ماتا بلاتی ھے"۔ میں وونھیں ٹاٹ کالا سر سے پاؤں تک اوڑھے ھوئے دِھرے میں گیا ۔ دیکھتا ھوں کہ ایک جڑاؤ سنگھاسن پر جسمیں لعل الماس اور موتی مونگا لگا ھوا ھے بڑا بت بیٹھا ھے ۔ اور ایک کرسیٔ زرین پر فرش معقول بچھا ھے ۔ اسپر ایک بڑھیا سیاہ پوش مسند تکئے لگائے اور دو لڑکے دس بارہ برس کے ایک داھنے ایک بائیں شان و

شوکت اور تجمل سے بیٹھے ھیں ۔ مجھے آگے بلایا ۔ مین ادب سے آگے گیا اور تخت کے پائے کو بوسہ دیا ۔ پھر اس کا دامن پکڑ لیا۔ اس نے میرا احوال پوچھا ۔ میں نے اسی طرح جس طور سے ملکہ نے تعلیم کردیا تھا ظاھر کیا —

سنکر بولی کہ ''کیا مسلمان اپنی استریوں کو اوجھل میں رکھتے ھیں ؟'' میں نے کہا ھاں ۔ تمہارے بچوں کی خیر ھو۔ یہ ھماری رسم قدیم ھے'' ۔ بولی کہ ''تیرا اچھا مذھب ھے ۔ میں ابھی حکم کرتی ھوں کہ شاہ بندر بہ مع تیری جورو آن کر حاضر ھونا ھے ۔ اور اس گیدی کو ایسی سیاست کروں کہ بار دیگر ایسی حرکت نہ کرے ۔ اور سب کے کان کھڑے ھوں اور ڈریں'' ۔ اپنے لوگوں سے پوچھنے لگی کہ ''شاہ بندر کون ھے؟ اسکی یہ مجال ھوئی کہ بگانی تریا کو بزور چھین لیتا ھے؟'' لوگوں نے کہا ''فلانا شخص ھے ۔ یہ سنکر ان دونوں لڑکوں کو (جو پاس میں بیٹھے تھے) فرمایا کہ ''جلدی اس مانس کو ساتھ لیکر بادشاہ کے پاس جاؤ ۔ اور کہو کہ مانا فرماتی ھیں کہ حکم بڑے بت کا یہ ھے کہ شاہ بندر آدمیوں پر زور زیادتی کرتا ھے ۔ چنانچہ اس غریب کی عورت کو چھین لیا ھے ۔ اسکی تقصیر بڑی ثابت ھوئی ۔ جلد اس گمراہ کے مال کا تالیقہ کرکر اس ترک کے (کہ ھمارا منظور نظر ھے) حوالے کر ۔ نہیں تو آج رات کو تو ستیا ناس ھوگا ۔ اور ھمارے غضب میں پڑیگا ۔'' وے دونوں طفل اٹھکر منڈل سے باھر آئے اور سوار ھوئے ۔ سب پنڈے سنکھ بجاتے اور آرتی گاتے جلو میں ھولئے —

غرض وھاں کے بڑے چھوٹے جہاں ان لڑکوں کا پاؤں پڑتا تھا ، وھاں کی مٹی تبرک جان کر اٹھا لیتے ۔ اور آنکھوں سے لگاتے

سرگزشت آزاد بخت پادشاہ کی

اسی طرح پادشاہ کے قلعے تک گئے ۔ پادشاہ کو خبر ہوئی۔ ننگے پاؤں استقبال کی خاطر نکل آیا ۔ اور ان کو بڑے مان سہت سے لیجا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور پوچھا ۔ ''آج کیونکر تشریف فرمانا ہوا؟'' ان دونوں برہمن بچوں نے ما کی طرف سے جو کچھ سن آئے تھے کہا ۔ اور بڑے بت کی خفگی سے ڈرایا —

پادشاہ نے سنتے ہی فرمایا ''بہت خوب'' ۔ اور اپنے نوکروں کو حکم کیا ۔ کہ ''محصل جاویں اور شاہ بندر کو بہ مع اس عورت کے جلد حضور میں داخل کریں ۔ تو میں تقصیر اسکی تجویز کرکے سزا دوں ۔'' یہ سنکر میں اپنے دل میں گھبرایا کہ یہ بات تو اچھی نہ ہوئی ۔ اگر شاہ بندر کے ساتھ ملکہ کو بھی لاویں تو پردہ فاش ہوگا ۔ اور میرا کیا احوال ہوگا؟ دل میں نہایت خوف زدہ ہوکر خدا کی طرف رجوع کی ۔ لیکن میرے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں ۔ اور بدن کانپنے لگا ۔ لڑکوں نے یہ میرا رنگ دیکھ شاید دریافت کیا کہ یہ حکم اسکی مرضی کے موافق نہ ہوا ۔ وونہیں خفا و برہم ہوکر اٹھے ۔ اور پادشاہ کو جھڑک کر بولے ''اے مردک! تو دیوانہ ہوا ہے جو فرمانبرداری سے بڑے بت کے نکلا ۔ اور ہمارے بچن کو جھوٹھ سمجھا ۔ جو دونوں کو بلاکر تحقیق کیا چاہتا ہے؟ اب خبر دار تو غضب میں بڑے بت کے پڑا ۔ ہم نے تجھے حکم پہنچا دیا۔ اب تو جان اور بڑا بت جانے''—

اس کہنے سے پادشاہ کی عجب حالت ہوئی کہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا ۔ اور سر سے پاؤں تلک رعشہ ہوگیا ۔ منت کرکے منانے لگا ۔ یے دونوں ہرگز نہ بیٹھے لیکن کھڑے رہے ۔ اس میں جتنے امیر و امرا وہاں حاضر تھے ۔ ایک منہ ہوکر بد گوئی شاہ بندر

کی کرنے لگے ۔ کہ ”وہ ایسا ہی حرامزادہ بدکار اور پاپی ہے ۔ ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ حضور میں پادشاہ کے کیا کیا عرض کریں؟ جو کچھ برہمنوں کی ماتا نے کہلا بھیجا ہے درست ہے۔ اس واسطے کہ حکم بڑے بت کا ہے ۔ یہ دروغ کیونکر ہوگا؟“ پادشاہ نے جب سب کی زبانی ایک ہی بات سنی ۔ اپنے کہنے سے بہت خجل اور نادم ہوا ۔ جلد ایک خلعت پاکیزہ مجھے دی ۔ اور حکمنامہ اپنے ہاتھ سے لکھکر اس پر دستی مہر کرکر میرے حوالے کیا ۔ اور ایک رقعہ مادر برہمنان کو لکھا اور جواہر' اشرفیوں کے خوان لڑکوں کے رو برو پیشکش رکھکر رخصت کیا ۔ میں خوشی بہ خوشی بتخانے میں آیا اور اس بڑھیا کے پاس گیا۔

پادشاہ کا خط جو آیا تھا ۔ اس کا یہ مضمون تھا ۔ القاب کے بعد بندگی عجز و نیاز لکھ کر لکھا تھا ۔ کہ ”موافق حکم حضور کے اس مرد مسلمان کو خدمت شاہ بندر کی مقرر ہوئی ۔ اور خلعت دی گئی۔ اب یہ اسکے قتل کرنے کا مختار ہے ۔ اور سارا مال و اموال اس کا اس ترک کا ہوا ۔ جو چاہے سو کرے ۔ امیدوار ہوں کہ میری تقصیر معاف ہو۔“ برہمنوں کی ما نے خوش ہو کر فرمایا کہ ”نوبت خانے میں بتخانے کی نوبت بجے۔“ اور پانچ سو سپاہی برقنداز جو، بال باندھی کوڑی ماریں* مسلح میرے ہمراہ کردئے۔ اورحکم کیا کہ ”بندر میں جاکر شاہ بندر کو دستگیر کرکے اس مسلمان کے حوالے کریں ۔ جس طرح کے عذاب سے اس کا جی چاہے اسے مارے ۔ اور خبر دار، سوائے اس عزیز کے کوئی محل سرا میں

*بال باندھی کوڑی اڑانا ۔ محاورہ ہے ۔ فرہنگ دیکھئے ۔

داخل نہ هووے۔ اور اسکے مال و خزانے کو امانت اسکے سپرد کریں۔ جب یہ بہ خوشی رخصت کرے رسید اور صافی نامہ اس سے لیکر پھر آویں"۔ اور ایک سرے پاؤ *بت بزرگ کی سرکار سے میرے تئیں دیکر سوار کرواکر وداع کیا۔

حب میں بندر میں پھونچا ایک آدمی نے بڑھ کر شاہ بندر کو خبر کی۔ وہ حیران سا بیٹھا تھا کہ میں جا پہنچا۔ غصہ تو دل میں بھر هی رہا تھا۔ دیکھتے هی شاہ بندر کو تلوار کھینچ کر ایسی گردن میں لگائی کہ اس کا سر الگ بھٹا سا اڑ گیا۔ اور وهاں کے گماشتے خزانچی مشرف داروغوں کو پکڑواکر سب دفتر ضبط کئے۔ اور محل میں داخل هوا۔ ملکہ سے ملاقات کی۔ آپس میں گلے لگ کر روئے اور شکر خدا کا کیا۔ میں نے اس کے اس نے میرے آنسو پونچھے۔پھر باهر مسند پر بیٹھ کر اهل کاروں کو خلعتیں دیں۔ اور اپنی اپنی خدمتوں پر سب کو بحال کیا۔ نوکر اور غلاموں کو سرفرازی دی۔ وہ لوگ جو سنڈپ سے میرے ساتھ متعین هوئے تھے۔ هر ایک کو انعام و بخشش دیکر اور ان کے جمعدار رسالہ داز کو جوڑے پہناکر رخصت کیا۔ اور جواهر بیش قیمت اور تھان نور بافی اور شال بافی اور زردوزی اور جنس و تحفے هر ایک ملک کے اور نقد بہت سا پادشاہ کی نذر کی خاطر اور موافق هر ایک امراؤں کے درجہ بدرجہ اور پنڈیاین کے لئے اور سب پنڈوں کے تقسیم کرنے کی خاطر اپنے ساتھ لیکر بعد ایک هفتے کے میں بتکدے میں آیا۔ اور اس ماتا کے آگے بہ طریق بھینٹ کے رکھا۔

---

*سروپا

اس نے ایک اور خلعت سرفرازی کی مجھے بخشی اور خطاب دیا ۔ پھر بادشاہ کے دربار میں جاکر پیشکش گذارنے اور جو جو ظلم و فساد شاہ بندر نے ایجاد کیا تھا اسکے موقوف کرنے کی خاطر عرض کی ۔ اس سبب سے بادشاہ اور امیر سوداگر سب مجھ سے راضی ہوئے ۔ بہت نوازش مجھپر فرمائی اور خلعت اور گھوڑا دیکر منصب جاگیر عنایت کی ۔ اور آبرو حرمت بخشی ۔ جب بادشاہ کے حضور سے باھر آیا ۔ شاگرد پیشوں کو اور اھل کاروں کو اتنا کچھ دیکر راضی کیا کہ سب میرا کلمہ پڑھنے لگے ۔ غرض میں بہت مرفہ‌الحال ہو گیا اور نہایت چین و آرام سے اس ملک میں ملکہ سے عقد باندھ کر رھنے لگا ۔ اور خدا کی بندگی کرنے لگا ۔ میرے انصاف کے باعث رعیت پرجا سب خوش تھے ۔ مہینے میں ایکبار بتخانے میں اور پادشاہ کے حضور میں آتا جاتا ۔ پادشاہ روز بروز سرفرازی فرماتا —

آخر مصاحبت میں مجھے داخل کیا ۔ میرے بے صلاح کوئی کام نہ کرتا ۔ نہایت بے فکری سے زندگی گذرنے لگی ۔ مگر خدا ھی جانتا ھے اکثر اندیشہ ان دونوں بھائیوں کا دل میں آتا کہ وے کہاں ہونگے اور کسطرح ہونگے ۔ بعد مدت دو برس کے ایک قافلہ سوداگروں کا ملک زیرباد سے اس بندر میں آیا ۔ وے سب قصد عجم کا رکھتے تھے ۔ انھوں نے یہ چاھا کہ دریا کی راہ سے اپنے ملک کو جاویں ۔ وھاں کا قاعدہ یہ تھا کہ جو کارواں آتا اس کا سردار سوغات و تحفہ ھر ایک ملک کا میرے پاس لاتا اور نذر گذرانتا ۔ دوسرے روز میں اسکے مکان پر جاتا، دہ یکے، بطریق محصول کے اسکے مال سے لیتا اور پروانگی کوچ کی دیتا ۔ اسی طرح

وہ سوداگر زیرباد کے بھی میری ملاقات کو آئے اور بے بہا پیشکش لائے ۔ دوسرے دن میں ان کے خیمے میں گیا ۔ دیکھا تو دو آدمی پھٹے پرانے کپڑے پہنے گٹھری بقچے سر پر اٹھا کر میرے رو برو لاتے ھیں ۔ بعد ملاحظہ کرنے کے پھر اٹھا لے جاتے ھیں ۔ اور بڑی محنت اور خدمت کر رہے ھیں —

میں نے خوب نجھا کر جو دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ھیں ۔ اس وقت غیرت اور حمیت نے نہ چاھا کہ ان کو اس طرح خدمتگاری میں دیکھوں ۔ جب میں اپنے گھر کو چلا آدمیوں کو کہا کہ ''ان دونوں شخصوں کو لئیے آؤ ''۔ ان کو لائے ۔ پھر لباس و پوشاک بنوا دی اور اپنے پاس رکھا ۔ ان بد ذاتوں نے پھر میرے مارنے کا منصوبہ کرکر ایک روز آدھی رات میں سب کو غافل پا کر چوٹوں کی طرح میرے سرھانے آ پہنچے ۔ میں نے اپنی جان کے ڈر سے چوکیداروں کو دروازے پر رکھا تھا اور یہ کتا وفادار میری چارپائی کی پٹی تلے سوتا تھا ۔ جوں انھوں نے تلواریں میان سے کھینچیں پہلے کتے نے بھونک کر ان پر حملہ کیا ۔ اس کے آواز سے سب جاگ پڑے ۔ میں بھی ھل بلا کر چونکا ۔ آدمیوں نے ان کو پکڑا ۔ معلوم ھوا کہ آپ ھی ھیں ۔ سب لعنتیاں دینے لگے ۔ کہ باوجود اس خاطر داری کے یہ کیا حرکت ان سے ظہور میں آئی —

پادشاہ سلامت ! تب تو میں بھی ڈرا ۔ مثل مشہور ھے ۔ ایک خطا دو خطا تیسری خطا مادر بخطا ۔ دل میں یہی صلاح ٹھہری کہ اب ان کو مقید کروں ۔ لیکن اگر بندی خانے میں رکھوں تو ان کا کون خبر گیران رہے گا؟ بھوک پیاس سے مر جائینگے ۔ یا کوئی اور سوانگ لائینگے ۔ اس واسطے قفس میں رکھا ھے کہ ھمیشہ

میری نظروں کے تلے رهیں تو میری خاطر جمع رهے ۔ مبادا آنکھوں سے اوجھل هو کر کچھ اور مکر کریں ۔ اور اس کتے کی عزت اور حرمت اس کی نمک حلالی اور وفاداری کے سبب هے ۔ سبحان اللہ! آدمی بیوفا بد تر حیوان با وفا سے هے ۔ میری یه سر گزشت تھی جو حضور میں عرض کی ۔ اب خواہ قتل فرمائیے یا جان بخشی کیجئے حکم پادشاہ کا هے''۔

میں نے سنکر اس جوان با ایمان پر افریں کی اور کہا ۔ کہ ''تیری مروت میں کچھ خلل نہیں ۔ اور ان کی بیحیائی اور حرامزدگی میں هرگز قصور نہیں ۔ سچ هے کتے کی دم کو بارہ برس گاڑو تو بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی رهے گی۔'' اس کے بعد میں نے حقیقت ان بارهوں لعل کی (که اس کتے کے پٹے میں تھے) پوچھی ۔ خواجه بولا که ''پادشاہ کی صد و بیست سال کی عمر هو۔ اسی بندر میں جہاں میں حاکم تھا ۔ بعد تین چار سال کے ایک روز بالا خانے پر محل کے که بلند تھا، واسطے سیر اور تماشے دریا و صحرا کے میں بیٹھا تھا ۔ اور هر طرف دیکھتا تھا ۔ ناگاہ ایک طرف جنگل میں که وهاں شاہ راہ نه تھی ۔ دو آدمی کی تصویر سی نظر آئی که چلے جاتے هیں ۔ دوربین لیکر دیکھا تو عجب هئیت کے انسان دکھائی دئے ۔ چوبداروں کو ان کے بلانے کے واسطے بھیجا۔

جب وے آئے تو معلوم هوا که ایک عورت اور ایک مرد هے۔ رنڈی کو محل سرا میں ملکه کے پاس بھیج دیا ۔ اور مرد کو روبرو بلایا ۔ دیکھا تو ایک جوان برس بیس بائیس کا داڑھی موچھ آغاز هے ۔ لیکن دھوپ کی گرمی سے اسکے چہرے کا رنگ کالے توے کا سا هو رها هے ۔ اورسر کے بال اور هاتھوں کے ناخن بڑھ کر بن مانس

کی صورت بن رہا ہے۔ اور ایک لڑکا برس تین چار یک
کاندھے پر۔ اور دو آستینیں کرتے کی، بھری ہوئیں، ہیکل کی طرح
گلے میں ڈالے۔ عجب صورت اور عجب وضع اسکی دیکھی۔ میں
نے نہایت حیران ہوکر پوچھا ''اے عزیز! تو کون ہے اور کس
ملک کا باشندہ ہے اور یہ کیا تیری حالت ہے؟،، وہ جوان بے اختیا
رونے لگا اور وہ ہمیانی کھول کر میرے آگے زمین پر رکھی او
بولا۔ ''الجوع الجوع! واسطے خدا کے کچھ کھانے کو دو۔ مدت
سے گھاس اور بناس پتیاں کھاتا چلا آتا ہوں۔ ایک ذرا قوت
مجھ میں باقی نہیں رہی۔،، وونہیں نان و کباب اور شراب میں نے
منگوا دی۔ وہ کھانے لگا۔

اتنے میں خواجہ سرا محل سے کئی تھیلیاں اور اسکے قبیلے
کے پاس سے لے آیا۔ میں نے اسکو کھلوایا۔ ہر ایک قسم کے جواہر
دیکھے کہ ایک ایک دانہ ان کا خراج سلطنت کا کہا چاہئے۔
ایک سے ایک انمول ڈول میں اور تول میں اور آبداری میں۔ اور
ان کی چھوٹ پڑنے سے سارا مکان بو قلموں ہو گیا۔ جب اسنے
ٹکڑا کھایا اور ایک جام دارو کا پیا اور دم لیا۔ حواس بجا ہوئے۔
تب میں نے پوچھا ''یہ پتھر تجھے کہاں ہاتھ لگے؟،، جواب دیا کہ
''میرا وطن ولایت آذربائیجان ہے۔ لڑکپن میں گھر بار ما باپ سے
جدا ہو کر بہت سختیاں کھینچیں۔ اور ایک مدت تلک میں زندہ
در گور تھا۔ اور کئی بار ملک الموت کے پنجے سے بچا ہوں۔،،
میں نے کہا ''اے مرد آدمی! مفصل کہہ تو معلوم ہو۔،، تب
وہ اپنا احوال بیان کرنے لگا۔ کہ ''میرا باپ سوداگر پیشہ تھا۔
ہمیشہ سفر ہندوستان و روم و چین و خطا و فرنگ کا کرتا۔ جب

سرگزشت آزاد بخت پادشا کی

میں دس برس کا ہوا باپ ہندوستان کو چلا۔ مجھے اپنے ساتھ لیجانے کو چاھا۔ ہر چند والدہ نے اور خالہ ممانی پھوپھی نے کہا کہ ابھی یہ لڑکا ھے لائق سفر کے نہیں ہوا۔ والد نے نہ مانا اور کہا۔ ''میں بوڑھا ہوا۔ اگر یہ میرے رو برو تربیت نہ ہوگا۔ تو یہ حسرت گور میں لیجاؤں گا۔ مرد بچہ ھے۔ اب نہ سیکھیگا تو کب سیکھیگا؟،،

یہ کہکر مجھے خواہ مخواہ ساتھ لیا اور روانہ ہوا۔ خیر و عافیت سے راہ کٹی۔ جب ہندوستان میں پہنچے کچھ جنس وہاں بیچی۔ اور وہاں کے سوغات لیکر زیرباد کے ملک کو گئے۔ یہ بھی سفر بخوبی ہوا۔ وہاں سے بھی خرید و فروخت کرکے جہاز پر سوار ہوئے کہ جلدی وطن میں پہنچیں۔ بعد ایک مہینے کے ایک روز آندھی اور طوفان آیا اور مینھ موسلا دھار برسنے لگا۔ سارا زمین و آسمان دھواں دھار ہو گیا اور پتوار جہاز کی ٹوٹ گئی۔ معلّم، ناخدا سر پیٹنے لگے۔ دس دن تلک ہوا اور موج جیدھر چاہتی تھی لئے جاتی تھی۔ گیارھوویں روز ایک پہاڑ سے ٹکر کھاکے جہاز پرزے پرزے ہوگیا۔ نہ معلوم کہ باپ اور نوکر چاکر اور اسباب کہاں گیا۔

میں نے اپنے تئیں ایک تختے پر دیکھا۔ سہ شبانہ روز وہ پڑا بے اختیار چلا گیا۔ چوتھے دن کنارے پر جا لگا۔ مجھ میں فقط جان باقی تھی۔ اس پر سے اتر کر گھٹنیوں چل کر بارے کسو نہ کسو طرح زمین پر پہنچا۔ دور سے کھیت نظر آئے اور بہت سے آدمی وہاں جمع تھے۔ لیکن سب سیاہ فام اور ننگے مادر زاد۔ مجھ سے کچھ بولے لیکن میں نے ان کی زبان مطلق نہ سمجھی۔ وہ کھیت چنوں کا تھا۔ وہ آدمی آگ کا الاؤ جلا کر بونٹوں کے

ہولے کرتے تھے اور کھاتے تھے۔ اور کئی ایک گھر بھی وہاں نظر آئے۔ شاید ان کی خوراک بھی تھی اور وہیں بستے تھے۔ مجھے بھی اشارت کرنے لگے کہ تو بھی کھا۔ میں نے بھی ایک مٹھی اکھاڑ کر بھونے اور پھانکنے لگا۔ تھوڑا سا پانی پی کر ایک گوشے میں سو رہا۔

بعد دیر کے جب جاگا ان میں سے ایک شخص میرے نزدیک آیا اور راہ دکھانے لگا۔ میں نے تھوڑے سے چنے اکھیڑ لئے اور اس راہ پر چلا۔ ایک کف دست میدان تھا گویا صحرائے قیامت کا نمونہ کہا چاہئے۔ وہی بوٹ کھاتا ہوا چلا جاتا تھا۔ بعد چار دن کے ایک قلعہ نظر آیا۔ جب پاس گیا تو ایک کوٹ دیکھا، بہت بلند تمام پتھر کا اور ہر ایک النگ اسکی دو دو کوس کی اور دروازہ ایک سنگ کا تراشا ہوا ایک قفل بڑا سا جڑا تھا۔ لیکن وہاں انسان کا نشان نظر نہ پڑا۔ وہاں سے آگے چلا۔ ایک ٹیلا دیکھا کہ اسکی خاک سرمے کے رنگ سیاہ تھی۔ جب اس ٹل کے پار ہوا تو ایک شہر نظر پڑا بہت بڑا۔ گرد شہر پناہ اور جا بہ جا برج۔ ایک طرف شہر کے دریا تھا، بڑے پاٹ کا۔ جاتے جاتے دروازے پر گیا اور بسم اللہ کہکر قدم اندر رکھا۔ ایک شخص کو دیکھا پوشاک اہل فرنگ کی پہنے ہوئے کرسی پر بیٹھا ہے۔ جوں ان نے مجھے اجنبی مسافر دیکھا۔ اور میرے منہ سے بسم اللہ سنی پکارا کہ ”آگے آؤ۔“ میں نے جا کر سلام کیا۔ نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیا۔ ترت میز پر پاؤروٹی اور مسکہ اور مرغ کا کباب اور شراب رکھکر کہا ”پیٹ بھر کر کھاؤ۔“ میں نے تھوڑا سا کھایا اور پیا اور بے خبر ہوکر سویا۔ جب رات ہو گئی تب

آنکھ کھلی - ہاتھ منہ دھویا - پھر مجھے کھانا کھلایا اور کہا کہ ''اے بیٹا! اپنا احوال کہہ -،، جو کچھ مجھ پر گذرا تھا سب کہہ سنایا۔ تب بولا کہ ''یہاں تو کیوں آیا؟،، میں نے دق ہو کر کہا ''شاید تو دیوانہ ہے - میں نے بعد مدت کی محنت کے اب بستی کی صورت دیکھی ہے - خدا نے یہاں تلک پہنچایا - اور تو کہتا ہے کیوں آیا؟،، کہنے لگا ''اب تو آرام کر - کل جو کہنا ہوگا کہونگا،،—

جب صبح ہوئی بولا ''کوٹھری میں پھاؤڑا اور چھلنی اور توبڑہ ہے، باہر لے آ -،، میں نے دل میں کہا کہ خدا جانے روٹی کھلا کر کیا محنت مجھسے کروائیگا - لاچار وہ سب نکالکر اسکے رو برو لایا - تب اسنے فرمایا کہ ''اس ٹیلے پر جا - اور ایک گز کے موافق گڑھا کھود - وہاں سے جو کچھ نکلے اس چھلنی میں چھان - جو نہ چھن سکے اس توبڑے میں بھر کر میرے پاس لا -،، میں وہ سب چیزیں لیکر وہاں گیا اور اتنا ہی کھود کر چھان چھون کر توبڑے میں ڈالا۔ دیکھا تو سب جواہر رنگ برنگ کے تھے - ان کی جوت سے آنکھیں چوندھیا گئیں - اسی طرح تھیلی کو مونہاں منہ بھر کر اس عزیز کے پاس لیگیا - دیکھ کر بولا کہ ''جو اس میں بھرا ہے تو لے اور یہاں سے جا کہ تیرا رہنا اس شہر میں خوب نہیں -،، میں نے جواب دیا کہ ''صاحب نے اپنی جانب میں بڑی مہربانگی کی کہ اتنا کچھ کنکر پتھر دیا - لیکن میرے کس کام کا؟ جب بھوکا ہوں گا نہ تو ان کو چبا سکوں گا - نہ پیٹ بھریگا - پس اگر اور بھی دو تو میرے کس کام آئے گا؟،، وہ مرد ہنسا اور کہنے لگا کہ ''مجھکو تجھپر افسوس آتا ہے کہ تو بھی ہمارے مانند ملک عجم کا متوطن ہے - اس لئے میں منع کرتا ہوں، نہیں تو تو جان - اگر خواہ

نخواہ تیرا یہی قصد ہے کہ شہر میں جاؤں ۔ تو میری انگوٹھی لیتا جا ۔ جب بازار کے چوک میں جاوے تو ایک شخص سفید ریش وہاں بیٹھا ہوگا ۔ اور اسکی صورت شکل مجھ سے بہت مشابہ ہے۔ سرا بڑا بھائی ہے ۔ اس کو یہ چھاپ دیجو تو وہ تیری خبر گیری کریگا ۔ اور جو کچھ وہ کہے اسی موافق کام کیجو ۔ نہیں تو مفت مارا جائیگا اور میرا حکم یہیں تلک ہے ۔ شہر میں میرا دخل نہیں ۔،، تب میں نے وہ خاتم اس سے لی ۔ اور سلام کر کر رخصت ہوا ۔ شہر میں گیا ۔ بہت خاصہ شہر دیکھا ۔ کوچہ و بازار صاف اور زن و مرد بیحجاب آپس میں خرید و فروخت کرتے ہیں ۔ سب خوش لباس ۔ میں سیر کرتا اور تماشا دیکھتا ۔ جب چوک کے چوراہے میں پہنچا ۔ ایسا ازدحام تھا کہ تھالی پھینکئیے تو آدمیوں کے سر پر چلی جائے ۔ خلقت کا یہ ٹھٹھہ بندھ رہا تھا کہ آدمی کو راہ چلنا مشکل تھا ۔ جب کچھ بھیڑ چھٹی میں بھی دھکم دھکا کرتا ہوا آگے گیا ۔ بارے اس عزیز کو دیکھا کہ ایک چوکی پر بیٹھا ہے ۔ اور ایک جڑاؤ چماق رو برو دھرا ہے ۔ میں نے جا کر سلام کیا اور وہ بہر دی ۔ نظر غضب سے میری طرف دیکھا اور بولا ۔ ''کیوں تو یہاں آیا ۔ اور اپنے تئیں بلا میں ڈالا؟ مگر میرے بیوقوف بھائی نے تجھے منع نہ کیا تھا ؟،،

میں نے کہا ''انھوں نے تو کہا لیکن میں نے نہ مانا ۔،، اور تمام کیفیت اپنی ابتدا سے انتہا تک کہہ سنائی ۔ وہ شخص اٹھا اور مجھے ساتھ لیکر اپنے گھر کی طرف چلا ۔ اس کا مکان پادشاہوں کا سا دیکھنے میں آیا ۔ اور بہت سے نوکر چاکر اس کے تھے ۔ جب خلوت میں جا کر بیٹھا بہ ملایمت بولا ۔ ''اے فرزند! یہ کیا تونے

حماقت کی کہ اپنے پاؤں سے گور میں آیا؟ کوئی بھی اس کمبخت طلسماتی شہر میں آتا ہے؟،، میں نے کہا ''میں اپنا احوال پیشتر کہہ چکا ہوں۔ اب تو قسمت لے آئی۔ لیکن شفقت فرما کر یہاں کی راہ و رسم سے مطلع کیجئیے تو معلوم کروں کہ اس واسطے تم نے اور تمہارے بھائی نے مجھے منع کیا۔،، تب وہ جواں مرد بولا کہ ''پادشاہ اور تمام رئیس اس شہر کے راندے ہوئے ہیں۔ عجب طرح کا ان کا رویہ اور مذہب ہے۔ یہاں بت خانے میں ایک بت ہے کہ شیطان اسکے پیٹ میں سے نام اور ذات اور دین ہر کسو کا بیان کرتا ہے۔ پس جو کوئی غریب مسافر آتا ہے پادشاہ کو خبر ہوتی ہے۔ اسے منڈپ میں لیجاتا ہے۔ اور بت کو سجدہ کرواتا ہے۔ اگر ڈنڈوت کی تو بہتر۔ نہیں تو بیچارے کو دریا میں ڈبوا دیتا ہے۔ اگر وہ چاہے کہ دریا سے نکل کر بھاگے۔ تو آلت اور خصئیے اس کے لنبے ہو جاتے ہیں، ایسے کہ زمین میں گھسٹتے۔ ایسا طلسم اس شہر میں بنایا ہے۔ مجھکو تیری جوانی پر رحم آتا ہے۔ مگر تیری خاطر ایک تدبیر کرتا ہوں۔ کہ بھلا کوئی دن تو تو جیتا رہے۔ اور اس عذاب سے بچے،،—

میں نے پوچھا ''وہ کیا صورت تجویز کی ہے؟ ارشاد ہو۔،، کہنے لگا ''تجھے کتخدا کروں۔ اور وزیر کی لڑکی تیری خاطر بیاہ لاؤں۔،، میں نے جواب دیا۔ کہ ''وزیر اپنی بیٹی مجھ مفلس کو کب دیگا؟ مگر جب ان کا دین قبول کروں؟ سو یہ مجھسے نہ ہو سکیگا۔،، کہنے لگا ''اس شہر کی یہ رسم ہے کہ جو کوئی اس بت کو سجدہ کرے۔ اگر فقیر ہو اور پادشاہ کی بیٹی کو مانگے۔ تو اس کی خوشی کی خاطر حوالے کریں۔ اور اسے رنجیدہ نہ کریں۔ اور میرا بھی

بادشاہ کے نزدیک اعتبار ہے اور عزیز رکھتا ہے ۔ لہذا سب ارکان اور اکابر یہاں کے میری قدر کرتے ہیں ۔ اور درمیان ایک ہفتے کے دو دن بتکدے میں زیارت کو جاتے ہیں ۔ اور عبادت بجا لاتے ہیں۔ چنانچہ کل سب جمع ہووینگے سب تجھے لیجاؤں گا۔،، یہ کہکر کھلا پلا کر سلا رکھا ۔ جب صبح ہوئی مجھے ساتھ لیکر بتخانے کی طرف چلا ۔ وہاں جا کر جو دیکھا تو آدمی آتے جاتے ہیں اور پرستش کرتے ہیں —

بادشاہ اور امیر بت کے سامنے پنڈتوں کے پاس سر ننگے کئیے ادب سے دو زانو بیٹھے تھے ۔ اور نا کتخدا لڑکیاں اور لڑکے خوبصورت جیسے حور و غلماں چاروں طرف صف باندھے کھڑے تھے ۔ تب وہ عزیز مجھ سے مخاطب ہوا ۔ کہ ”اب میں جو کہوں سو کر۔،، میں نے قبول کیا ۔ کہ ”جو فرماؤ سو بجا لاؤں ۔،، بولا کہ ”پہلے بادشاہ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دے ۔ بعد اسکے وزیر کا دامن پکڑ ۔،، میں نے ویسا ہی کیا ۔ بادشاہ نے پوچھا ۔ کہ ”یہ کون ہے اور کیا کہتا ہے؟،، اس مرد نے کہا ”یہ جوان میرے رشتے میں ہے ۔ بادشاہ کی قدم بوسی کی آرزو میں دور سے آیا ہے ۔ اس توقع پر کہ وزیر اسکو اپنی غلامی میں سر بلند کرے ۔ اگر حکم بت کلاں کا اور مرضی حضور کی ہووے ۔،، بادشاہ نے پوچھا کہ ”ہمارا مذہب اور دین اور آئین قبول کریگا ۔ تو مبارک ہے ۔،، وونہیں بتخانے کا نقار خانہ بجنے لگا ۔ اور بھاری خلعت مجھے پہنائی ۔ اور ایک رسی سیاہ میرے گلے میں ڈالکر کھینچے ہوئے بت کی سنگھاسن کے آگے لیجا کر سجدہ کروا کر کھڑا کیا۔

بت سے آواز نکلی کہ "اے خواجہ زادے! خوب ہوا کہ تو ہماری بندگی میں آیا۔ اب ہماری رحمت اور عنایت کا امیدوار رہ۔" یہ سنکر سب خلقت نے سجدہ کیا اور زمین میں لوٹنے لگے اور پکارے۔ "دھن ہے۔ کیوں نہ ہو۔ تم ایسے ہی ٹھاکر ہو۔" جب شام ہوئی پادشاہ اور وزیر سوار ہوکر وزیر کے محل میں داخل ہوئے۔ اور وزیر کی بیٹی کو اپنے طور کی ربت رسم کرکے میرے حوالے کیا۔ اور بہت سا دان دھیز دبا اور بہت منت وار ہوئے کہ بموجب حکم بڑے بت کے اسے تمھاری خدمت میں دیا ہے۔ ایک مکان میں ہم دونوں کو رکھا۔ اس نازنین کو جو میں نے دیکھا تو فی الواقع اسکا عالم پری کا سا تھا۔ نکھ سکھ سے درست۔ جو جو خوبیاں پدمنی کی سنی جاتی ہیں سو سب اس میں موجود تھیں۔ بفراغت تمام میں نے صحبت کی اور حظ اٹھایا۔ صبح کو غسل کرکے پادساہ کے مجرے میں حاضر ہوا۔ یادشاہ نے خلعت دامادی کی عنابت کی۔ اور حکم فرمایا کہ همیشہ دربار میں حاضر رہا کرے۔ آخر کو بعد حند روز کے پادشاہ کی مصاحبت میں داخل ہوا۔

بادشاہ میری صحبت سے نہایت محظوظ ہوتے۔ اور اکثر خلعت اور انعام عنایت کرتے۔ اگرچہ دنیا کے مال سے میں غنی تھا اس واسطے کہ میرے قبیلے کے پاس اتنا نقد و جنس اور جواهر تھا کہ جس کی حد و نہایت نہ تھی۔ دو سال تک بہت عیش و آرام سے گذری۔ اتفاقاً وزیر زادی کو پیٹ رہا۔ جب ستواں سا ہوا اور آن گنا مہینا گذر کر پورے دن ہوئے پیریں لگیں۔ دائی جنائی آئی۔ تو موا لڑکا پیٹ میں سے نکلا۔ اس کا بس جچا کو چڑھا۔ وہ بھی

مر گئی ۔ میں مارے غم کے دیوانہ ہو گیا کہ یہ کیا آفت ٹوٹی! اس کے سرھانے بیٹھا روتا تھا ۔ ایکبارگی رونے کی آواز سارے محل میں بلند ھوئی ۔ اور چاروں طرف سے عورتیں آنے لگیں ۔ جو آتی تھی ایک دو ھتڑ میرے سر پر مارتی اور اپنے کس اور کون کو ننگا کرکے میرے منھ کے مقابل کھڑی رھتی ۔ اور رونا شروع کرتی ۔ اتنی رنڈیاں اکھٹی ھوئیں کہ میں ان کے چوتڑوں میں چھپ گیا۔ نزدیک تھا کہ جان نکل جاوے —

اتنے میں کسو نے پیچھے سے گریباں میرا کھینچ کر گھسیٹا۔ دیکھوں تو وھی مرد عجمی ھے جس نے مجھے بیاھا تھا ۔ کہنے لگا کہ ''احمق تو کس لئے روتا ھے؟،، میں نے کہا ''اے ظالم یہ تونے کیا بات کہی؟ میری پادشاھت لٹ گئی ۔ آرام خانہ داری کا گیا گذرا ۔ تو کہتا ھے کیوں غم کرتا ھے!،، وہ عزیز تبسم کرکے بولا۔ کہ ''اب اپنی موت کی خاطر رو ۔ میں نے پہلے ھی تجھے کہا تھا کہ شاید اس شہر میں تیری اجل لے آئی ھے ۔ سو ھی ھوا۔ اب سوائے مرنے کے تیری رھائی نہیں ۔،، آخر لوگ مجھے پکڑ کر بتخانے میں لے گئیے ۔ دیکھا تو پادشاہ اور امرا اور چھتیس فرقہ رعیت پرجا وھاں جمع ھیں ۔ اور وزیر زادی کا مال اموال سب دھرا ھے ۔ جو چیز جسکا جی چاھتا ھے لیتا ھے ۔ اور اسکی قیمت کے روپئے دھر دیتا ھے —

غرض سب اسباب کے نقد روپئے ھوئے ۔ ان روپیوں کا جواھر خریدا گیا ۔ اور ایک صندوقچے میں بند کیا اور ایک دوسرے صندوق میں نان و حلوا اور گوشت کے کباب اور میوہ خشک و تر اور کھانے کی چیزیں لیکر بھریں ۔ اور لاش اس بی بی کی ایک صندوق

میں رکھکر صندوق آذوقے کا ایک اونٹ پر لدوایا ۔ اور مجھے سوار کیا اور صندوقچہ جواہر کا میری بغل میں دبا اور سارے باھمن آگے آگے بھجن کرنے سنکھ بجاتے چلے ۔ اور پیچھے ایک خلقت مبارک بادی کہتی ہوئی ساتھ ہولی ۔ اس طور سے اسی دروازے سے کہ میں پہلے روز آیا تھا شہر کے باھر نکلا ۔ جونہیں داروغہ کی نگاہ مجھپر پڑی رونے لگا اور بولا کہ ''اے کمبخت اجل گرفتہ میری بات نہ سنی ۔ اور اس شہر میں جا کر مفت اپنی جان دی۔ میری تقصیر نہیں۔ میں نے منع کیا تھا ۔'' ان نے یہ بات کہی۔ لیکن میں تو ھکا بکا ھو رہا تھا ۔ نہ زبان یاری دیتی تھی کہ جواب دوں ۔ نہ اوسان بجا تھے کہ دیکھئے انجام میرا کیا ھوتا ھے —

آخر اسی قلعے کے پاس جسکا میں نے پہلے روز دروازہ بند دیکھا تھا لیگئے ۔ اور بہت سے آدمیوں نے ملکر قفل کو کھولا اور تابوت اور صندوق کو اندر لیچلے ۔ ایک پنڈت میرے نزدیک آیا اور سمجھانے لگا ۔ کہ ''مانس ایک دن جنم پاتا ھے ۔ اور ایک روز ناس ھوتا ھے ۔ دنیا کا یہی آوا گون ھے ۔ اب یہ تیری استری اور پوت اور دھن اور چالیس دن کا اسباب بھوجن کا موجود ھے۔ اسکو لے اور یہاں رہ ، جب تلک بڑا بت تجھپر مہربان ہووے۔'' میں نے غصے میں چاھا کہ اس بت پر اور وھاں کے رہنے والوں پر اور اس ریت و رسم پر لعنت کہوں ۔ اور اس باھمن کو دھول چھکڑ کروں ۔ وھی مرد عجمی اپنی زبان میں مانع ہوا۔ کہ ''خبردار ھرگز دم مت مار ۔ اگر کچھ بھی بولا تو اسی وقت تجھے جلا دینگے ۔ خیر جو تیری قسمت میں تھا سو ھوا ۔ اب خدا کے کرم سے امیدوار رہ ۔ شاید اللہ تجھے یہاں سے جیتا نکالے''—

. . .

سر گزشت آزاد بخت پادشاہ کی

آخر سب مجھے تن تنہا چھوڑ کر اس حصار سے باھر نکلے۔ اور دروازہ پھر مقفل کردیا ۔ اس وقت میں اپنی تنہائی اور بے بسی پر بے اختیار رویا ۔ اور اس عورت کی لوتھ پر لاتیں مارنے لگا ۔ کہ اے مردار اگر تجھے جنتے ھی مر جانا تھا بیاہ کاھیکو کیا تھا ۔ اور پیٹ سے کیوں ھوئی تھی؟ مار سور کر پھر چپکا بیٹھا ۔ اس میں دن چڑھا اور دھوپ گرم ھوئی، سر کا بھیجا پکنے لگا ۔ اور تعفن کے مارے روح نکلنے لگی ۔ جبدھر دیکھتا ھوں مردوں کی ھڈیاں اور صندوق جواھر کے ڈھیر لگے ھیں ۔ تب کئی صندوق پرانے لیکر نیچے اوپر رکھے کہ دن کو دھوپ سے اور رات کو اوس سے بچاؤ ھو ۔ آپ پانی کی تلاش کرنے لگا ۔ ایک طرف جھرنا سا دیکھا کہ قلعے کی دیوار میں پتھر کا تراشا ھوا گھڑے کے منھ کے موافق ھے ۔ بارے کئی دن اس پانی اور کھانے سے زندگی ھوئی—

آخر آذوقہ تمام ھوا ۔ میں گھبرایا اور خدا کی جناب میں فریاد کی ۔ وہ ایسا کریم ھے کہ دروازہ کوٹ کا کھلا ۔ اور ایک مردے کو لائے ۔ اسکے ساتھ ایک پیر مرد آیا ۔ جب اسے بھی چھوڑ کر گئے ۔ یہ دل میں آیا کہ اس بوڑھے کو مار کر اسکے کھانے کا صندوق سب کا سب لےلے ۔ ایک صندوق کا پایا ھاتھ میں لیکر اسکے پاس گیا ۔ وہ بچارا سر زانو پر دھرے حیران بیٹھا تھا ۔ میں نے پیچھے سے آکر اسکے سر میں ایسا مارا کہ سر پھٹ کر مغز کا گودا نکل پڑا ۔ اور فی الفور جان بحق تسلیم ھوا ۔ اس کا آذوقہ لیکر میں کھانے لگا ۔ مدت تلک یہی میرا کام تھا کہ جو زندہ مردے کے ساتھ آتا ۔ اسے میں مار ڈالتا اور کھانے کا اسباب لیکر بہ فراغت کھاتا—

سر گزشت آزاد بخت پادشاہ کی

بعد کتنی مدت کے ایک مرتبہ ایک لڑکی تابوت کے ہمراہ آئی نہایت قبول صورت۔ میرے دل نے نہ چاہا کہ اسے بھی ماروں۔ اُن نے مجھے دیکھا اور مارے ڈر کے بیہوش ہوگئی۔ میں اسکا بھی آذوقہ اٹھا کر اپنے پاس لے آیا۔ لیکن اکیلا نہ کھاتا۔ جب بھوک لگتی کھانا اسکے نزدیک لیجاتا اور ساتھ ملکر کھاتا۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ مجھے یہ شخص نہیں ستاتا۔ دن بدن اسکی وحشت کم ہوئی۔ اور رام ہوتی چلی۔ میرے مکان میں آنے جانے لگی۔ ایک روز اسکا احوال پوچھا کہ ''تو کون ہے؟،، اس نے جواب دیا کہ ''میں بادشاہ کے وکیل مطلق کی بیٹی ہوں۔ اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہوئی تھی۔ شب عروسی کے دن اسے قولنج ہوا۔ ایسا درد سے تڑپھنے لگا کہ ایک آن کی آن میں مر گیا۔ مجھے اسکے تابوت ساتھ لا کر یہاں چھوڑ گئے ہیں۔،، تب اسنے میرا احوال پوچھا - میں نے بھی تمام و کمال بیان کیا اور کہا۔ ''خدا نے تجھے میری خاطر یہاں بھیجا ہے۔،، وہ مسکرا کر چپکی ہورہی۔

اسی طرح کئی دن میں آپس میں محبت زیادہ ہوگئی۔ میں نے اسے ارکان مسلمانی کے سکھا کر کلمہ پڑھایا۔ اور متعہ کرکر صحبت کی۔ وہ بھی حاملہ ہوئی۔ ایک بیٹا پیدا ہوا۔ قریب تین برس کے اسی صورت سے گذری۔ جب لڑکے کا دودھ بڑھایا ایک روز بی بی سے کہا کہ ''یہاں کب تلک رھینگے۔ اور کسطرح یہاں سے نکلینگے؟،، وہ بولی ''خدا نکالے تو نکلیں۔ نہیں تو ایک روز یونہیں مر جائینگے۔،، مجھے اسکے کہنے پر اور اپنے رہنے پر کمال رقت آئی۔ روتے روتے سو گیا۔ ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے

''پرنالے کی راہ سے نکلنا ہے ۔ تو نکل ۔،، میں مارے خوشی کے چونک پڑا اور جورو کو کہا ۔ کہ ''لوہے کی میخیں اور سیخیں جو پرانے صندوقوں میں ہیں جمع کر کر لے آؤ ۔ تو اسکو کشادہ کروں۔،، غرض میں اس موری کے منہ پر میخ رکھ کر پتھروں سے ایسا ٹھونکتا کہ تھک جاتا ۔ ایک برس کی محنت میں وہ سوراخ اتنا بڑا ہوا کہ آدمی نکل سکے—

بعد اسکے مردوں کی آستینوں میں اچھے اچھے جواہر چنکر بھرے۔ اور ساتھ لیکر اسی راہ سے ہم تینوں باہر نکلے ۔ خدا کا شکر کیا اور بیٹے کو کاندھے پر بٹھا لیا ۔ ایک مہینا ہوا ہے کہ سرراہ چھوڑ کر مارے ڈر کے جنگل پہاڑوں کی راہ سے چلا آتا ہوں ۔ جب گرسنگی ہوتی ہے گھاس پات کھاتا ہوں ۔ قوت بات کہنے کی مجھ میں نہیں ۔ یہ میری حقیقت ہے جو تم نے سنی ،،—

بادشاہ سلامت میں نے اسکی حالت پر ترس کھایا اور حمام کروا کر اچھا لباس پہنوایا اور اپنا نائب بنایا ۔ اور میرے گھر میں ملکہ سے کئی لڑکے پیدا ہوئے ۔ لیکن خورد سالی میں مر مر گئے ۔ ایک بیٹا پانچ برس کا ہوکر سوا ۔ اسکے غم میں ملکہ نے بھی وفات پائی ۔ مجھے کمال غم ہوا اور وہ ملک بغیر اسکے کاٹنے لگا ۔ دل اداس ہوگیا ۔ ارادہ عجم کا کیا ۔ بادشاہ سے عرض کر کر خدمت شاہ بندری کی جوان کو دلوادی ۔ اس عرصے میں بادشاہ بھی مر گیا۔ میں اس وفادار کتے کو اور سب مال خزانہ جواہر ساتھ لیکر نیشا پور میں آ رہا ۔ اس واسطے کہ میرے بھائیوں کے احوال سے کوئی واقف نہ ہووے ۔ میں خواجۂ سگ پرست مشہور ہوا اور اس بدنامی میں دگنا محصول آج تک پادشاہ ایران کی سرکار میں بھرتا ہوں—

اتفاقاً یہ سوداگر بچہ وہاں گیا۔ اسکے وسیلے سے جہاں پناہ کا قدم بوس کیا۔ میں نے پوچھا "کیا یہ تمھارا فرزند نہیں؟"، خواجہ نے جواب دیا۔ "قبلۂ عالم! یہ میرا بیٹا نہیں آپ ہی کی رعیت ہے۔ لیکن اب میرا مالک اور وارث جو کچھ کہیئے سو یہی ہے۔"، یہ سنکر سوداگر بچے سے میں نے پوچھا کہ "تو کس تاجر کا لڑکا ہے۔ اور تیرے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟"، اس لڑکے نے زمین چومی اور جان کی امان مانگی اور بولا۔ کہ "یہ لونڈی سرکار کے وزیر کی بیٹی ہے۔ میرا باپ حضور کے عتاب میں بہ سبب اسی خواجہ کے لعلوں کے پڑا۔ اور حکم یوں ہوا کہ اگر ایک سال تک اسکی بات کرسی نشین نہ ہوگی تو جان سے مارا جاویگا۔ میں نے سنکر یہ بھیس بنایا اور اپنے تئیں نیشاپور پہونچایا۔ خدا نے خواجہ کو بہ مع کتے اور لعلوں کے حضور میں حاضر کردیا۔ آپ نے تمام احوال سن لیا۔ امیدوار ہوں کہ میرے بوڑھے باپ کی مخلصی ہو"—

یہ بیان وزیر زادی سے سنکر خواجہ نے ایک آہ کی۔ اور بے اختیار گر پڑا۔ جب گلاب اس پر چھڑکا گیا تب ہوش میں آیا۔ اور بولا کہ "ہائے کمبختی! اتنی دور سے یہ رنج و محنت کھینچ کر میں اس توقع پر آیا تھا۔ کہ اس سوداگر بچے کو متبنیٰ کر کر اپنا فرزند کرونگا۔ اور اپنے مال متاع کا اسکو ہبہ نامہ لکھ دونگا۔ تو میرا نام رہیگا اور سارا عالم اسے خواجہ زادہ کہیگا۔ سو میرا خیال خام ہوا اور بالعکس کام ہوا۔ ان نے عورت ہوکر مجھ مرد پیر کو خراب کیا۔ میں رنڈی کے چرتر میں پڑا۔ اب میری وہ کہاوت ہوئی۔ گھر میں رہے نہ تیرتھ گئے۔ موںڈ منڈا فضیحت بھئے"—

القصہ مجھے اسکی بیقراری اور نالہ و زاری پر رحم آیا - خواجہ کو نزدیک بلایا اور کان میں مژدہ اسکے وصل کا سنایا کہ ”غمگین مت ہو - اسی سے تیری شادی کر دینگے - خدا چاھے تو اولاد تیری ہوگی - اور یہی تیری مالک ہوگی -،، اس خوشخبری کے سننے سے فی الجملہ اسکو تسلی ہوئی - تب میں نے کہا کہ ”وزیر زادی کو محل میں لیجاؤ - اور وزیر کو پنڈِت خانے* سے لے آؤ - اور حمام میں نہلاؤ - اور خلعت سرفرازی کی پہناؤ - اور جلدی میرے پاس لاؤ -،، جس وقت وزیر آیا - لب فرش تک اسکا اقبال فرمایا - اور اپنا بزرگ جان کر گلے لگایا اور نئے سر سے قلمدان وزارت کا عنایت فرمایا - اور خواجہ کو بھی جاگیر و منصب دیا - اور ساعت سعید دیکھ کر وزیرزادی سے نکاح پڑھوایا کر منسوب کیا -

کئی سال میں دو بیٹے اور ایک بیٹی اسکے گھر میں پیدا ہوئے - چنانچہ بڑا بیٹا ملک التجار ھے - اور چھوٹا ھماری سرکار کا مختار ھے - اے درویشو! میں نے اسلئے یہ نقل تمھارے سامنے کی - کہ کل کی رات دو فقیروں کی سر گزشت میں نے سنی تھی - اب تم دونوں بھی جو باقی رہے ہو، یہ سمجھو کہ ہم اسی مکان میں بیٹھے ہیں اور مجھے اپنا خادم اور اس گھر کو اپنا تکیہ جانو - بے وسواس اپنی اپنی سیر کا احوال کہو - اور چندے میرے پاس رہو -،، جب فقیروں نے پادشاہ کی طرف سے بہت خاطر داری دیکھی کہنے لگے - ”خیر جب تم نے گداؤں سے الفت کی - تو ہم دونوں بھی اپنا ماجرا بیان کرتے ہیں - سنئیے،، -

---

* اس لفظ کو کہیں پنڈت خانہ لکھا ھے تو کہیں پندٹ خانہ - فرہنگ ملاحظ کیجئیے -

سیر تیسرے درویش کی

تیسرا درویش کوٹ باندھ بیٹھا ۔ اور اپنی سیر کا بیان اس طرح سے کرنے لگا۔

"احوال اس فقیر کا اے دوستاں سنو
یعنی جو مجھ پہ بیتی ہے وہ داستاں سنو

جو کچھ کہ شاہ عشق نے مجھسے کیا سلوک
تفصیل وار کرتا ہوں اس کا بیاں سنو

کہ یہ کمترین پادشاہ زادہ عجم کا ہے ۔ میرے ولی نعمت وھاں کے پادشاہ تھے ۔ اور سوائے میرے کوئی فرزند نہ رکھتے تھے۔ میں جوانی کے عالم میں مصاحبوں کے ساتھ چوپڑ ۔ گنجیفہ ۔ شطرنج ۔ تختہ' نرد کھیلا کرتا ۔ یا سوار ہوکر سیر و شکار میں مشغول رہتا ۔ ایک دن کا یہ ماجرا ہے ۔ کہ سواری تیار کروا کر اور سب یار آشناؤں کو لیکر میدان کی طرف نکلا ۔ باز، بہری، جرہ، باشا، سرخاب اور تیتروں پر اڑاتا ہوا دور نکل گیا ۔ عجب طرح کا ایک قطعہ بہار کا نظر آیا ۔ کہ جیدھر نگاہ جاتی تھی کوسوں تلک سبز اور پھولوں سے لال زمین نظر آتی تھی ۔ یہ سماں دیکھکر گھوڑوں کی باگیں ڈال دیاں ۔ اور قدم قدم سیر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے ۔ ناگاہ اس صحرا میں دیکھا کہ ایک کالا ھرن اس پر زر بفت کی جھول اور بھنور کلی مرصع کی اور گھونگرو سونے کے زردوزی پٹے میں ٹکے ہوئے گلے میں پڑے خاطر جمع سے اس میدان

میں (کہ جہاں انسان کا دخل نہیں ۔ اور پرندہ پر نہیں مارتا۔ چرتا پھرتا ہے ۔ ہمارے گھوڑوں کے سم کی آہٹ پا کر چوکنا ہ اور سر اٹھا کر دیکھا اور آہستہ آہستہ چلا۔

مجھے اسکے دیکھنے سے یہ شوق ہوا کہ رفیقوں سے کہا کہ ''تم یہیں کھڑے رہو۔ میں اسے جیتا پکڑوں گا۔ خبر دار تم قد آگے نہ بڑھائیو۔ اور میرے پیچھے نہ آئیو۔'' اورگھوڑا (میری رانو تلے ایسا پرند تھا کہ بارہا ہرنوں کے اوپر دوڑا کر ان ک کرچھالوں کو بھلا کر ہاتھوں سے پکڑ پکڑ لئے تھے) اس کے عقب دوڑایا ۔ وہ دیکھکر چھلانگیں بھرنے لگا اور ہوا ہوا ۔ گھوڑ بھی باد سے باتیں کرتا تھا ۔ لیکن اس کی گرد کو نہ پہنچا۔ وہ رہوار بھی پسینے پسینے ہو گیا ۔ اور میری بھی جیبھ مارے پیاس کے چٹخنے لگی پر کچھ بس نہ چلا ۔ شام ہونے لگی ۔ اور میں کیا جانوں کہاں سے کہاں نکل آیا؟ لاچار ہو کر اسے بُھلاوادیا اور تکشر میں سے تیر نکال کر اور قربان سے کمان سنبھالکر چلے میں جوڑ کر کشش کان تلک لا کر، ران کو اس کی تا ک ۔ اللہ اکبر، کہکر مارا۔ بارے پہلا ہی تیر اسکے پاؤں میں ترازو ہوا ۔ تب لنگڑاتا ہوا پہاڑ کے دامن کی سمت چلا ۔ فقیر بھی گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ اور پا پیادہ اسکے پیچھے لگا ۔ اس نے کوہ کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اس کا ساتھ دیا ۔ کئی اتار چڑھاؤ کے بعد ایک گنبد نظر آیا۔ جب پاس پہنچا ایک باغیچہ اور ایک چشمہ دیکھا ۔ وہ ہرن تو نظروں سے چھلاوا ہو گیا ۔ میں نہایت تھکا تھا ۔ ہاتھ پاؤں دھونے لگا۔

ایک بارگی آواز رونے کے اس برج کے اندر سے میرے کان میں آئی - جیسے کوئی کہتا ہے - کہ "اے بچے! جس نے تجھے تیر مارا میری آہ کا تیر اسکے کلیجے میں لگیو - وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پاوے - اور خدا اس کو میرا سا دکھیا بناوے!"، میں یہ سنکر وہاں گیا - دیکھا تو ایک بزرگ ریش سفید اچھی پوشاک پہنے ایک مسند پر بیٹھا ہے - اور ہرن آگے لیٹا ہے-اس کی جانگھ سے تیر کھینچتا ہے-اور بد دعا دیتا ہے - میں نے سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا - کہ "حضرت سلامت - یہ تقصیر نا دانستہ اس غلام سے ہوئی - میں یہ نہ جانتا تھا - خدا کے واسطے معاف کرو-"، بولا کہ "بے زبان کو تونے ستایا ہے - اگر ان جان یہ حرکت تجھ سے ہوئی - اللہ معاف کریگا -"، میں پاس جا بیٹھا اور تبر نکالنے میں شریک ہوا - بڑی دقت سے تیر کو نکالا - اور زخم میں مرہم بھر کر چھوڑ دیا - پھر ہاتھ دھو دھا کر اس پیر مرد نے کچھ حاضری جو اس وقت موجود تھی مجھے کھلائی - میں نے کھا پی کر ایک چارپائی پر لنبی تانی—

ماندگی کے سبب خوب پیٹ بھر کر سویا - اس نیند میں آواز نوحہ و زاری کی کان میں آئی - آنکھیں ملکر جو دیکھتا ہوں تو اس مکان میں نہ وہ بوڑھا ہے نہ کوئی اور ہے - اکیلا میں پلنگ پر لیٹا ہوں - اور وہ دالان خالی پڑا ہے - چاروں طرف بھیانک ہوکر دیکھنے لگا - ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا - وہاں جا کر اسے اٹھایا - دیکھا تو ایک تخت بچھا ہے اور اس پر ایک پریزاد عورت، برس چودہ ایک کی، مہتاب کی سی صورت، اور زلفیں دونوں طرف چھوٹیں ہوئیں، ہنستا چہرہ، فرنگی لباس پہنے ہوئے عجب ادا سے

دیکھتی ہے اور بیٹھی ہے ۔ اور وہ بزرگ اپنا سر اس کے پاؤں پر دھرے بے اختیار رو رہا ہے ۔ اور ہوش حواس کھو رہا ہے ۔ میں اس پیر مرد کا بہ احوال اور اس نازنین کا حسن و جمال دیکھکر مرچھا گیا ۔ اور مردے کی طرح بیجان ہوکر گر پڑا ۔ وہ مرد بزرگ نہ میرا حال دیکھکر شیشہ گلاب کا لے آیا اور مجھ پر چھڑکنے لگا۔ جب میں جیتا اٹھ کر اس معشوق کے مقابل جا کر سلام کیا ۔ اس نے ہرگز نہ ہاتھ اٹھایا اور نہ ہونٹھ ہلایا ۔ میں نے کہا ''اے گلبدن اتنا غرور کرنا اور جواب سلام کا نہ دینا کس مذہب میں درست ہے؟

کم بولنا ادا ہے ہرچند ۔ پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاسق ۔ تو بھی وہ منھ نہ کھولے

واسطے اس خدا کے جس نے تجھے بنایا ہے کچھ تو منھ سے بول۔ ہم بھی اتفاقاً یہاں آ نکلے ہیں ۔ مہمان کی خاطر ضرور ہے۔،، میں نے بہتیری باتیں بنائیں لیکن کچھ کام نہ آئیں ۔ وہ چُپکی بت کی طرح بیٹھی سنا کی ۔ تب میں نے بھی آگے بڑھ کر ہاتھ، پاؤں پر چلایا۔ جب پاؤں کو چھیڑا تو سخت معلوم ہوا ۔ آخر یہ دریافت کیا کہ پتھر سے اس لعل کو تراشا ہے ۔ اور آذر نے اس بت کو بنایا ہے۔ تب اس پیر مرد بت پرست سے پوچھا ۔ کہ ''میں نے تیرے ہرن کی ٹانگ میں کھپرا مارا ۔ تونے اس عشق کی ناوک سے میرا کلیجہ چھید کر وار پار کیا ۔ تیری دعا قبول ہوئی ۔ اب اس کی کیفیت مفصل بیان کر ۔ کہ یہ طلسم کیوں بنایا ہے ۔ اور تونے بستی کو چھوڑ کر جنگل پہاڑ کیوں بسایا ہے ۔ تجھ پر جو کچھ بیتا ہے مجھ سے کہہ،، —

جب اس کا بہت پوچھا لیا تب اس نے جواب دیا۔ کہ ''اس بات نے مجھے تو خراب کیا، کیا تو بھی سنکر ہلاک ہوا چاہتا ہے؟،، میں نے کہا ۔ ''لو اب بہت مکر چکر کیا، مطلب کی بات کہو۔ نہیں تو مار ڈالوں گا۔،، مجھے نہایت در پے دیکھکر بولا ۔ ''اے جوان! حق تعالیٰ ہر ایک انسان کو عشق کی آنچ سے محفوظ رکھے۔ دیکھئے تو اس عشق نے کیا کیا آفتیں برپا کی ہیں! عشق ہی کے مارے عورت خاوند کے ساتھ ستی ہوتی ہے ۔ اور اپنی جان کھوتی ہے ۔ اور فرہاد و مجنوں کا قصہ سب کو معلوم ہے ۔ تو اسکے سننے سے کیا پھل پاویگا ؟ ناحق گھر بار دولت دنیا چھوڑ چھاڑ کر نکل جاویگا؟،، میں نے جواب دیا ۔ ''بس اب اپنی دوستی تہ کر رکھو۔ اس وقت مجھے اپنا دشمن سمجھو۔ اگر جان عزیز ہے تو صاف کہو۔،، لاچار ہوکر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا '' کہ مجھ خانہ خراب کی یہ حقیقت ہے ۔ کہ بندے کا نام نعمان سیاح ہے ۔ میں بڑا سوداگر تھا ۔ اس سن میں تجارت کے سبب ہفت اقلیم کی سیر کی۔ اور سب پادشاہوں کی خدمت میں رسائی ہوئی ۔

ایک بار یہ خیال جی میں آیا ۔ کہ چاروں دانگ ملک تو پھرا لیکن جزیرۂ فرنگ کی طرف نہ گیا ۔ اور وہاں کے بادشاہ کو اور رعیت و سپاہ کو نہ دیکھا ۔ اور رسم و راہ وہاں کی کچھ نہ دریافت ہوئی ۔ ایک دفعہ وہاں بھی چلا چاہئے ۔ رفیقوں اور شفیقوں سے صلاح لیکر ارادہ مصمم کیا ۔ اور تحفہ ہدایا جہاں تہاں کا جو وہاں کے لائق تھا لیا ۔ اور ایک قافلہ سوداگروں کا اکٹھا کرکر جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا ۔ ہوا جو موافق پائی کئی مہینوں میں اس ملک میں جا داخل ہوا ۔ شہر میں ڈیرا کیا۔

عجب شہر دیکھا کہ کوئی شہر اس شہر کی خوبی کو نہیں پہنچتا۔ ہر ایک بازار و کوچے میں پختہ سڑکیں بنی ہوئیں۔ اور چھڑکاؤ کیا ہوا۔ صفائی ایسی کہ ایک تنکا کہیں پڑا نظر نہ آیا، کوڑے کا تو کیا ذکر ہے؟ اور عمارتیں رنگ برنگ کی اور رات کو رستوں میں دو رستہ قدم بہ قدم روشنی۔ اور شہر کے باہر باغات کہ جن میں عجائب گل بوٹے اور میوے نظر آئے۔ کہ شاید سوائے بہشت کے کہیں اور نہ ہوں گے۔ جو وہاں کی تعریف کروں سو بجا ہے۔

غرض سوداگروں کے آنے کا چرچا ہوا۔ ایک خواجہ سرا معتبر سوار ہوکر اور کئی خدمتگار ساتھ لیکر قافلے میں آیا اور بیوپاریوں سے پوچھ کہ "تمھارا سردار کون سا ہے؟" سبھوں نے میری طرف اشارت کی۔ وہ محلی میرے مکان میں آیا۔ میں تعظیم بجا لایا۔ باہم سلام علیک ہوئی۔ اس کو سوزنی پر بٹھایا۔ تکیئے کی تواضع کی۔ بعد اسکے میں نے پوچھا کہ "صاحب کے تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ فرمائیے۔" جواب دیا کہ "شہزادی نے سنا ہے کہ سوداگر آئے ہیں۔ اور بہت جنس لائے ہیں۔ لہذا مجھکو حکم کیا کہ جاکر ان کو حضور میں لے آؤ۔ پس تم جو کچھ اسباب لائق بادشاہوں کی سرکار کے ہو ساتھ لیکر چلو۔ اور سعادت آستانہ بوسی کی حاصل کرو۔"

میں نے جواب دیا کہ "آج تو ماندگی کے باعث قاصر ہوں۔ کل جان و مال سے حاضر ہوں۔ جو کچھ اس عاجز کے پاس موجود ہے نذر گذرانونگا۔ جو پسند آوے مال سرکار کا ہے۔" یہ وعدہ کر کر

اور عطر پان دیکر خواجہ کو رخصت کیا اور سب سوداگروں کو اپنے پاس بلا کر جو جو تحفہ جسکے پاس تھا لے لے کر جمع کیا۔ اور جو میرے گھر میں تھا وہ بھی لیا۔ اور صبح کے وقت دروازے پر پادشاھی محل کے حاضر ھوا۔ بارے دربان نے میری خبر عرض کی۔ حکم ھوا کہ "حضور میں لاؤ۔" وھی خواجہ سرا نکلا اور میرا ھاتھ ھاتھ میں لیکر دوستی کی راہ سے باتیں کرتا ھوا لے چلا۔ بہلیے خواص پرے سے ھو کر ایک مکان عالیشان میں لیگیا۔ اے عزیز تو باور نہ کریگا یہ عالم نظر آتا گویا پر کاٹ کر پریوں کو چھوڑ دیا ھے۔ جس طرف دیکھتا تھا نگاہ گڑ جاتی تھی۔ پانوں زمین سے اکھڑے جاتے تھے۔ بہ زور اپنے تئیں سنبھالتا ھوا روبرو پہنچا۔ جونہیں پادشاھزادی پر نظر پڑی غش کی نوبت ھوئی۔ اور ھاتھ پانوں میں رعشہ ھو گیا۔

بہر صورت سلام کیا۔ دونوں طرف دست راست اور دست چپ صف بہ صف نازنینان پریچہرہ دست بستہ کھڑیں تھیں۔ میں جو کچھ قسم جواھر اور پارچہ پوشاکی اور تحفہ اپنے ساتھ لیگیا تھا۔ جب کئی کشتیاں حضور میں چنیں گئیں۔ از بسکہ سب جنس لائق پسند کے تھی خوش ھوکر خانساماں کے حوالے ھوئے اور فرمایا۔ کہ "قیمت اس کی بموجب فرد کے کل دی جائے گی۔" میں تسلیات بجا لایا اور دل میں خوش ھوا کہ اس بہانے سے بھلا کل بھی آنا ھوگا۔ جب رخصت ھوکر باھر آیا تو سودائی کی طرح کہتا کچھ تھا اور منہ سے کچھ نکلتا تھا۔ اسی طرح سرا میں آیا لیکن حواس بجا نہ تھے۔ سب آشنا دوست پوچھنے لگے کہ "تمھاری کیا حالت ھے؟" میں نے کہا "اتنی آمد و رفت سے گرمی دماغ میں چڑھ گئی ھے۔"

سیر تیسرے درویش کی

غرض وہ رات تلپھتے کاٹی ۔ فجر کو پھر جاکر حاضر ہوا اور اسی خواجہ کے ساتھ پھر محل میں پہونچا ۔ وھی عالم جو کل دیکھا تھا دیکھا ۔ پادشاهزادی نے مجھے دیکھا اور ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر رخصت کیا ۔ جب پرچھا ہوا خلوت میں اٹھ گئیں ۔ اور مجھے طلب کیا ۔ جب میں وہاں گیا بیٹھنے کا حکم کیا ۔ میں آداب بجا لاکر بیٹھا ۔ ''فرمایا کہ یہاں جو تو آیا اور یہ اسباب لایا اس میں منافع کتنا منظور ہے؟'' میں نے عرض کی کہ ''آپ کے قدم دیکھنے کی بڑی خواهش تھی ۔ سو خدا نے میسر کی ۔ اب میں نے سب کچھ پھر پایا ۔ اور دونوں جہان کی سعادت حاصل ہوئی ۔ اور قیمت جو کچھ فہرست میں ہے نصف کی خرید ہے ۔ اور نصف نفع ہے۔'' فرمایا ''نہیں ۔ جو قیمت تونے لکھی ہے وہ عنایت ہو گی ۔ بلکہ اور بھی انعام دیا جائے گا ۔ بشرطیکہ ایک کام تجھ سے ہوسکے توحکم کروں''—

میں نے کہا کہ ''غلام کا جان مال اگر سرکار کے کام آوے تو میں اپنے طالعوں کی خوبی سمجھوں ۔ اور آنکھوں سے کروں۔'' یہ سنکر قلمدان یاد فرمایا ۔ ایک شقہ لکھا اور موتیوں کے دلمیان میں رکھکر ایک رومال شبنم کا اوپر لپیٹ کر میرے حوالے کیا۔ اور ایک انگوٹھی نشان کے واسطے انگلی سے اتار دی اور کہا۔ کہ ''اس طرف کو ایک بڑا باغ ہے۔ دلکشا اس کا نام ہے ۔ وہاں تو جاکر، ایک شخص کیخسرو نام داروغہ ہے ۔ اس کے ہاتھ میں یہ انگشتری دیجو اور ہماری طرف سے دعا کہیو اور اس رقعہ کا جواب مانگیو، لیکن جلد آئیو ۔ اگر کھانا وہاں کھائیو تو پانی یہاں پیجو ۔ اس کام کا انعام تجھے ایسا دونگی کہ تو دیکھیگا۔''

میں رخصت ھوا اور پوچھتا پوچھتا چلا ۔ قریب دو کوس کے جب گیا وہ باغ نظر پڑا ۔ جب پاس پہنچا ایک عزیز مسلح مجھکو پکڑ کے دروازے میں باغ کے لیگیا ۔ دیکھوں تو ایک جوان شیر کی سی صورت، سونے کی کرسی پر زرۂ داؤدی پہنے، چار آئینہ باندھے، فولادی خود سر پر دھرے نہایت شان و شوکت سے بیٹھا ھے ۔ اور پان سے* جوان نبار ڈھال تلوار ھاتھ میں لئے اور ترکش، کمان باندھے مستعد، پرا باندھے کھڑے ھیں —

میں نے سلام کیا ۔ مجھے نزدیک بلایا ۔ میں نے وہ خاتم دی اور خوشامد کی باتیں کرکر وہ رومال دکھایا ۔ اور شقے کے بھی لانے کا احوال کہا ۔ اس نے سنتے ھی انگلی دانتوں سے کاٹی ۔ اور سر دھن کر بولا کہ ''سایدتیری اجل تجھکو لے آئی ھے ۔ خیر باغ کے اندر جا ۔ سرو کے درخت میں ایک آھنی پنجرہ لٹکتا ھے ۔ اس میں ایک جوان قید ھے ۔ اس کو یہ خط دیکر جواب لیکر جلدی پھر آ ،، میں شتاب باغ میں گھسا ۔ باغ کیا تھا ۔ گویا جیتے جی بہشت میں گیا ۔ ایک ایک چمن رنگ برنگ کا، پھول رھا تھا ۔ اور فوارے چھوٹ رھے تھے ۔ جانور چہچہے مار رھے تھے ۔ میں سیدھا چلا گیا اور اس درخت میں وہ قفس دیکھا ۔ اس میں ایک جوان حسین نظر آیا ۔ میں نے ادب سے سر نہوڑایا اور سلام کیا ۔ اور وہ خریطہ سر بمہر پنجرے کی تیلیوں کی راہ سے دیا ۔ وہ عزیز رقعہ کھول کر پڑھنے لگا اور مجھ سے مشتاق وار احوال ملکہ کا پوچھنے لگا —

---

*پانچ سو ۔

ابھی باتیں تمام نہ ہوئیں تھیں کہ ایک فوج زنگیوں کی نمود ہوئی اور چاروں طرف سے مجھ پر آ ٹوٹی ۔اور بے تحاشی برچھی و تلوار مارنے لگی ۔ ایک آدمی نہتھے کی بساط کیا؟ ایک دم میں چور زخمی کر دیا ۔ مجھے کچھ اپنی سدھ بدھ نہ رہی ۔ پھر جو ہوش آیا اپنے تئیں چارپائی پر پایا کہ دو پیادے اٹھائے لئیے جاتے ھیں ۔ اور آپس میں بنیاتے ھیں ۔ ایک نے کہا ''اس مردے کے لونھ کو میدان میں پھینک دو ۔ کتے کوے کھائینگے ۔،، دوسرا بولا ''اگر پادشاہ تحقیق کرے اور یہ خبر پہنچے تو جیتا گڑوا دے اور بال بچوں کو کولھو میں پڑوادے ۔ کیا ھمیں اپنی جان بھاری پڑی ھے جو ایسی نا معقول حرکت کریں؟،،

میں نے یہ گفتگو سنکر دونوں یاجوج ماجوج سے کہا کہ ''واسطے خدا کے مجھ پر رحم کرو ۔ ابھی مجھ میں ایک رمق جان باقی ھے ۔ جب میں مر جاؤنگا جو تمھارا جی چاھے گا سو کیجو ۔ مردہ بدست زندہ ۔ لیکن یہ تو کہو مجھپر یہ کیا حقیقت بیتی ۔ مجھے کون مارا ۔ اور تم کون ہو؟ بھلا اتنا تو کہہ سناؤ ۔،، تب انھوں نے رحم کھا کر کہا کہ ''وہ جوان جو قفس میں بند ھے اس پادشاہ کا بھتیجا ھے ۔ اور پہلے اس کا باپ تخت نشین تھا ۔ رحلت کے وقت یہ وصیت اپنے بھائی کو کی ۔ کہ ابھی میرا بیٹا جو وارث اس سلطنت کا ھے لڑکا اور بے شعور ھے ۔ کار بار پادشاھت کا خیر خواھی اور ھوشیاری سے تم کیا کیجو ۔ جب یہ بالغ ھو اپنی بیٹی سے شادی اسکی کر دیجو ۔ اور مختار تمام ملک اور خزانے کا کیجو ۔،،—

یہ کہکر انھوں نے وفات پائی ۔ اور سلطنت کی نوبت چھوٹے بھائی پر آئی ۔ اس نے وصیت پر عمل نہ کیا ۔ بلکہ دیوانہ اور

سودائی مشہور کرکے پنجرے میں ڈال دیا۔ اور چوکی گاڑھی چاروں طرف باغ کے رکھی ہے کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اور کئی مرتبے زہر ہلاہل دیا ہے۔ لیکن زندگی زبردست ہے اثر نہیں کیا۔ اب وہ سہزادی اور یہ شہزادہ دونوں عاشق معشوق بن رہے ہیں۔ وہ گھر میں تلبھتی ہے۔ اور یہ قفس میں تڑپھے ہے۔ تیرے ہاتھ شوق کا نامہ اس نے بھیجا۔ یہ خبر ہرکاروں نے بجنس بادشاہ کو پہنچائی۔ حبشیوں کا دستہ متعین ہوا۔ تیرا یہ احوال کیا اور اس جوان قیدی کے قتل کی وزیر سے تدبیر پوچھی۔ اس نمک حرام نے ملکہ کو راضی کیا ہے کہ اس بے گناہ کو بادشاہ کے حضور اپنے ہاتھ سے شہزادی مار ڈالے۔

میں نے کہا چلو مرتے مرتے یہ بھی تماشا دیکھ لیں۔ آخر راضی ہو کر وہ دونوں اور میں زخمی چپکے ایک گوشے میں جا کر کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو تخت پر بادشاہ بیٹھا ہے اور ملکہ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور شہزادے کو پنجرے سے باہر نکالکر رو برو کھڑا کیا۔ ملکہ جلاد بنکر شمشیر برہنہ لئیے ہوئے اپنے عاشق کے قتل کرنے کو آئی۔ جب نزدیک پہنچی تلوار پھینک دی اور گلے میں چمٹ گئی۔ تب وہ عاشق بولا کہ ”ایسے مرنے پر میں راضی ہوں۔ یہاں بھی تیری آرزو ہے وہاں بھی تیری تمنا رہیگی۔“ ملکہ بولی کہ ”اس بہانے سے میں تیرے دیکھنے کو آئی تھی۔“ پادشاہ یہ حرکت دیکھکر سخت برہم ہوا اور وزیر کو ڈانٹا کہ ”تو یہ تماشا مجھے دکھلانے کو لایا تھا؟“ محلی ملکہ کو جدا کرکے محل میں لے گئے۔ اور وزیر نے خفا ہوکر تلوار اٹھائی اور پادشاہزادے کے اوپر دوڑا کہ ایک ہی وار میں کام

اس بیچارے کا تمام کرے۔ جوں چاہتا ھے کہ تیغا چلاوے، غیب سے ایک تیر ناگہانی اسکی پیشانی پر بیٹھا، کہ دو سار ہو گیا اور وہ گر پڑا۔

پادشاہ یہ واردات دیکھکر محل میں گھس گئے۔ جوان کو پھر قفس میں بند کرکر باغ میں لے گئے۔ میں بھی وھاں سے نکلا۔ راہ میں سے ایک آدمی مجھے بلاکر ملکہ کے حضور لیگیا۔ مجھے گھائل دیکھکر ایک جراح کو بلوایا اور نہایت تقید سے فرمایا کہ ''اس جوان کو جلد چنگا کرکے غسل شفا کا دے۔ یہی تیرا مجرا ھے۔ اسکے اوپر جتنی محنت تو کریگا ویسا ھی انعام اور سرفرازی پاویگا۔'' غرض وہ جراح بموجب ارشاد ملکہ کے تگ و دو کرکے ایک چلے میں نہلا دھلا مجھے حضور میں لیگیا۔ ملکہ نے پوچھا کہ ''اب تو کچھ کسر باقی نہیں رھی؟'' میں نے کہا کہ ''آپ کی توجہ سے اب ھٹا کٹا ھوں۔'' تب ملکہ نے ایک خلعت اور بہت روپے جو فرمائے تھے بلکہ اس سے بھی دوچند عطا کئیے اور رخصت کیا۔

میں نے وھاں سے سب رفیق اور نوکر چاکروں کو لیکر کوچ کیا۔ جب اس بقام پر پہنچا سب کو کہا۔ ''تم اپنے وطن کو جاؤ۔'' اور میں نے اس پہاڑ پر یہ مکان اور اس کی صورت بنا کر اپنا رھنا مقرر کیا۔ اور نوکروں اور غلاموں کو موافق ھر ایک کی قدر کے روپے دیکر آزاد کیا۔ اور یہ کہہ دیا کہ ''جب تلک میں جیتا رھوں میرے قوت کی خبر گیری تمھیں ضرور ھے، آگے مختار ھو۔'' اب وھی اپنی نمک حلالی سے میرے کھانے کی خبر لیتے ھیں۔ اور میں بہ خاطر جمع اس بت کی پرستش کرتا ھوں۔ جب تلک جیتا ھوں میرا یہی کام ھے۔ یہ میری سرگذشت ھے جو تونے سنی۔''

یا فقرا میں نے بہ مجرد سننے اس قصے کے کفنی گلے میں ڈالی۔اور فقیروں کا لباس کیا اور اشتیاق میں فرنگ کے ملک کے دیکھنے کے روانہ ہوا۔ کتنے ایک عرصے میں جنگل پہاڑوں کی سیر کرتا ہوا مجنوں اور فرہاد کی صورت بن گیا—

آخر میرے شوق نے اس شہر تلک پہنچایا۔ گلی کوچے میں باؤلا سا پھرنے لگا۔ اکثر ملکہ کے محل کے آس پاس رہا کرتا۔ لیکن کوئی ڈھب ایسا نہ ہوتا جو وہاں تلک رسائی ہو۔ عجب حیرانی تھی کہ جس واسطے بہ محنت کشی کر کر گیا۔ وہ مطلب ہاتھ نہ آیا۔ ایک دن بازار میں کھڑا تھا کہ ایکبارگی آدمی بھاگنے لگے۔ اور دوکاندار دوکانیں بند کرکے چلے گئے۔ با وہ رونق تھی یا سنسان ہو گیا۔ ایک طرف سے ایک جوان رستم کا سا، کلّہ جبڑا، شیر کے مانند گونجتا اور تلوار دو دستی جھاڑتا ہوا، زرہ بکتر گلے میں اور ٹوپ جھلم کا سر پر اور طمنچے کی جوڑی کمر میں کیفی کی طرح بکتا جھکتا نظر آیا۔ اور اسکے پیچھے دو غلام بنات کی پوشاک پہنے ایک تابوت مخمل کاشانی سے مڑھا ہوا سر پر لئے چلے آتے ہیں—

میں نے یہ تماشا دیکھکر ساتھ چلنے کا قصد کیا۔ جو کوئی آدمی میری نظر پڑتا مجھے منع کرتا۔ لیکن میں کب سنتا ہوں؟ رفتہ رفتہ وہ جوان مرد ایک عالیشان مکان میں چلا۔ میں بھی ساتھ ہوا۔ اسنے پھرتے ہی چاہا کہ ایک ہاتھ مارے اور مجھے دو ٹکڑے کرے۔ میں نے اسے قسم دی کہ ”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میں نے اپنا خون معاف کیا۔ کسو طرح مجھے اس زندگی کے عذاب سے چھڑا دے کہ نہایت بتنگ آیا ہوں۔ میں

جان بوجھ کر تیرے سامنے آیا ہوں۔ دیر مت کر۔،، مجھے مرنے پر ثابت قدم دیکھکر خدا نے اسکے دل میں رحم ڈالا۔ اور غصہ بھی ٹھنڈا ہوا۔ بہت توجہ اور مہربانی سے پوچھا کہ ''تو کون ہے۔اور کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہوا ہے؟،،

میں نے کہا ''ذرا بیٹھئے تو کہوں۔ میرا قصہ بہت دور دراز ہے۔ اور عشق کے پنجے میں گرفتار ہوں اس سبب لاچار ہوں۔،، یہ سنکر اس نے اپنی کمر کھولی اور ہاتھ منہ دھو دھا کر کچھ ناشتا کیا۔ مجھے بھی باعث ہوا۔ جب فراغت کرکے بیٹھا بولا۔ ''کہ تجھپر کیا گذری؟،، میں نے سب واردات اس پیر مرد کی اور ملکہ کی اور اپنے وہاں جانے کی کہہ سنائی۔ بھلے سنکر رویا اور یہ کہا کہ ''اس کمبخت نے کس کس کا گھر گھالا۔ لیکن بھلا تیرا علاج میرے ہاتھ میں ہے۔ اغلب ہے کہ اس عاصی کے سبب سے تو اپنی مراد کو پہنچے۔ اور تو اندیشہ نہ کر اور خاطر جمع رکھ۔،، حجام کو فرمایا کہ ''اس کی حجامت کرکے حمام کروا دے۔،، ایک جوڑا کپڑا اسکے غلام نے لاکر پہنایا۔ تب مجھ سے کہنے لگا کہ ''یہ تابوت جو تونے دیکھا اسی شہزادۂ مرحوم کا ہے جو قفس میں مقید تھا۔ اسکو دوسرے وزیر نے آخر مکر سے مارا۔ اس کی تو نجات ہوئی کہ مظلوم مارا گیا۔ میں اس کا کوکا ہوں۔ میں نے بھی اس وزیر کو بہ ضرب شمشیر مارا۔ اور پادشاہ کے مارنے کا ارادہ کیا۔ پادشاہ گڑگڑایا اور سوگند کھانے لگا کہ میں بیگناہ ہوں۔ میں نے اسے نامرد جانکر چھوڑ دیا۔ تب سے میرا کام یہی ہے کہ ہر مہینے کی نوچندی جمیرات کو

میں اس تابوت کو اسی طرح شہر میں لئے پھرتا ہوں اور اس کا ماتم کرتا ہوں،،—

اس کی زبانی یہ احوال سننے سے مجھے تسلی ہوئی کہ اگر یہ جاھیگا تو میرا مقصد بر آویگا۔ خدا نے بڑا احسان کیا جو ایسے جنونی کو مجھ پر مہربان کیا۔ سچ ھے خدا مہربان ہو تو کل مہربان۔ جب شام ہوئی اور آفتاب غروب ھوا اس جوان نے تابوت کو نکالا اور ایک غلام کے عوض وہ تابوت میرے سر پر دھرا اور اپنے ساتھ لیکر چلا۔ فرمانے لگا کہ ”ملکہ کے نزدیک جاتا ہوں۔ تیری سفارش تا بہ مقدور کرونگا۔ تو ھرگز دم نہ ماریو۔ چپکا بیٹھا سنا کیجو۔،، میں نے کہا ”جوکچھ صاحب فرماتے ھیں سو ھی کرونگا۔ خدا تم کو سلامت رکھے جو میرے احوال پر ترس کھاتے ھو۔،، اس جوان نے قصد پادشاھی باغ کا کیا۔ جب اندر داخل ھوا ایک چبوترہ سنگ مرمر کا ھشت پہلو باغ کے صحن میں تھا۔ اور اس پر ایک نمگیرہ سفید بادلے کا موتیوں کی جھالر لگی ھوئی الماس کے استادوں پر کھڑا تھا۔ اور ایک مسند مغرق بچھی تھی۔ گاؤ تکیہ اور بغلی تکیے زر بفت کے لگے ھوئے۔ وہ تابوت وھاں رکھوایا اور ھم دونوں کو فرمایا کہ اس درخت کے پاس جا کربیٹھو—

بعد ایک ساعت کے مشعل کی روشنی نظر آئی۔ ملکہ آپ کئی خواصیں پس و پیش اھتمام کرتی ھوئیں تشریف لائیں۔ لیکن اداسی اور خفگی چہرے پر ظاھر تھی۔ آکر مسند پر بیٹھیں۔ یہ کوکا ادب سے دست بستہ کھڑا رھا۔ پھر ادب سے دور فرش کے کنارے مودب بیٹھا۔ فاتحہ پڑھیں اور کچھ باتیں کرنے لگا۔ میں کان لگائے سن رھا تھا۔ آخر اس جوان نے کہا کہ ”ملکہ،

جہاں سلامت! ملک عجم کا شہزادہ آپ کی خوبیاں اور محبوبیاں غائبانہ سنکر اپنی سلطنت کو برباد دے فقیر بن مانند ابراہیم ادھم کے تباہ ہو اور بڑی محنت کھینچ کر یہاں تلک آ پہنچا ہے۔ سائیں تیرے کارن چھوڑا شہر بلخ ۔ اور اس شہر میں بہت دنوں سے حیران پریشان پھرتا ہے ۔ آخر وہ قصد مرنے کا کرکے میرے ساتھ لگ چلا ۔ میں نے تلوار سے ڈرایا، اس نے گردن آگے دھر دی۔ اور قسم دی کہ اب میں یہی چاہتا ہوں دیر مت کر ۔ غرض تمھارے عشق میں ثابت ہے ۔ میں نے خوب آزمایا ۔ سب طرح پورا پایا ۔ اس سبب سے اس کا مذکور میں درمیان لایا ۔ اگر حضور سے اسکے احوال پر مسافر جان کر توجہ ہو۔ تو خدا ترسی اور حق شناسی سے دور نہیں،،—

یہ ذکر ملکہ نے سنکر فرمایا ''کہاں ہے؟ اگر شہزادہ ہے تو کیا مضایقہ؟ روبرو آوے ۔،، وہ کوکا وہاں سے اٹھ کر آیا اور مجھے ساتھ لیکر گیا ۔ میں ملکہ کے دیکھنے سے نہایت شاد ہوا۔ لیکن عقل و ہوش برباد ہوئے ۔ عالم سکوت کا ہو گیا ۔ یہ ہواؤ نہ پڑا کہ کچھ کہوں ۔ ایک دم میں ملکہ سدھاری اور کوکا اپنے مکان کو چلا ۔ گھر آکر بولا کہ ''میں نے تیری سب حقیقت اول سے آخر تک ملکہ کو کہہ سنائی ۔ اور سفارش بھی کی ۔ اب تو ہمیشہ رات کو بلا ناغہ جایا کر ۔ اور عیش خوشی منایا کر۔،، میں اس کے قدم پر گر پڑا ۔ اس نے گلے لگایا ۔ تمام دن گھڑیاں گنتا رہا ۔ کہ کب سانجھ ہو جو میں جاؤں؟ جب رات ہوئی میں اس جوان سے رخصت ہو کر چلا ۔ اور پائیں باغ میں ملکہ کے چبوترے پر تکیہ لگا کے جا بیٹھا—

بعد ایک گھڑی کے ملکہ تن تنہا ایک خواص کو ساتھ لیکر آهسته آهسته آکر مسند پر بیٹھیں ۔ خوش طالعی سے یہ دن میسر هوا ۔ میں نے قدم بوس کیا ۔ انھوں نے میرا سر اٹھا لیا اور گلے سے لگالیا اور بولیں کہ ''اس فرصت کو غنیمت جان ۔ اور میرا کہا مان ۔ مجھے یہاں سے لے نکل ۔ کسو اور ملک کو چل ۔،، میں نے کہا ''چلئے ۔،، یہ کہکر هم دونوں باغ کے باهر تو هوئے ۔ پر حیرت سے اور خوشی سے هاتھ پاؤں بھول گئے اور راہ بھول گئے اور ایک طرف کو چلے جاتے تھے ۔ پر کچھ ٹھکانا نہیں پاتے تھے ۔ ملکہ برهم هوکر بولی کہ ''اب میں تھک گئی ۔ تیرا مکان کہاں هے؟ جلد چلکر پہنچ ۔ نہیں تو کیا، کیا چاهتا هے؟ میرے پاؤں میں پھپھولے بڑ گئے هیں ۔ رستے میں کہیں بیٹھ جاؤں گی،،—

میں نے کہا کہ ''میرے غلام کی حویلی نزدیک هے ۔ اب آپہنچے ۔ خاطر جمع رکھو اور قدم اٹھاؤ ۔،، جھوٹھ تو بولا پر دل میں حیران تھا کہ کہاں لے جاؤں؟ عین راہ پر ابک ذروازہ مقفل نظر پڑا ۔ جلدی سے قفل کو توڑ کر مکان کے بھیتر گئے ۔ اچھی حویلی، فرش بچھا هوا، شراب کے شیشے بھرے قرینے سے طاق میں دھرے اور باورچی خانے میں نان کباب تیار تھے ۔ ماندگی کمال هو رهی تھی ۔ ایک ایک گلابی شراب پرتگالی کی اس گزک کے ساتھ لی ۔ اور ساری رات باهم خوشی کی ۔ جب اس چین سے صبح هوئی شہر میں غل مچا کہ شہزادی غائب هوئی ۔ محلہ محلہ کوچہ کوچہ منادی پھرنے لگی ۔ اور کٹنیاں اور هرکارے چھوٹے کہ جہاں سے هاتھ آوے پیدا کریں ۔ اور سب دروازوں پر شہر کے پادشاهی غلاموں کی چوکی آ بیٹھی ۔ گذربانوں کو حکم هوا کہ بغیر پروانگی، چیونٹی

باھر شہر کے نہ نکل سکے ۔ جو کوئی سراغ ملکہ کا لاویگا ہزا
اشرفی اور خلعت انعام پاویگا ۔ تمام شہر میں کٹنیاں پھرنے او
گھر گھر میں گھسنے لگیں —

مجھے جو کمبختی لگی دروازہ بند نہ کیا ۔ ایک بڑھیا شیطان
کی خالا (اس کا خدا کرے منھ کالا) ھاتھ میں تسبیح لٹکائے برقع
اوڑھے دروازہ کھلا پا کر ندھڑک چلی آئی اور سامھنے ملکہ کے کھڑی
ھو کر ھاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی ۔ کہ الہی تیری نتھ چوڑی، سہاگ
کی سلامت رھے! اور کماؤ کی پگڑی قائم رھے ۔ میں غریب رنڈ
فقیرنی ھوں ۔ ایک بیٹی میری ھے کہ وہ دوجی سے پورے دنوں
درد زہ میں مرتی ھے ۔ اور مجھکو اتنی وسعت نہیں کہ ادّھی کا
تیل چراغ میں جلاؤں ۔ کھانے پینے کو تو کہاں سے لاؤں ۔ اگر
مر گئی تو گور کفن کیوں کر کرونگی ۔ اور جنی تو دائی جنائی
کو کیا دونگی ۔ اور جچا کو سٹھورا اچھوانی کہاں سے پلاؤنگی؟
آج دو دن ھوئے ھیں کہ بھوکی پیاسی پڑی ھے ۔ اے صاحبزادی
اپنی خیر کچھ ٹکڑا پارچہ دلا تو اسکو پانی پینے کا آدھار ھو،،—

ملکہ نے ترس کھا کر اپنے نزدیک بلا کر چار نان اور کباب
اور ایک انگوٹھی چھنگلیا سے اتار کر حوالے کی کہ ''اسکو بیچ بانچ کر
گہنا پاتا بنا دیجو ۔ اور خاطر جمع سے گذران کیجو اور کبھو آیا کیجو،
تیرا گھر ھے ۔،، اس نے اپنے دل کا مدعا جس کی تلاش میں آئی تھی
بہ جنس پایا ۔ خوشی سے دعائیں دیتی اور بلائیں لیتی دفع ھوئی۔
ڈیوڑھی میں نان و کباب پھینک دئے ۔ مگر انگوٹھی کو مٹھی
میں لے لیا کہ پتہ ملکہ کے ھاتھ کا میرے ھاتھ آیا ۔ خدا اس
آفت سے جو بچایا چاھے اس مکان کا مالک جوان مرد سپاھی تازی

گھوڑے پر چڑھا ہوا نیزہ ہاتھ میں لئے شکار بند سے ایک ہرن لٹکائے آ پہنچا۔ اپنی حویلی کا تالا ٹوٹا اور کواڑ کھلے پائے۔ اس دلالہ کو نکلتے دیکھا۔ مارے غصے کے ایک ہاتھ سے اسکی چونٹی پکڑ کر لٹکا لیا اور گھر میں آیا۔ اسکے دونوں پاؤں میں رسی باندھ کر ایک درخت کی ٹہنی میں لٹکایا۔ سر تلے پاؤں اوپر کئے۔ ایک دم میں تڑپھ تڑپھ کر مر گئی۔ اس مرد کی صورت دیکھکر یہ ہیبت غالب ہوئی کہ ہوایاں منھ پر اڑنے لگیں اور مارے ڈر کے کلیجہ کانپنے لگا۔ اس عزیز نے ہم دونوں کو بد حواس دیکھکر تسلی دی کہ ”بڑی نادانی تم نے کی۔ ایسا کام کیا اور دروازہ کھول دیا“—

ملکہ نے مسکرا کر فرمایا کہ ”شاہزادہ اپنے غلام کی حویلی کہہ کر مجھے لے آیا۔ اور مجھکو پھسلایا۔“ اس نے التماس کیا کہ ”شہزادے نے بیان واقعی کہا۔ جتنی خلق اللہ ہے پادشاہوں کی لونڈی غلام ہے۔ انھیں کی برکت اور فیض سے سب کی پرورش اور نباہ ہے۔ یہ غلام بے دام و درم زر خرید تمھارا ہے۔ لیکن بھید چھپانا عقل کا مقتضا ہے۔ اے شہزادے تمھارا اور ملکہ کا اس غریب خانے میں توجہ فرمانا اور تشریف لانا میری سعادت دونوں جہان کی ہے۔ اور اپنے فدوی کو سرفراز کیا۔ میں نثار ہونے کو تیار ہوں۔ کسو صورت میں جان و مال سے دریغ نہ کرونگا۔ آپ شوق سے آرام فرمائیے۔ اب کوڑی بھر خطرہ نہیں۔ یہ مردار کٹنی اگر سلامت جاتی تو آفت لاتی۔ اب جب تلک مزاج شریف چاہئے بیٹھے رہئے اور جو کچھ درکار ہو اس خانہ زاد کو کہئے سب حاضر کریگا۔ اور پادشاہ کو تو کیا چیز ہے! تمھاری خبر فرشتے کو

بھی نہ ہو گی۔،، اس جوان مرد نے ایسی ایسی باتیں تسلی کی کہیں کہ ٹک خاطر جمع ہوئی۔ تب میں نے کہا ''شاباش۔تم بڑے مرد ہو۔ اس مروت کا عوض ہم سے بھی جب ہو سکیگا تب ظہور میں آویگا۔ تمھارا نام کیا ہے؟،، اس نے کہا ''غلام کا اسم بہزاد خاں ہے۔ غرض چھ مہینے تک جتنی شرط خدمت کی تھی بہ جان و دل بجا لایا۔ خوب آرام سے گذری۔

ایک دن مجھے اپنا ملک اور ما باپ یاد آئے۔ اس لئے نہایت متفکر بیٹھا تھا۔ میرا چہرہ ملین دیکھکر بہزاد خاں رو برو ھاتھ جوڑ کر کھڑا ھوا اور کہنے لگا۔کہ ''اس فدوی سے اگر کچھ تقصیر جرن برداری میں واقع ھوئی ھو تو ارشاد ھو۔،، میں نے کہا ''از برائے خدا یہ کیا مذکور ھے! تم نے ایسا سلوک کیا کہ اس شہر میں ایسے آرام سے رہے جیسے اپنے ما کے پیٹ میں کوئی رھتا ھے۔ نہیں تو یہ ایسی حرکت ھم سے ھوئی تھی کہ تنکا تنکا ھمارا دشمن تھا۔ ابسا دوست ھمارا کون تھا کہ ذرا دم لیتے؟ خدا تمھیں خوش رکھے، بڑے مرد ھو۔،، تب اسنے کہا ''اگر یہاں سے دل برداشتہ ھوا ھو۔ تو جہاں حکم ھو وھاں خیر و عافیت سے پہنچا دوں۔،، فقیر بولا کہ اگر اپنے وطن تک پہنچوں تو والدین کو دیکھوں۔ میری تو یہ صورت ھوئی۔خدا جانے ان کی کیا حالت ھوئی ھو گی۔ میں جس واسطے جلا وطن ھوا تھا میری تو آرزو بر آئی۔ اب ان کی بھی قدم بوسی واجب ھے۔ میری خبر ان کو کچھ نہیں کہ موا یا جیتا ھے۔ ان کے دل پر کیا قلق گذرتا ھوگا!،، وہ جوان مرد بولا کہ ''بہت مبارک ھے۔ چلئیے۔،، یہ کہہ کے ایک راس گھوڑا ترکی سو کوس چلنے والا اور ایک گھوڑی، جلد،

جس کے پر نہیں کٹے تھے لیکن شایستہ، ملکہ کی خاطر لایا ۔ اور ہم دونوں کو سوار کروایا ۔ پھر زرہ بکتر پہن سلاح باندھ اوپچی بن اپنے مرکب پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا ۔ "غلام آگے ہو لیتا ہے صاحب خاطر جمع سے گھوڑے دبائے ہوئے چلے آویں"—

جب شہر کے دروازے پر آیا ایک نعرہ مارا اور تبر سے قفل کو توڑا اور نگہبانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر للکارا کہ ۔ "بڑچودو! اپنے خاوند کو جا کر کہو کہ بہزاد خاں ملکۂ سہر نگار اور شہزادۂ کامگار کو جو تمھارا داماد ہے ہانکے پکارے لئے جاتا ہے۔ اگر مردمی کا کچھ نشہ ہے تو باہر نکلو اور ملکہ کو چھین لو۔ یہ نہ کہیو کہ چپ چاپ لیگیا ۔ نہیں تو قلعہ میں بیٹھے آرام کیا کرو ۔" یہ خبر بادشاہ کو جلد جا پہنچی ۔ وزیر اور میر بخشی کو حکم ہوا "ان تینوں بد ذات مفسدوں کو باندھ کر لاؤ۔ یا ان کے سر کاٹ کر حضور میں پہنچاؤ ۔" ایک دم کے بعد غٹ فوج کا نمود ہوا ۔ اور تمام زمین و آسمان گرد باد ہوگیا ۔ بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اس فقیر کو ایک در میں پل کے کہ بارہ پلے اور جون پور کے پل کے برابر تھا کھڑا کیا ۔ اور آپ گھوڑے کو ٹنگیا کر اس فوج کی طرف پھرا ۔ اور شیر کی مانند گونج کر مرکب کو ڈپٹ کر فوج کے درمیان گھسا ۔ تمام لشکر کائی سا پھٹ گیا۔ اور یہ دونوں سرداروں تلک جا پہنچا، دونوں کے سر کاٹ لئے۔ جب سردار مارے گئے لشکر تتر بتر ہو گیا ۔ وہ کہاوت ہے۔ سر سے سرواہ ۔ جب بیل پھوٹی رائی رائی ہوگئی* ۔ وونہیں آپ پادشاہ

---

*بیل (پھل) مذکر ہے۔ جامع الغات میں یہ کہاوت یوں ہے جب بیل پھوٹارائی رائی ہوگیا

کتنی فوج بکتر پوشوں کی ساتھ لیکر کمک کو آئے۔ ان کی بھی لڑائی اس یکا جوان نے مار دی۔ شکست فاش کھائی۔

پادشاہ پسپا ہوئے۔ سچ ہے فتح داد الہی ہے۔ لیکن بہزاد خان نے ایسی جواں مردی کی کہ شاید رستم سے بھی نہ ہو سکتی۔ جب بہزاد خاں نے دیکھا کہ مطلع صاف ہوا اب کون باقی رہا ہے جو ہمارا پیچھا کریگا۔ بے وسواس ہو کر اور خاطر جمع کر جہاں ہم کھڑے تھے آیا۔ اور ملکہ کو اور مجھکو ساتھ لیکر چلا۔ سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے۔ تھوڑے عرصے میں اپنے ملک کی سرحد میں جا پہنچے۔ ایک عرضی صحیح سلامت آنے کی پادشاہ کے حضور میں (جو قبلہ گاہ مجھ فقیر کے تھے) لکھ کر روانہ کی۔ جہاں پناہ پڑھ کر شاد ہوئے۔ دو گانہ شکر کا ادا کیا۔ جیسے سوکھے دھان میں پانی پڑا خوش ہو کر سب امیروں کو جلو میں لیکر اس عاجز کے استقبال کی خاطر لب دریا آکر کھڑے ہوئے۔ اور نواڑوں کے واسطے میر بحر کو حکم ہوا۔ میں نے دوسرے کنارے پر سواری پادشاہ کی کھڑی دیکھی۔ قدم بوسی کی آرزو میں گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ ہیلہ مار کر حضور میں حاضر ہوا۔ مجھے مارے اشتیاق کے کلیجے سے لگا لیا۔

اب ایک اور آفت نا گہانی پیش آئی۔ کہ جس گھوڑے پر میں سوار تھا شاید وہ بچہ اسی مادیان کا تھا جس پر ملکہ سوار تھی۔ یا جنسیت کے باعث میرے مرکب کو دیکھکر گھوڑے نے بھی جلدی کر کر اپنے تئیں ملکہ سمیت میرے پیچھے دریا میں گرایا۔ اور پیرنے لگی۔ ملکہ نے گھبرا کے باگ کھینچی۔ وہ

منھ کی نرم تھی الٹ گئی ۔ ملکہ غوطے کھا کر بہ‌مع گھوڑی دریا میں ڈوب گئی کہ پھر ان دونوں کا نشان نظر نہ آیا ۔ بہزاد خاں نے یہ حالت دیکھکر اپنے تئیں گھوڑے سمیت ملکہ کی مدد کی خاطر دریا میں پہنچایا ۔ وہ بھی اس بھنور میں آگیا، پھر نکل نہ سکا۔ بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے کچھ بس نہ چلا ڈوب گیا ۔ جہاں پناہ نے یہ واردات دیکھکر مہا جال منگوا کر پھنکوایا اور ملاحوں اور غوطہ خوروں کو فرمایا ۔ انھوں نے سارا دریا چھان مارا، تھاہ کی مٹی لے لے آئے ۔ ہر وے دونوں ہاتھ نہ آئے ۔ یا فقرا یہ حادثہ ہوا کہ میں سودائی اور جنونی ہو گیا ۔ اور فقیر بن کر یہی کہتا پھرتا تھا ۔ ''ان نینوں کا یہی بسیکھ ، وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ ۔'' اگر ملکہ کہیں غائب ہو جاتی یا مر جاتی تو دل کو تسلی آتی ۔ پھر تلاش کو نکلتا یا صبر کرتا ۔ لیکن جب نظروں کے روبرو غرق ہو گئی تو کچھ بس نہ چلا ۔ آخر جی میں یہی لہر آئی کہ دریا میں ڈوب جاؤں ۔ شاید اپنے محبوب کو مر کر پاؤں—

ایک روز رات کو اسی دریا میں بیٹھا ۔ اور ڈوبنے کا ارادہ کر کر گلے تک پانی میں گیا ۔ چاہتا ہوں کہ آگے پاؤں رکھوں اور غوطہ کھاؤں ۔ وہی سوار برقعہ پوش جنھوں نے تم کو بشارت دی ہے آ پہنچے ۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دلاسا دیا کہ ''خاطر جمع رکھ ۔ ملکہ اور بہزاد خاں جیتے ہیں ۔ تو اپنی جان ناحق کیوں کھوتا ہے؟ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے ۔ خدا کی درگاہ سے مایوس مت ہو ۔ اگر جیتا رہے گا تو تیری ملاقات ان دونوں سے ایک نہ ایک روز ہو رہیگی ۔ اب تو روم کی طرف جا ۔ اور بھی دو درویش

دلریش وہاں گئے ہیں ۔ ان سے تو جب ملیگا اپنی مراد کو
پہنچیے گا ۔،، یا فقرا! بموجب حکم اپنے ہادی کے میں بھی خدمت شریف
میں آکر حاضر ہوا ہوں ۔ امید قوی ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مطلب
کو پہنچے ۔ اس ٹکڑ گدا کا یہ احوال تھا جو تمام کمال کہہ سنایا،،۔

سیر چوتھے درویش کی

چوتھا فقیر اپنے سیر کی حقیقت رو رو کر اس طرح دھرانے لگا—

''قصہ ہماری بے سر و پائی کا اب سنو
ٹک اپنا دھیان رکھکر مرا حال سب سنو

کس واسطے میں آیا ہوں یہاں تک تباہ ہو
سارا بیان کرتا ہوں، اسکا سبب سنو

یا مرشد اللہ! ذرا متوجہ ہو۔ یہ فقیر جو اس حالت میں گرفتار ہے۔ چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ ناز و نعمت سے پرورش پائی۔ اور بہ خوبی تربیت ہوا۔ زمانے کے بھلے برے سے کچھ واقف نہ تھا۔ جانتا تھا کہ یونہیں ہمیشہ نبھیگی۔ عین بے فکری میں یہ حادثہ روبکار ہوا۔ قبلۂ عالم جو والد اس یتیم کے تھے۔ انھوں نے رحلت فرمائی۔ جانکندنی کے وقت اپنے چھوٹے بھائی کو (جو میرے چچا ہیں) بلایا اور فرمایا۔ کہ ''ہم نے تو سب مال ملک چھوڑ کر ارادہ کوچ کا کیا۔ لیکن یہ وصیّت میری تم بجا لائیو۔ اور بزرگی کو کام فرمائیو۔ جب تلک شہزادہ، جو مالک اس تخت و چھتر کا ہے، جوان ہو۔ اور شعور سنبھالے اور اپنا گھر دیکھے بھالے۔ تم اس کی نیابت کیجو اور سپاہ و رعیت کو خراب نہ ہونے دیجو۔ جب وہ بالغ ہو اسکو سب کچھ سمجھا بجھا کر تخت حوالے کرنا۔ اور روشن اختر جو تمھاری بیٹی ہے اس سے شادی کرکے تم سلطنت سے کنارہ پکڑنا۔ اس سلوک سے پادشاہت ہمارے خاندان میں

قائم رهیگی۔ کچھ خلل نہ آویگا۔،، یہ کہکر آپ تو جان بحق تسلیم ہوئے۔ چچا بادشاہ ہوا اور بند و بست ملک کا کرنے لگا۔ مجھے حکم کیا کہ زنانے محل میں رہا کرے۔ جب تک جوان نہ ہو باہر نہ نکلے۔ یہ فقیر چودہ برس کی عمر تک بیگمات اور خواصوں میں پلا کیا اور کھیلا کودا کیا۔ چچا کی بیٹی سے شادی کی خبر سنکر شاد تھا۔ اور اس امید پر بے فکر رهتا اور دل میں کہتا۔ کہ اب کوئی دن میں پادشاہت بھی هاتھ لگیگی اور کتخدائی بھی ہوگی۔ دنیا بہ امید قائم ہے۔ ایک حبشی مبارک نام کہ والد مرحوم کی خدمت میں تربیت ہوا تھا اور اس کا بڑا اعتبار تھا اور صاحب شعور اور نمک حلال تھا۔ میں اکثر اس کے نزدیک جا بیٹھتا۔ وہ بھی مجھے بہت پیار کرتا اور میری جوانی دیکھکر خوش ہوتا اور کہتا۔ کہ ”الحمد للہ! اے شاہزادے، اب تم جوان ہوئے۔ انشا اللہ تعالیٰ عنقریب تمھارا عمّو ظل سبحانی کی نصیحت پر عمل کریگا۔ اپنی بیٹی اور تمھارے والد کا تخت تمھیں دیگا“۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ ایک ادنا سہیلی نے بیگناہ میرے تئیں ایسا طمانچہ کھینچ کر مارا کہ میرے گال پر پانچوں انگلیوں کا نشان اُکھڑ آیا۔ میں روتا ہوا مبارک کے پاس گیا۔ ان نے مجھے گلے سے لگا لیا اور آنسو آستین سے پونچھے اور کہا۔ کہ ”چلو آج تمھیں پادشاہ پاس لے چلوں۔ شاید دیکھ کر مہربان ہو اور لایق سمجھکر تمھارا حق تمھیں دے۔“ اسی وقت چچا کے حضور میں لیگیا۔ چچا نے دربار میں نہایت شفقت کی۔ اور پوچھا کہ ”کیوں دل گیر ہو اور آج یہاں کیوں کر آئے؟“ مبارک بولا کہ ”کچھ عرض کرنے آئے ہیں۔“ یہ سنکر خود بہ

ود کہنے لگا کہ ''اب میاں کا بیاہ کر دیتے ہیں۔'' مبارک نے کہا ''بہت مبارک ہے۔'' وونہیں نجومی اور رمالوں کو رو برو طلب کیا۔ اور اوپری دل سے پوچھا کہ ''اس سال کون سا مہینا اور کون سا دن اور گھڑی مہورت مبارک ہے کہ سر انجام شادی کا کروں؟'' انھوں نے مرضی پا کر گن گنا کر عرض کی۔ کہ ''قبلۂ عالم! یہ برس سارا نحس ہے۔ کسی چاند میں کوئی تاریخ سعد نہیں ٹھہرتی۔ اگر یہ سال تمام بخیر و عافیت کٹے تو آئندہ کار خیر کے لئے بہتر ہے۔''

پادشاہ نے مبارک کی طرف دیکھا۔ اور کہا ''شاہزادے کو محل میں لیجا۔ خدا چاہے تو اس سال کے گذرنے سے اس کی امانت اسکے حوالے کر دونگا۔ خاطر جمع رکھے اور پڑھے لکھے۔'' مبارک نے سلام کیا اور مجھے ساتھ لیا۔ محل میں پہنچا دیا۔ دو تین دن کے بعد میں مبارک کے پاس گیا۔ مجھے دیکھتے ہی رونے لگا۔ میں حیران ہوا اور پوچھا کہ ''دادا! خیر تو ہے تمھارے رونے کا کیا باعث ہے؟'' تب وہ خیر خواہ (کہ مجھے دل و جان سے چاہتا تھا) بولا کہ ''میں اس روز تمھیں اس ظالم کے پاس لیگیا۔ کاش کہ اگر یہ جانتا تو نہ لیجاتا۔'' میں نے گھبرا کر کہا ''میرے جانے میں کیا ایسی قباحت ہوئی۔ کہو تو سہی۔'' تب اس نے کہا کہ ''سب امیر وزیر ارکان دولت چھوٹے بڑے تمھارے باپ کے وقت کے تمھیں دیکھ کر خوش ہوئے اور خدا کا شکر کرنے لگے۔ کہ اب ہمارا صاحبزادہ جوان ہوا اور سلطنت کے لائق ہوا۔ اب کوئی دن میں حق حقدار کو ملیگا۔ تب ہماری قدردانی کریگا اور خانہ زاد موروثیوں کی قدر سمجھیگا۔ یہ خبر اس

بے ایمان کو پہنچی - اس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا - مجھے خلوت میں بلا کر کہا - ''اے مبارک! اب ایسا کام کر کہ شہزادے کو کسو فریب سے مار ڈال - اور اس کا خطرہ میرے جی سے نکال، جو میری خاطر جمع ہو -'' تب سے میں بے حواس ہو رہا ہوں - کہ تیرا چچا تیری جان کا دشمن ہوا -'' جونہیں مبارک سے یہ خبر نا مبارک میں نے سنی - بغیر مارے مر گیا اور جان کے ڈر سے اس کے پاؤں پر گر پڑا کہ ''واسطے خدا کے میں سلطنت سے گذرا - کسو طرح میرا جی بچے -'' اس غلام با وفا نے میرا سر اٹھا کر چھاتی سے لگالیا - اور جواب دیا کہ ''کچھ خطرہ نہیں - ایک تدبیر مجھے سوجھی ہے - اگر راست آئی تو کچھ پروا نہیں - زندگی ہے تو سب کچھ ہے -

اغلب ہے کہ اس فکر سے تیری جان بھی بچے - اور اپنے مطلب سے کامیاب ہو -'' یہ بھروسہ دیکر مجھے ساتھ لیکر اس جگہ جہاں بادشاہ مغفور یعنی والد اس فقیر کے سوتے بیٹھتے تھے گیا - اور میری بہت خاطر جمع کی - وہاں ایک کرسی بچھی تھی - ایک طرف مجھے کہا اور ایک طرف آپ پکڑ کر صندلی کو سرکایا اور کرسی کے تلے کا فرش اٹھایا - اور زمین کو کھودنے لگا - ایک بارگی ایک کھڑکی نمود ہوئی کہ زنجیر اور قفل اس میں لگا ہے - مجھے بلایا - میں اپنے دل میں مقرر یہ سمجھا کہ میرے ذبح کرنے اور گاڑ دینے کو یہ گڑھا اس نے کھودا ہے - موت آنکھوں کے آگے پھر گئی - لاچار چپکے چپکے کلمہ پڑھتا ہوا نزدیک گیا - دیکھتا ہوں تو اس دریچے کے اندر عمارت ہے - اور چار مکان ہیں - ہر ایک دالان میں دس دس خمیں سونے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی

لٹکتی ھیں - اور ہر ایک گولی کے منھ پر ایک سونے کی اینٹ اور ایک بندر جڑاؤ کا بنا ھوا بیٹھا ھے - انتالیس گولیاں چاروں مکان میں گنیں اور خم کو دیکھا کہ مونہا مونہہ اشرفیاں بھری ھیں۔ اس پر نہ میمون ھے نہ خشت ھے - اور ایک حوض جواہر سے لبالب بھرا ھوا دیکھا - میں نے مبارک سے پوچھا کہ ''اے دادا! یہ کیا طلسم ھے اور کس کا مکان ھے اور یہ کس کام کے ھیں؟'' بولا کہ ''یہ بوزنے جو دیکھتے ھو ان کا یہ ماجرا ھے کہ تمھارے باپ نے جوانی کے وقت سے ملک صادق (جو بادشاہ جنوں کا ھے) اسکے ساتھ دوستی اور آمد و رفت پیدا کی تھی—

چنانچہ ہر سال میں ایک دفعہ کئی طرح کے تحفے خوشبوئیں اور اس ملک کی سوغاتیں لیجاتے - اور ایک مہینے کے قریب اس کی خدمت میں رہتے - جب رخصت ھوتے تو ملک صادق ایک بندر زمرد کا دیتا - ہمارا بادشاہ اسے لاکر اس تہخانے میں رکھتا۔ اس بات سے سوائے میرے کوئی دوسرا مطلع نہ تھا - ایک مرتبہ غلام نے عرض کی کہ ''جہاں پناہ! لاکھوں روپئے کے تحفے لیجاتے ھیں - اور وھاں سے ایک بوزنہ پتھر کا مردہ آپ لے آتے ھیں - اس کا آخر فائدہ کیا ھے؟'' جواب میری اس بات کا مسکرا کر فرمایا۔ ''خبردار کہیں ظاھر نہ کیجو - خبر شرط ھے - یہ ایک ایک میمون بے جان جو تو دیکھتا ھے ہر ایک کے ہزار دیو زبردست تابع اور فرمانبردار ھیں - لیکن جب تلک میرے پاس چالیسوں بندر پورے جمع نہ ھوویں تب تک یہ سب نکمّے ھیں، کچھ کام نہ آوینگے -'' سو ایک بندر کی کمی تھی کہ اسی برس بادشاہ نے وفات پائی—

اتنی محنت کچھ نیک نہ لگی، اس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا۔ اے شاہزادے! تیری یہ حالت بیکسی کی دیکھکر مجھے یاد آیا اور یہ جی میں ٹھہرایا۔ کسو طرح تجھکو ملک صادق کے پاس لیچلوں اور تیرے چچا کا ظلم بیان کروں۔ غالب ہے کہ وہ دوستی تمھارے باپ کی یاد کرکر ایک بوزنہ جو باقی ہے تجھے دے۔ تب ان کی مدد سے تیرا ملک تیرے ھاتھ آوے اور چین ما چین کی سلطنت تو بہ خاطر جمع کرے۔ اور بالفعل اس حرکت سے تیری جان بچتی ہے۔ اگر اور کچھ نہ ہوا تو اس ظالم کے ھاتھ سے سوائے اس تدبیر کے اور کوئی صورت مخلصی کی نظر نہیں آتی۔" میں نے اس کی زبانی یہ سب کیفیت سنکر کہا کہ "دادا جان! اب تو میری جان کا مختار ہے۔ جو میرے حق میں بھلا ھو سو کر۔" میری تسلی کرکے آپ عطر اور بخور اور جو کچھ وھاں کے لیجانے کی خاطر مناسب جانا خرید کرنے بازار میں گیا۔

دوسرے دن میرے اس کافر چچا کے پاس (جو بجائے ابو جہل کے تھا) گیا اور کہا "جہاں پناہ! شہزادے کے مار ڈالنے کی ایک صورت میں نے دل میں ٹھہرائی ہے۔ اگر حکم ھو تو عرض کروں۔" وہ کمبخت خوش ھو کر بولا "وہ کیا تدبیر ہے؟" تب مبارک نے کہا کہ "اس کے مار ڈالنے میں سب طرح آپ کی بدنامی ہے۔ مگر میں اسے باھر جنگل میں لیجا کر ٹھکانے لگاؤں اور گاڑ داب کر چلا آؤں۔ ھرگز کوئی محرم نہ ھوگا کہ کیا ھوا۔" یہ بندش مبارک سے سن کر بولا کہ "بہت مبارک۔ میں یہ چاھتا ھوں کہ وہ سلامت نہ رہے۔ اس کا دغدغہ میرے دل میں ہے۔ اگر مجھے اس فکر سے تو چھڑاویگا تو اس خدمت کے عوض بہت کچھ پاویگا۔

جہاں تیرا جی چاھے لیجاکے کھپا دے اور مجھے بہ خوشخبری لادے''۔

مبارک نے بادشاد کی طرف سے اپنی دل جمعی کرکے مجھے ساتھ لیا۔ اور وے تحفے لیکر آدھی رات کو شہر سے کوچ کیا اور اتّر کی سمت چلا۔ ایک مہینے تلک بیہم چلا گیا۔ ایک روز رات کو چلے جاتے تھے جو مبارک بولا کہ ''شکر خدا کا اب منزل مقصود کو پہنچے۔'' میں نے سنکر کہا کہ ''دادا! یہ تونے کیا کہا؟'' کہنے لگا ''اے شہزادے! جنوں کا لشکر کیا نہیں دیکھتا؟'' میں نے کہا۔ ''مجھے تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔'' مبارک نے ایک سرمہ دانی نکال کر سلیمانی سرمہ کی سلائیاں میری دونوں آنکھوں میں پھیر دیں۔ وونھیں جنوں کی خلقت اور لشکر کے تنبو، قنات نظر آنے لگے، لیکن سب خوش رو اور سب خوش لباس۔ مبارک کو پہچان کر ھر ایک آشنائی کی راہ سے گلے ملتا اور مزاخیں کرتا۔

آخر جاتے جاتے بادشاھی سراچوں کے نزدیک گئے اور بارگاہ میں داخل ھوئے۔ دیکھتا ھوں تو روشنی قرینے سے روشن ھے۔ اور صندلیاں طرح بطرح کی دورویہ بچھی ھیں۔ اور عالم، فاضل، درویش، اور امیر، وزیر، بخشی، دیوان، ان پر بیٹھے ھیں۔ اور یساول، گرز بردار، احدی، چیلے، ھاتھ باندھے کھڑے ھیں۔ اور درمیان میں ایک تخت مرصع کا بچھا ھے۔ اس پر ملک صادق تاج اور چار قُب موتیوں کی پہنے ھوئے مسند پر تکیے لگائے بڑی شان شوکت سے بیٹھا ھے۔ میں نے نزدیک جاکر سلام کیا۔ مہربانگی سے بیٹھنے کا حکم کیا۔ پھر کھانے کا چرچا ھوا۔ بعد فراغت کے دسترخوان بڑھایا گیا۔ تب مبارک کی طرف متوجہ ھوکر احوال میرا پوچھا۔ مبارک

نے کہا کہ ''اب ان کے باپ کی جگہ پر چچا ان کا بادشاھت کرتا ھے ۔ اور ان کا دشمن جانی ھوا ھے ۔ اس لئے میں انھیں وھاں سے لے بھاگ کر آپ کی خدمت میں لایا ھوں کہ یتیم ھیں اور سلطنت ان کا حق ھے ۔ لیکن بغیر مُربّی کسو سے کچھ نہیں ھو سکتا۔ حضور کی دستگیری کے باعث اس مظلوم کی پرورش ھوتی ھے ۔ ان کے باپ کی خدمت کا حق یاد کرکے ان کی مدد فرمائیے اور وہ چالیسواں بندر عنایت کیجئے جو چالیسوں پورے ھوں ۔ اور یہ اپنے حق کو پہنچ کر تمھارے جان و مال کو دعا دیں ۔ سوائے صاحب کی پناہ کے کوئی ان کا ٹھکانا نظر نہیں آتا''۔

یہ تمام کیفیت سن کر صادق نے تامّل کر کے کہا کہ ''واقعی حقوق خدمت اور دوستی پادشاہ مغفور کی ھمارے اوپر بہت تھی ۔ اور یہ بچارا تباہ ھوکر اپنی سلطنت موروثی چھوڑ کر جان بچانے کے واسطے یہاں تلک آیا ھے ۔ اور ھمارے دامن دولت میں پناہ لی ھے ۔ تا مقدور کسو طرح ھم سے کمی نہ ھوگی اور درگذر نہ کرونگا ۔ لیکن ایک کام ھمارا ھے، اگر وہ اس سے ھو سکا اور خیانت نہ کی اور بہ خوبی انجام دیا اور اس امتحان میں پورا اترا۔ تو میں قول قرار کرتا ھوں کہ زیادہ پادشاہ سے سلوک کرونگا اور جو یہ چاھیگا سو دونگا ۔'' میں نے ھاتھ باندھ کر التماس کیا کہ ''اس فدوی سے تا بہ مقدور جو خدمت سرکار کی ھو سکیگی بہ سر و چشم بجا لاویگا ۔ اور اس کو خوبی و دیانتداری اور ھوشیاری سے کریگا ۔ اور اپنی سعادت دونوں جہاں کی سمجھیگا ۔'' فرمایا کہ ''تو ابھی لڑکا ھے، اس واسطے بار بار تاکید کرتا ھوں ۔ مبادا خیانت کرے اور آفت میں پڑے ۔'' میں نے کہا ''خدا پادشاہ کے اقبال سے آسان

کریگا اور میں حتی المقدور کوشش کروں گا اور امانت حضور تک لے آؤنگا"۔

یہ سن کر ملک صادق نے مجھ کو قریب بلایا اور ایک کاغذ دستکی سے نکال کر میرے تئیں دکھلایا اور کہا۔ "یہ جس شخص کی شبیہ ہے اسے جہاں سے جانے تلاش کرکے میری خاطر پیدا کرکے لا۔ اور جس گھڑی تو اس کا نام و نشان پاوے اور سامھنے جاوے۔ میری طرف سے بہت اشتیاق ظاہر کیجو۔ اگر یہ خدمت تجھ سے سر انجام ہوئی تو جتنی توقع تجھے منظور ہے اس سے زیادہ غور پرداخت کی جائیگی۔ والا نہ، جیسا کریگا ویسا پاویگا۔" میں نے اس کاغذ کو جو دیکھا ایک تصویر نظر پڑی کہ غش سا آنے لگا۔ بزور مارے ڈر کے اپنے تئیں سنبھالا اور کہا۔ "بہت خوب، میں رخصت ہوتا ہوں۔ اگر خدا کو میرا بھلا کرنا ہے تو بموجب حکم حضور کے مجھ سے عمل میں آویگا۔" یہ کہکر مبارک کو همراہ لیکر جنگل کی راہ لی۔ گانو گانو بستی بستی شہر شہر ملک ملک پھرنے لگا۔ اور ہرایک سے اس کا نام و نشان تحقیق کرنے۔ کسو نے نہ کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں یا کسی سے مذکور سنا ہے۔ سات برس تک اسی عالم میں حیرانی و پریشانی سہتا ہوا ایک نگر میں وارد ہوا۔ عمارت عالی اور آباد لیکن وہاں کا ہر ایک متنفس اسم اعظم پڑھتا تھا اور خدا کی عبادت بندگی کرتا تھا۔

ایک اندھا ہندوستانی فقیر بھیک مانگتا نظر آیا لیکن کسو نے ایک کوڑی یا ایک نوالہ نہ دیا۔ مجھے تعجب آیا اور اسکے اوپر رحم کھایا۔ جیب میں سے ایک اشرفی نکالکر اس کے ہاتھ دی۔ وہ لیکر بولا کہ "اے داتا! خدا تیرا بھلا کرے۔ تو شاید مسافر ہے۔

اس شہر کا باشندہ نہیں۔'' میں نے کہا ''فی الواقع سات برس سے میں تباہ ہوا ہوں ۔ جس کام کو نکلا ہوں اس کا سراغ نہیں ملتا ۔ آج اس بلدے میں آ پہنچا ہوں ۔'' وہ بوڑھا دعائیں دیکر چلا ۔ میں اس کے پیچھے لگ گیا۔ باہر شہر کے ایک مکان عالیشان نظر آیا ۔ وہ اسکے اندر گیا ۔ میں بھی چلا ۔ دیکھا تو جا بہ جا عمارت گر پڑی ہے اور بیمرمت ہو رہی ہے—

میں نے دل میں کہا کہ یہ محل لائق پادشاہوں کے ہے۔ جس وقت تیاری اس کی ہوگی کیا ہی مکان دلچسپ بنا ہوگا! اور اب تو ویرانی سے کیا صورت بن رہی ہے! پر معلوم نہیں کہ اجاڑ کیوں پڑا ہے ۔ اور یہ نا بینا اس محل میں کیوں بستا ہے ؟ وہ کور لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جاتا تھا کہ ایک آواز آئی جیسے کوئی کہتا ہے کہ ''اے باپ! خیر تو ہے ۔ آج سویرے کیوں پھرے آتے ہو؟'' پیر مرد نے سنکر جواب دیا کہ ''بیٹی! خدا نے ایک جوان مسافر کو میرے احوال پر مہربان کیا—

اس نے ایک مہر مجھکو دی ۔ بہت دنوں سے پیٹ بھر کر اچھا کھانا نہ کھایا تھا ۔ سو گوشت، مصالح، گھی، تیل، آٹا، لون، مول لیا اور تیری خاطر کپڑا جو ضرور تھا خرید کیا ۔ اب اس کو قطع کر۔ اور سی کر پہن ۔ اور کھانا پکا تو کھا پی کے اس سخی کے حق میں دعا دیں ۔ اگر چہ مطلب اس کے دل کا معلوم نہیں ۔ پر خدا دانا بینا ہے ۔ ہم بیکسوں کی دعا قبول کرے ۔'' میں نے یہ احوال اسکی فاقہ کشی کا جو سنا بے اختیار جی میں آیا کہ بیس اشرفیاں اور اسکو دوں ۔ لیکن آواز کی طرف دھیان جو گیا تو ایک عورت دیکھی کہ ٹھیک وہ تصویر اسی معشوق کی تھی ۔ تصویر کو نکالکر

مقابل کیا ۔ سرِمو تقاوت نہ دیکھا ۔ ایک نعرہ دل سے نکلا ۔ اور بے ہوش ہوا ۔ مبارک میرے تئیں بغل میں لیکر بیٹھا اُور پنکھا کرنے لگا ۔ مجھ میں ذرا سا ہوش آیا ۔ اسی کی طرف تاک رہا تھا جو مبارک نے پوچھا کہ ''تم کو کیا ہوگیا؟'' ابھی منھ سے جواب نہیں نکلا ۔ وہ نازنین بولی کہ ''اے جوان! خدا سے ڈر اور بگانی استری پر نگاہ مت کر ۔ حیا اور شرم سب کو ضرور ہے''—

اس لیاقت سے گفتگو کی کہ میں اس کی صورت اور سیرت پر محو ہو گیا ۔ مبارک میری خاطرداری بہت سی کرنے لگا ۔ لیکن دل کی حالت کی اسکو کیا خبر تھی؟ لاچار ہوکر میں پکارا کہ ''اے خدا کے بندو اور اس مکان کے رہنے والو! میں غریب مسافر ہوں ۔ اگر اپنے پاس مجھے بلاؤ اور رہنے کو جگہ دو ۔ تو بڑی بات ہے ۔'' اس اندھے نے نزدیک بلایا اور آواز پہچان کر گلے لگایا ۔ اور جہاں وہ گلبدن بیٹھی تھی ۔ اس مکان میں لیگیا ۔ وہ ایک کونے میں چھپ گئی ۔ اس بوڑھے نے مجھ سے پوچھا کہ ''اپنا ماجرا کہہ ۔ کہ کیوں گھر بار چھوڑ کر اکیلا پڑا پھرتا ہے ۔ اور تجھے کس کی تلاش ہے؟'' میں نے ملک صادق کا نام نہ لیا ۔ اور وہاں کا کچھ ذکر نہ مذکور کیا ۔ اس طور سے کہا ۔ کہ ''یہ بیکس شہزادہ چین و ماچین کا ہے ۔ چنانچہ میرے ولی نعمت ہنوز بادشاہ ہیں ۔ ایک سوداگر سے لاکھوں روپئے دیکر یہ تصویر مول لی تھی ۔ اس کے دیکھنے سے سب ہوش آرام جاتا رہا ۔ اور فقیر کا بھیس کرکر تمام دنیا چھان ماری ۔ اب یہاں میرا مطلب ملا ہے ۔ سو تمھارا اختیار ہے''—

یہ سنکر اندھے نے ایک آہ ماری اور بولا ۔ ''اے عزیز! میری

لڑکی بڑی مصیبت میں گرفتار ہے ۔ کسو بشر کی مجال نہیں کہ اس سے نکاح کرے اور پھل پاوے ۔،، میں نے کہا ''امیدوار ہوں کہ مفصل بیان کرو ۔،، تب اس مرد عجمی نے اپنا ماجرا اس طور سے ظاہر کیا ۔ کہ ''سن اے پادشاہ زادے! میں رئیس اور اکابر اس کم بخت شہر کا ہوں ۔ میرے بزرگ نام آور اور عالی خاندان تھے۔ حق تعالیٰ نے یہ بیٹی مجھے عنایت کی ۔ جب بالغ ہوئی تو اسکی خوبصورتی اور نزاکت اور سلیقے کا شور ہوا ۔ اور سارے ملک میں مشہور ہوا کہ فلانے کے گھر میں ایسی لڑکی ہے کہ اس کے حسن کے مقابل حور پری شرمندہ ہیں ۔ انسان کا تو کیا منہ ہے کہ برابری کرے؟ یہ تعریف اس شہر کے شہزادے نے سنی۔ غائبانہ بغیر دیکھے بھالے عاشق ہوا ۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اٹھوائی کھٹوائی لیکر پڑا—

آخر پادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی ۔میرے تئیں رات کو خلوت میں بلایا اور یہ مذکور درمیان میں لایا ۔ اور مجھے باتوں میں پھسلایا ۔ حتیٰ کہ نسبت ناتا کرنے میں راضی کیا ۔ میں بھی سمجھا کہ جب بیٹی گھر میں پیدا ہوئی تو کسو نہ کسو سے بیاہا ہی چاہئے ۔ پس اس سے کیا بہتر ہے کہ پادشاہزادے سے منسوب کردوں؟ اس میں پادشاہ بھی منّت وار ہوتا ہے۔ میں قبول کرکے رخصت ہوا ۔ اسی دن سے دونوں طرف تیاری بیاہ کی ہونے لگی ۔ ایک روز اچھی ساعت میں قاضی، مفتی، عالم، فاضل، اکابر سب جمع ہوئے ۔ نکاح باندھا گیا اور مہر معیّن ہوا ۔ دلہن کو بڑی دھوم دھام سے لیگئے ۔ سب رسم رسومات کرکے فارغ ہوئے۔ نوشہ نے رات کو جب قصد جماع کا کیا ۔ اس مکان میں ایک

سیر چوتھے درویش کی

شور غل ایسا ہوا کہ جو باہر لوگ چوکی میں تھے حیران ہوئے۔ دروازہ کوٹھری کا کھولکر چاہا دیکھیں کہ یہ کیا آفت ہے۔ اندر سے ایسا بند تھا کہ کواڑ کھول نہ سکے۔ ایکدم میں وہ رونے کی آواز بھی کم ہوئی۔ پٹ کی چول اکھاڑ کر دیکھا تو دولھا سر کٹا ہوا پڑا تڑپھتا ہے۔ اور دلہن کے منہ سے کف چلا جاتا ہے۔ اور اسی مٹی لہو میں لتھڑی ہوئی بیحواس پڑی لوٹتی ہے۔

یہ قیامت دیکھکر سب کے ہوش جاتے رہے۔ ایسی خوشی میں یہ غم ظاہر ہوا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی۔ سر پیٹتا ہوا دوڑا۔ تمام ارکان سلطنت کے جمع ہوئے۔ پر کسو کی عقل کام نہیں کرتی۔ کہ اس احوال کو دریافت کرے۔ نہایت کو پادشاہ نے اس قلق کی حالت میں حکم کیا کہ ”اس کم بخت بھونڈ پیری دلہن کا بھی سر کاٹ ڈالو۔“ یہ بات پادشاہ کی زبان سے جونہیں نکلی۔ پھر ویسا ھی ھنگامہ برپا ھوا۔ پادشاہ ڈرا اور اپنی جان کے خطرے سے نکل بھاگا۔ اور فرمایا کہ ”اسے محل سے باھر نکال دو۔“ خواصوں نے اس لڑکی کو میرے گھر میں پہنچا دیا۔ یہ چرچا دنیا میں مشہور ھوا۔ جن نے سنا حیران ھوا اورشہزادے کے مارے جانے کے سبب سے خود پادشاہ اور جتنے باشندے اس شہر کے ھیں میرے دشمن جانی ھوئے۔

جب ماتم داری سے فراغت ھوئی اور چہلم ھو چکا۔ پادشاہ نے ارکان دولت سے صلاح پوچھی۔ کہ ”اب کیا کیا چاھئے؟“ سبھوں نے کہا ”اور تو کچھ نہیں ھوسکتا۔ پر ظاھر میں دل کی تسلی اور صبر کے واسطے اس لڑکی کو اسکے باپ سمیت مروا ڈالئے۔ اور

گھر بار ضبط کر لیجئیے -،، جب میری یہ سزا مقرر کی کوتوال کو حکم ھوا - اس نے آکر چاروں طرف سے میری حویلی کو گھیر لیا۔ اور نرسنگا دروازے پر بجایا - اور چاھا کہ اندر گھسیں اور پادشاہ کا حکم بجا لاویں - غیب سے اینٹ پتھر ایسے برسنے لگے کہ تمام فوج تاب نہ لا سکی - اپنا سر منہ بچا کر جیدھر تدھر بھاگی - اور ایک آواز مہیب پادشاہ نے محل میں اپنے کانوں سنی - کہ ''کیوں کمبختی آئی ھے، کیا شیطان لگا ھے ؟ بھلا چاھتا ھے تو اس نازنین کے احوال کا معترض نہ ھو - نہیں تو جو کچھ تیرے بیٹے نے اس سے شادی کرکر دیکھا - تو بھی اسکی دشمنی سے دیکھیگا۔ اب اگر اس کو ستاوے گا تو مزا پاویگا،،-

بادشاہ کو مارے دھشت کے تپ چڑھی - وونہیں حکم کیا کہ ''ان بد بختوں سے کوئی مزاحم نہ ھو، کچھ کہو نہ سنو، حویلی میں پڑا رھنے دو - زور ظلم ان پر نہ کرو -،، اس دن سے عامل باؤ بتاس جان کر دعا تعویذ اور سیانے جنتر منتر کرتے ھیں - اور سب باشندے اس شہر کے اسم اعظم اور قرآن مجید پڑھتے ھیں - مدّت سے یہ تماشا ھو رھا ھے - لیکن اب تک کچھ اسرار معلوم نہیں ھوتا۔ اور مجھے بھی ھرگز اطلاع نہیں - مگر اس لڑکی سے ایک بار پوچھا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا تھا؟ یہ بولی کہ ''اور تو کچھ میں نہیں جانتی - لیکن یہ نظر آیا کہ جس وقت میرے خاوند نے قصد مباشرت کا کیا - چھت پھٹ کر ایک تخت مرصّع کا نکلا - اس پر ایک جوان خوبصورت شاھانہ لباس پہنے بیٹھا تھا۔ اور ساتھ بہت سے آدمی اھتمام کرتے ھوئے اس مکان میں آئے - اور شہزادے کے قتل کے مستعد ھوئے - وہ شخص سردار میرے نزدیک

آیا اور بولا ''کیوں جانی! اب ہم سے کہاں بھاگو گی؟،، ان کی صورتیں آدمی کی سی تھیں ۔ لیکن پانوں بکریوں کے سے نظر آئے۔ میرا کلیجہ دھڑکنے لگا اور خوف سے غش میں آگئی۔ پھر مجھے کچھ سُدھ نہیں کہ آخر کیا ہوا،،—

تب سے میرا یہ احوال ہے کہ اس پھوٹے مکان میں ہم دونوں جی پڑے رہتے ہیں ۔ بادشاہ کے غصّے کے باعث اپنے رفیق سب جدا ہوگئے ۔ اور میں گدائی کرنے جو نکلتا ہوں ۔ تو کوئی کوڑی نہیں دیتا ۔ بلکہ دوکان پر کھڑے رہنے کے روادار نہیں۔ اس کمبخت لڑکی کے بدن پر لتا نہیں کہ سر چھپاوے، اور کھانے کو میسر نہیں جو پیٹ بھر کھاوے ۔ خدا سے یہ چاہتا ہوں کہ موت ہماری آوے یا زمین پھاٹے اور یہ ناشدنی سماوے ۔ اس جینے سے مرنا بھلا ہے۔ خدا نے شاید ہمارے ہی واسطے تجھے بھیجا ہے۔ اور جو تونے رحم کھا کر ایک مہر دی ۔ کھانا بھی مزیدار پکا کر کھایا اور بیٹی کی خاطر کپڑا بھی بنایا ۔ خدا کی درگاہ میں شکر کیا اور تجھے دعا دی ۔ اگر اس پر آسیب جن یا پری کا نہ ہوتا تو تیری خدمت میں لونڈی کی جگہ دیتا اور اپنی سعادت جانتا۔ یہ احوال اس عاجز کا ہے ۔ تو اسکے درپے مت ہو اور اس قصد سے درگذر،،—

یہ سب ماجرا سنکر میں نے بہت منّت و زاری کی ۔ کہ ''مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر ۔ جو میری قسمت میں بدا ہوگا سو ہوگا۔،، وہ پیر مرد ہرگز راضی نہ ہوا ۔ شام جب ہوئی اس سے رخصت ہو کر سرا میں آیا ۔ مبارک نے کہا ''لو شہزادے ! مبارک ہو۔ خدا نے اسباب تو درست کیا ہے ۔ بارے یہ محنت اکارت نہ گئی۔،، میں نے کہا ۔ ''آج کتنی خوشامد کی۔ پر وہ اندھا بے ایمان راضی

نہیں ہوتا۔ خدا جانے دیویگا یا نہیں۔،، پر میرے دل کی یہ حالت تھی کہ رات کاٹنی مشکل ہوئی کہ کب صبح ہو تو پھر جا کر حاضر ہوں۔ کبھو یہ خیال آتا تھا۔ اگر وہ مہربان ہو اور قبول کرے۔ تو مبارک ملک صادق کی خاطر لیجائیگا۔ پھر کہتا بھلا ہاتھ تو آوے۔ مبارک کو منا وناکر میں عیش کرونگا۔ پھر جی میں یہ خطرہ آتا کہ اگر مبارک بھی قبول کرے۔ تو جنوں کے ہاتھ سے وھی نوبت میری ہوگی جو بادشاہزادے کی ہوئی۔ اور اس شہر کا بادشاہ کب چاھیگا کہ اس کا بیٹا مارا جائے اور دوسرا خوشی منائے۔

تمام رات نیند اُچاٹ ہوگئی اور اسی منصوبے کے اُلجھڑے میں کٹی۔ جب روز روشن ہوا میں چلا۔ چوک میں سے اچھے اچھے تھان پوشاکی اور گوٹا کناری اور میوہ خشک، و تر خرید کرکے اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نہایت خوش ہوکر بولا کہ ”سب کو اپنی جان سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔ پر اگر میری جان بھی تیرے کام آوے تو دریغ نہ کروں اور اپنی بیٹی ابھی تیرے حوالے کروں۔ لیکن یہی خوف آتا ھے کہ اس حرکت سے تیری جان کو خطرہ نہ ہو۔ کہ یہ داغ لعنت کا میرے اوپر تا قیامت رہے۔،، میں نے کہا ”اب اس بستی میں بیکس واقع ہوں۔ اور تم میرے دین دنیا کے باپ ہو۔ میں اس آرزو میں مدّت سے کیا کیا تباھی اور پریشانی کھینچتا ہوا اور کیسے کیسے صدمے اٹھاتا ہوا یہاں تک آیا۔ اور مطلب کا بھی سراغ پایا۔ خدا نے تمھیں بھی مہربان کیا جو بیاہ دینے پر رضامند ہوئے۔ لیکن میرے واسطے آگا پیچھا کرتے ہو۔ ذرا منصف ہوکر غور فرماؤ۔ تو، عشق کی تلوار سے

سر بچانا اور اپنی جان کو چھپانا کس مذھب میں درست ھے؟ ھر چہ بادا باد۔ میں نے سب طرح اپنے تئیں برباد دیا ھے۔ معشوق کے وصال کو میں زندگی سمجھتا ھوں۔ اپنے مرنے جینے کی مجھے کچھ پروا نہیں۔ بلکہ اگر ناامید ھونگا تو بن اجل مر جاؤنگا۔ اور تمھارا قیامت میں دامن گیر ھونگا،،۔

غرض اس گفت و شنید ھاں نانھ میں قریب ایک مہینے کے خوف و رجا میں گذرا۔ ھر روز اس بزرگ کی خدمت میں دوڑا جاتا۔ اور خوشامد برامد کیا کرتا۔ اتفاقاً وہ بوڑھا کاھلہ ھوا۔ میں اس کی بیمار داری میں حاضر رھا۔ ھمیشہ قارورہ حکیم پاس لیجاتا۔ جو نسخہ لکھ دیتا اسی ترکیب سے بنا کر پلاتا اور شولا اور غذا اپنے ھاتھ سے پکا کر کوئی نوالا کھلاتا۔ ایک دن مہربان ھوکر کہنے لگا۔ ''اے جوان! تو بڑا ضدی ھے۔ میں نے ھر چند ساری قباحتیں کہہ سنائیں۔ اور منع کرتا ھوں کہ اس کام سے باز آ۔ جی ھے تو جہان ھے۔ پر خواہ مخواہ کوئے میں گرا چاھتا ھے۔ اچھا آج اپنی لڑکی سے تیرا مذکور کرونگا۔ دیکھوں وہ کیا کہتی ھے۔،، یا فقر اللہ! یہ خوشخبری سن کر میں ایسا پھولا کہ کپڑوں میں نہ سمایا۔ آداب بجا لایا اورکہا کہ ''اب آپ نے میرےجینےکی فکر کی۔،، رخصت ھوکر مکان پر آیا اور تمام شب مبارک سے یہی ذکر مذکور رھا۔ کہاں کی نیند اور کہاں کی بھوکھ؟ صبح کو نور کے وقت پھر جا کر موجود ھوا۔ سلام کیا؟ فرمانے لگا کہ ''لو اپنی بیٹی ھم نے تم کو دی، خدا مبارک کرے۔ تم دونوں کو خدا کے حفظ و امان میں سونپا۔ جب تلک میرے دم میں دم ھے میری

آنکھوں کے سامھنے رھو۔ جب میری آنکھ مند جائیگی جو تمھارے جی میں آویگا سو کیجو، مختار ھو،،—

کتنے دن پیچھے وہ مرد بزرگ جان بحق تسلیم ھوا۔ رو پیٹ کر تجہیز تکفین کیا۔ بعد تیجے کے اس نازنین کو مبارک ڈولی کر کر کاروان سرا میں لے آیا۔ اور مجھ سے کہا کہ ''یہ امانت ملک صادق کی ھے۔ خبردار خیانت نہ کیجو اور یہ محنت مشقت برباد نہ دیجو۔،، میں نے کہا ''اے کاکا! ملک صادق یہاں کہاں ھے؟ دل نہیں مانتا۔ میں کیونکر صبر کروں؟ جو کچھ ھو سو ھو۔ جیوں یا مروں۔ اب تو عیش کر لوں۔،، مبارک نے دق ھوکر ڈانٹا کہ ''لڑکپن نہ کرو۔ ابھی ایک دم میں کچھ کا کچھ ھو جاتا ھے۔ ملک صادق کو دور جانتے ھو۔ جو اس کا فرمانا نہیں مانتے ھو؟ اس نے چلتے وقت پہلے ھی اونچ نیچ سب سمجھا دی ھے۔ اگر اسکے کہنے پر رھوگے اور صحیح سلامت اس کو وھاں تک لے چلو گے تو وہ بھی پادشاہ ھے۔ شاید تمھاری محنت پر توجہ کرکے تمھوں کو بخشش دے۔ تو کیا اچھی بات ھووے۔ پیت کی پیت رھی اور میت کا میت ھاتھ لگے،،—

بارے اسکے ڈرانے اور سمجھانے سے میں حیران ھوکر چپکا ھو رھا۔ دو سانڈنیاں خرید کیں۔ اور کجاؤں پر سوار ھوکر ملک صادق کے ملک کی راہ لی۔ چلتے چلتے ایک میدان میں آواز غل شور کی آنے لگی۔ مبارک نے کہا ''شکر خدا کا ھماری محنت نیک لگی۔ یہ لشکر جنوں کا آ پہنچا۔،، بارے مبارک نے ان سے مل جل کر پوچھا کہ ''کہاں کا ارادہ کیا ھے؟،، وہ بولے کہ ''پادشاہ نے تمھارے استقبال کے واسطے ھمیں تعینات کیا ھے۔ اب تمھارے فرمانبردار

ھیں ۔ اگر کہو تو ایک دم میں رو برو لے چلیں ۔،، مبارک نے کہا ''دیکھو کس کس محنتوں سے خدا نے پادشاہ کے حضور میں ھمیں سرخ رو کیا ۔ اب جلدی کیا ضرور ھے؟ اگر خدا نہ خواستہ کچھ خلل ھو جاوے ۔ تو ھماری محنت اکارت ھو اور جہاں پناہ کی غضبی میں پڑیں ۔،، سبھوں نے کہا کہ ''اس کے تم مختار ھو۔ جس طرح جی چاھے چلو ۔،، اگرچہ سب طرح کا آرام تھا ۔ پر رات دن چلنے سے کام تھا—

جب نزدیک جا پہنچے میں مبارک کو سوتا دیکھ کر اس نازنین کے قدموں پر سر رکھ کر اپنے دل کی بیقراری اور ملک صادق کے سبب سے لاچاری نہایت منّت و زاری سے کہنے لگا ۔ کہ ''جس روز سے تمھاری تصویر دیکھی ھے خواب و خورش اور آرام میں نے اپنے اوپر حرام کیا ھے ۔ اب جو خدا نے یہ دن دکھایا تو محض بیگانہ ھو رھا ھوں ۔،، فرمانے لگی کہ ''میرا بھی دل تمھاری طرف مائل ھے ۔ کہ تم نے میری خاطر کیا کیا ھرج مرج اٹھایا اور کس کس مشقتوں سے لے آئے ھو۔ خدا کو یاد کرو اور مجھے بھول نہ جائیو ۔ دیکھو تو پردۂ غیب سے کیا ظاھر ھوتا ھے ۔،، یہ کہکر ایسی بے اختیار ڈاڑھ مار کرروئی کہ ھچکی لگ گئی ۔ ایدھر میرا یہ حال ۔ ادھر اس کا وہ احوال ۔ اس میں مبارک کی نیند ٹوٹ گئی۔ وہ ھم دونوں سنتاقوں کا رونا دیکھکر رونے لگا اور بولا۔ ''خاطر جمع رکھو، ایک روغن سرے پاس ھے، اس گلبدن کے بدن میں مل دونگا ۔ اس کی بو سے ملک صادق کا جی ھٹ جائے گا ۔ غالب ھے کہ تمھیں کو بخش دے،،—

مبارک سے یہ تدبیر سنکر دل کو ڈھارس ہوگئی۔ اس کے گلے سے لگ کر لاڈ کیا اور کہا۔ ''اے دادا، اب تو میرے باپ کی جگہ ہے۔ تیرے باعث میری جان بچی۔ اب بھی ایسا کام کر جس میں میری زندگانی ہو۔ نہیں تو اس غم میں مر جاؤنگا۔،، اس نے ڈھیر سی تسلّی دی۔ جب روز روشن ہوا، آواز جنوں کی معلوم ہونے لگی۔ دیکھا تو کئی خواص ملک صادق کے آئے ہیں۔ اور دو سرےپاؤ بھاری ہمارے لئے لائے ہیں اور ایک چوڈول موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی ان کے ساتھ ہے۔ مبارک نے اس نازنین کو وہ تیل مل دیا اور پوشاک پہنا بناؤ کرواکر ملک صادق کے پاس لیچلا۔ بادشاہ نے دیکھکر مجھے بہت سرفراز کیا اور عزت و حرمت سے بٹھایا اور فرمانے لگا کہ ''تجھ سے میں ایسا سلوک کرونگا کہ کسو نے آج تک کسو سے نہ کیا ہوگا۔ بادشاہت تو تیرے باپ کی موجود ہے۔ علاوہ اب تو میرے بیٹے کی جگہ ہوا۔،، یے توّجہ کی باتیں کر رہا تھا۔ اتنے میں وہ نازنین بھی روبرو آئی۔ اس روغن کی بو سے یک بہ یک دماغ پراگندہ ہوا اور حال بے حال ہو گیا۔ تاب اس باس کی نہ لا سکا۔ اٹھ کر باہر چلا گیا اور ہم دونوں کو بلوایا اور مبارک کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ ''کیوں جی! خوب شرط بجا لائے!

میں نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر خیانت کروگے تو خفگی میں پڑوگے۔ یہ بو کیسی ہے؟ اب دیکھو تمھارا کیا حال کرتا ہوں۔،، بہت جِزبِز ہوا۔ مبارک نے مارےڈر کے اپنا ازربند کھولکر دکھادیا۔ کہ ''پادشاہ سلامت! جب حضور کے حکم سے اس کام کے ہم متعین ہوئے تھے۔ غلام نے پہلے ہی اپنی علامت کاٹ کر ڈبیا میں

بند کرکے سر بہ مہر سرکار کے خزانچی کے سپرد کر دی تھی ۔ اور مرھم سلیمانی لگاکر روانہ ہوا تھا ۔،، مبارک سے یہ جوابؔ سنکر تب میری طرف آنکھیں نکال کے گھورا اور کہنے لگا ۔ ”تو یہ تیرا کام ہے!،، اور طیش میں آکر منہ سے برا بھلا بکنے لگا ۔ اس وقت اسکے بت کہاؤ سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید جان سے مجھے مروا ڈالیگا ۔ جب میں نے اسکے بشرے سے یہ دریافت کیا ۔ اپنے جی سے ہاتھ دھو کر اور جان کھو کر سر غلاف مبارک کی کمر سے کھینچ کر ملک صادق کی توند میں ماری ۔ چھری کے لگتے ہی نہڑا اور جھوما ۔ میں نے حیران ہوکر جانا کہ مقرر مر گیا ۔ پھر اپنے دل میں خیال کیا کہ زخم تو ایسا کاری نہیں لگا ، یہ کیا سبب ہوا؟ میں کھڑا دیکھتا تھا کہ وہ زمین پر لوٹ لاٹ گیند کی صورت بن کر آسمان کی طرف اڑ چلا ۔ ایسا بلند ہوا کہ آخر نظروں سے غائب ہو گیا ۔ پھر ایک پل کے بعد بجلی کی طرح کڑکتا اور غصے میں کچھ بے معنی بکتا ہوا نیچے آیا ۔ اور مجھے ایک لات ماری کہ میں تیورا کر چاروں شانے چت گر پڑا اور جی ڈوب گیا ۔ خدا جانے کتنی دیر میں ہوش آیا ۔ آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو ایک ایسے جنگل میں پڑا ہوں کہ جہاں سوائے کیکڑ اور ٹینٹی اور جھڑبیری کے درختوں کے کچھ اور نظر نہیں آتا ۔ اب اس گھڑی عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں! نا امیدی سی ایک آہ بھر کر ایک طرف کی راہ لی ۔ اگر کہیں کوئی آدمی کی صورت نظر پڑتی تو ملک صادق کا نام پوچھتا ۔ وہ دیوانہ جان کر جواب دیتا کہ ”ہم نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا،،—

ایک روز پہاڑ پر جاکر میں نے بھی ارادہ کیا کہ اپنے تئیں

گرا کر ضائع کروں ۔ جوں مستعد گرنے کا ہوا وہی سوار صاحب ذوالفقار برقع پوش آ پہنچا اور بولا ۔ کہ ''کیوں تو اپنی جان کھوتا ہے ۔ آدمی پر دکھ درد سب ہوتا ہے ۔ اب تیرے برے دن گئے اور بھلے دن آئے ۔ جلد روم کو جا ۔ تین شخص ایسے ہی آگے گئے ہیں ۔ ان سے ملاقات کر اور وہاں کے سلطان سے مل ۔ تم پانچوں کا مطلب ایک ہی جگہ ملیگا ۔،، اس فقیر کی سیر کا یہ ماجرا ہے جو عرض کیا ۔ بارے بشارت سے اپنے مولا مشکل کشا کی مرشدوں کی حضور میں آپہنچا ہوں ۔ اور پادشاہ ظل اللہ کی بھی ملازمت حاصل ہوئی چاہئے کہ اب سب کی خاطر جمع ہو،،--

یے باتیں چار درویش اور پادشاہ آزاد بخت میں ہو رہی تھیں ۔ کہ اتنے میں ایک محلی پادشاہ کے محل میں سے دوڑا ہوا آیا اور مبارکباد کی تسلیمیں بادشاہ کے حضور بجا لایا اور عرض کی ۔ کہ ''اس وقت شاہزادہ پیدا ہوا کہ آفتاب و مہتاب اسکے حسن کے روبرو شرمندہ ہیں ۔،، پادشاہ نے متعجب ہوکر پوچھا کہ ''ظاہر میں تو کسوکو حمل نہ تھا ۔ یہ آفتاب کس کے برج حمل سے نمود ہوا؟،، اس نے التماس کیا کہ ''ماہ رو خواص جو بہت دنوں سے غضب پادشاہی میں پڑی تھیں ۔ بیکسوں کی مانند ایک کونے میں رہتی تھی اور مارے ڈر کے اس کے نزدیک کوئی نہ جاتا نہ احوال پوچھتا تھا ۔ اس پر یہ فضل الہی ہوا کہ چاند سا بیٹا اس کے پیٹ سے پیدا ہوا،،--

پادشاہ کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ شاید شادی مرگ ہو جائے ۔ چاروں فقیر نے بھی دعا دی ۔ کہ ''بھلا بابا! تیرا گھر آباد رہے اور اس کا قدم مبارک ہو ۔ تیرے سائے کے تلے بوڑھا بڑا

ہو۔،، پادشاہ نے کہا ”یہ تمھارے قدم کی برکت ہے۔ والّا نہ، اپنے تو سان گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ اجازت ہو تو جا کر دیکھوں۔،، درویشوں نے کہا۔ ”بسم اللہ سِدھارئیے۔،، بادشاہ محل میں تشریف لے گئے۔ شہزادے کو گود میں لیا اور شکر پروردگار کی جناب میں کیا۔ کلیجہ ٹھنڈا ھوا۔ وونھیں چھاتی سے لگائے ہوئے لا کر فقیروں کے قدموں پر ڈالا۔ درویشوں نے دعائیں پڑھ کر جھاڑ پھونک دیا۔ پادشاہ نے جشن کی تیاری کی۔ دوھری نوبتیں جھڑنے لگیں۔ خزانے کا منھ کھول دیا۔ داد و دھش سے ایک کوڑی کے محتاج کو لکھ پتی کر دیا۔ ارکان دولت جتنے تھے سب کو دو چند جاگیر و منصب کے فرمان ھو گئے۔ جتنا لشکر تھا۔ انھیں پانچ برس کے طلب انعام ہوئے۔ مشائخ اور اکابر کو مدد معاش اور التمغا عنایت ھوا۔ بے نواؤں کے میتے اور ٹکڑ گداؤں کے چھلے اشرفی اور روپیوں کی کھچڑی سے بھر دئے۔ اور تین برس کا خزانہ رعیت کو معاف کیا۔ کہ جو کچھ بوویں جوتیں دونوں حصے اپنے گھروں میں اٹھا لے جائیں۔

تمام شہر میں ھزاری بزاری کے گھروں میں جہاں دیکھو وہاں تھئی تھئی ناچ ھو رہا ہے۔ مارے خوشی کے ھر ایک ادنا اعلا بادشاہ وقت بن بیٹھا۔ عین شادی میں ایک بارگی اندرون محل سے رونے پیٹنے کا غل اٹھا۔ خواصیں اور تُرکنیاں اور آردابیگنیاں اور محلی، خوجے سر میں خاک ڈالتے ہوئے باھر نکل آئے اور بادشاہ سے کہا۔ کہ ”جس وقت شہزادے کو نہلا دھلا کر دائی کی گود میں دیا ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور دائی کو گھیر لیا۔ بعد ایک دم کے دیکھیں تو انّا بیہوش پڑی ہے۔ اور شہزادہ غائب ھو گیا۔

یہ کیا قیامت ٹوٹی!،، بادشاہ یہ تعجبات سنکر حیران ہو رہا۔ اور تمام ملک میں واویلا پڑی۔ دو دن تلک کسو کے گھر میں هانڈی نہ چڑھی۔ شہزادے کا غم کھاتے اور اپنا لہو پیتے تھے۔

غرض زندگانی سے لاچار تھے جو اس طرح جیتے تھے۔ جب تیسرا دن ہوا۔ وھی بادل پھر آیا اور ایک پنگھولا جڑاؤ موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی لایا۔ اسے محل میں رکھکر آپ ہوا ہوا۔ لوگوں نے شہزادے کو اس میں انگوٹھا چوستے ہوئے پایا۔ پادشاہ بیگم نے جلدی بلائیں لیکر ھاتھوں میں اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا۔ دیکھا تو کرتا آب رواں کا موتیوں کا دردامن ٹکا ہوا گلے میں ہے۔ اور اس پر شلوکا تمامی کا پہنایا ہے۔ اور ھاتھ پانوں میں کھڑوے مرصع کے اور گلے میں ہیکل نورتن کی پڑی ہے۔ اور جھنجھنا ، چسنی ، چٹّے بٹّے جڑاؤ دھرے ہیں۔ سب مارے خوشی کے واری پھیری ہونے لگیں۔ اور دعائیں دینے لگیں کہ ”تیری ما کا پیٹ ٹھنڈا رہے۔ اور تو بوڑھا آڑھا ہو،،۔

پادشاہ نے ایک بڑا محل نیا تعمیر کروا کر اور فرش بچھوا اس میں درویشوں کو رکھا۔ جب سلطنت کے کام سے فراغت ہوتے تب آ بیٹھتے اور سب طرح سے خدمت اور خبر گیری کرتے۔ لیکن ہر چاند کی نوچندی جمیرات کو وھی پارۂ ابر آتا۔ اور شہزادے کو لیجاتا۔ بعد دو دن کے تحفہ کھلونے اور سوغاتیں ہر ایک ملک کی اور ہر ایک قسم کی شہزادے کے ساتھ لے آتا جن کے دیکھنے سے عقل انسان کی حیران ہو جاتی۔ اسی قاعدے سے پادشاہ زادے نے خیریت سے ساتویں برس میں پانوں دیا۔ عین سالگرہ کے روز پادشاہ آزاد بخت نے فقیروں سے کہا۔ کہ ”سائیں

اللہ! کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہزادے کو کون لیجاتا ھے۔ اور پھر دے جاتا ھے۔ بڑا تعجب ھے۔ دیکھئے انجام اِس کا کیا ہوتا ھے؟،، درویشوں نے کہا ''ایک کام کرو۔ ایک شقہ شوقیہ اس مضمون کا لکھکر شہزادے کے گھوارے میں رکھدو۔ کہ تمھاری مہربانگی اور محبت دیکھکر اپنا بھی دل مشتاق ملاقات کا ہوا ھے۔ اگر دوستی کی راہ سے اپنے احوال کی اطلاع دیجئے تو خاطر جمع ہو اور حیرانی بالکل دفع ہو۔،، باشاہ نے سوافق صلاح درویشوں کے افشانی کاغذ پر ایک رقعہ اسی عبارت کا ترقیم کیا اور مہدِ زریں میں رکھ دیا۔

شہزادہ بموجب قاعدۂ قدیم کے غائب ہوا۔ جب شام ہوئی آزاد بخت درویشوں کے بسنروں پر آکر بیٹھے اور کلمہ کلام ہونے لگا۔ ایک کاغذ لپٹا ہوا پادشاہ کے پاس آ پڑا۔ کھول کر پڑھا۔ تو جواب اسی شقے کا تھا۔ یہی دو سطریں لکھی تھیں۔ کہ ''ہمیں بھی اپنا مشتاق جانئے۔ سواری کے لئے تخت جاتا ھے۔ اس وقت اگر تشریف لائیے تو بہتر ھے۔ باہم ملاقات ہو۔ سب اسباب عیش و طرب کا مہیا ھے۔ صاحب ھی کی جگہ خالی ھے۔،، پادشاہ آزاد بخت درویشوں کو ہمراہ لیکر تخت پر بیٹھے۔ وہ تخت حضرت سلیمان کے تخت کے مانند ہوا پر چلا۔ رفتہ رفتہ ایسے مکان پر جا اترے کہ عمارت عالیشان اور تیاری کا سامان نظر آتا ھے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی ھے یا نہیں۔ اتنے میں کسو نے ایک ایک سلائی سلیمانی سرمے کی ان پانچوں کی آنکھوں میں پھیر دی۔ دو دو بوندیں آنسو کی ٹپک پڑیں۔ پریوں کا اکھاڑا دیکھا کہ

استقبال کی خاطر گلاب پاشیں لئے ہوئے اور رنگ بہ رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے کھڑا ہے۔

آزاد بخت آگے چلے تو دورویہ ہزاروں پریزاد مؤدب کھڑے ہیں ۔ اور صدر میں ایک تخت زمرد کا دھرا ہے ۔ اس پر ملک شہبال شاہرخ کا بیٹا تکئیے لگائے بڑے تزک سے بیٹھا ہے اور ایک پریزاد لڑکی رو برو بیٹھی شہزادۂ بختیار کے ساتھ کھیل رہی ہے ۔ اور دونوں بغل میں کرسیاں اور صندلیاں قرینے سے بچھی ہیں ۔ ان پر عمدہ پربزاد بیٹھے ہیں ۔ ملک شہبال پادشاہ کو دیکھنے ہی سر و قد اٹھا اور تخت سے اتر کر بغل گیر ہوا اور ہاتھ میں ہاتھ پکڑے اپنے برابر تخت پر لا کر بٹھایا اور بڑے تپاک اور گرم جوشی سے باہم گفتگو ہونے لگی ۔ تمام روز ہنسی خوشی کھانے اور میوے اور خوشبوؤں کی ضیافت رہی ۔ اور راگ رنگ سنا کئیے ۔ دوسرے دن جب پھر دونوں پادشاہ جمع ہوئے ۔ شہبال نے پادشاہ سے درویشوں کے ساتھ لانے کی کیفیت پوچھی۔

پادشاہ نے چاروں بے نواؤں کا ماجرا جو سنا تھا مفصل بیان کیا اور سفارش کی اور مدد چاہی ۔ کہ ”انھوں نے اتنی محنت اور مصیبت کھینچی ہے ۔ اب صاحب کی توجہ سے اگر اپنے اپنے مقصد کو پہنچیں تو ثواب عظیم ہے ۔ اور یہ مخلص بھی تمام عمر شکر گذار رہیگا ۔ آپ کی نظر توجہ سے ان سب کا بیڑا پار ہوتا ہے ۔“ ملک شہبال نے سنکر کہا ”بہ سر و چشم ۔ میں تمھارے فرمانے سے قاصر نہیں ۔“ یہ کہکر نگاہ گرم سے دیووں اور پریوں کی طرف دیکھا۔ اور بڑے بڑے جن جو جہاں سردار تھے ان کو نامے لکھے۔ کہ ”اس فرمان کے دیکھتے ہی اپنے تئیں حضور پر نور میں حاضر

کرو ۔ اگر کسی کے آنے میں توقّف ہوگا تو اپنی سزا پاویگا ۔ اور پکڑا ہوا آویگا اور آدم زاد خواہ عورت خواہ مرد جس کے پاس ہو اسے اپنے ساتھ لئے آوے۔ اگر کوئی پوشیدہ کر رکھیگا اور ثانی الحال ظاہر ہوگا۔ تو اس کا زن و بچہ کولھو میں پیرا جائیگا اور اس کا نام نشان باقی نہ رہیگا،،—

یہ حکم نامہ لیکر دیو چاروں طرف متعیّن ہوئے۔ یہاں دونوں بادشاہوں میں صحبت گرم ہوئی اور باتیں اختلاط کی ہونے لگیں ۔ اس میں ملک شہبال درویشوں سے مخاطب ہوکر بولا۔ کہ ''اپنے تئیں بھی بڑی آرزو لڑکے ہونے کی تھی ۔ اور دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگر خدا بیٹا دے یا بیٹی تو اس کی شادی بنی آدم کے بادشاہ کے یہاں جو لڑکا پیدا ہوگا اس سے کرونگا ۔ اس نیّت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بادشاہ بیگم پیٹ سے ہیں ۔ بارے دن اور گھڑیاں اور مہینے گنتے گنتے پورے دن ہوئے۔ اور یہ لڑکی پیدا ہوئی ۔ موافق وعدے کے تلاش کرنے کے واسطے عالم جنّیات کو میں نے حکم کیا ۔ چار دانگ دنیا میں جستجو کرو ۔ جس بادشاہ یا شہنشاہ کے یہاں فرزند پیدا ہوا ہو اس کو بہ جنس احتیاط سے جلد اٹھا کر لے آؤ ۔ وونہیں بموجب فرمان کے پریزاد چاروں سمت پراگندہ ہوئے۔ بعد دیر کے اس شہزادے کو میرے پاس لے آئے—

میں نے شکر خدا کا کیا ۔ اور اپنی گود میں لے لیا ۔ اپنی بیٹی سے زیادہ اس کی محبت میرے دل میں پیدا ہوئی ۔ جی نہیں چاہتا کہ ایک دم نظروں سے جدا کروں ۔ لیکن اس خاطر بھیج دیتا ہوں ۔ کہ اگر اس کے ما باپ نہ دیکھینگے تو ان کا کیا احوال ہوگا ۔ لہذا ہر مہینے میں ایک بار منگا لیتا ہوں ۔ کئی دن

اپنے نزدیک رکھ کر پھر بھیج دیتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالی، اب ہماری تمھاری ملاقات ہوئی، اس کی کتخدائی کر دیتا ہوں۔ سوت حیات سب کو لگی پڑی ھے۔ بھلا جیتے جی ان کا سہرا دیکھ لیں،،—

پادشاہ آزاد بخت یہ باتیں ملک شہبال کی سنکر اور اس کی خوبیاں دیکھ کر نہایت محظوظ ھوئے اور بولے۔ ''پہلے ہم کو شہزادے کے غائب ہو جانے اور پھر آنے سے عجب عجب طرح کے خطرے دل میں آتے تھے۔ لیکن اب صاحب کی گفتگو سے تسلی ہوئی۔ یہ بیٹا اب تمھارا ھے۔ جس میں تمھاری خوشی ہو سو کیجئے۔،، غرض دونوں پادشاھوں کی صحبت مانند شکر شیر کے رھتی اور عیش کرتے۔ دس پانچ دن کے عرصے میں بڑے بڑے پادشاہ گلستان ارم کے اور کوھستان کے اور جزیروں کے (جن کی طلب کی خاطر لوگ تعینات ہوئے تھے) سب آکر حضور میں حاضر ہوئے۔ پہلے ملک صادق سے فرمایا کہ ''تیرے پاس جو آدم زاد ھے حاضر کر۔،، اس نے نسٹ غم غصہ کھا کر لاچار اس گلعذار کو حاضر کیا۔ اور ولایت عمان کے بادشاہ سے شہزادی جن کی (جس کے واسطے شہزادہ ملک نیمروز کا گاؤ سوار ہوکر سودائی بنا تھا) مانگی۔ اس نے بھی بہت سے عذر معذرت کرکے حاضر کی۔ جب بادشاہ فرنگ کی بیٹی اور بہزاد خاں کو طلب کیا سب مُنکِر پاک ہوئے۔ اور حضرت سلیمان کی قسم کھانے لگے—

آخر دریائے قلزم کے پادشاہ سے جب پوچھنے کی نوبت آئی۔تو وہ سر نیچا کرکے چپ ہورھا۔ ملک شہبال نے اس کی خاطر کی۔ اور قسم دی اور امید وار سرفرازی کا کیا اور کچھ دھونس دھڑکا بھی دیا۔ تب وہ بھی ھاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا۔ کہ ''پادشاہ سلامت!

حقیقت یہ ہے کہ جب پادشاہ اپنے بیٹے کے استقبال کی خاطر دریا پر آیا اور شہزادے نے مارے جلدی کے گھوڑا دریا میں ڈالا۔ اتفاقاً میں اس روز سیر و شکار کی خاطر نکلا تھا۔ اس جگہ میرا گذر ہوا۔ سواری کھڑی کرکے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس میں شہزادی کو بھی گھوڑی دریا میں لیگئی۔ میری نگاہ جو اس پر پڑی۔ دل بے اختیار ہوا۔ پریزادوں کو حکم کیا کہ ”شہزادی کو بہ مع گھوڑی لے آؤ۔“ اس کے پیچھے بہزاد خاں نے گھوڑا پھینکا۔ جب وہ بھی غوطے کھانے لگا اس کی دلاوری اور مردانگی پسند آئی۔ اس کو بھی ہاتھوں ہاتھ پکڑ لیا۔ ان دونوں کو لیکر میں نے سواری پھیری۔ سو وے دونوں صحیح سلامت میرے پاس موجود ہیں“—

یہ احوال کہ کر دونوں کو رو برو بلایا اور سلطان شام کی شہزادی کی تلاش بہت کی۔ اور سبھوں سے بسختی و ملائمیت استفسار کیا۔ لیکن کسو نے حامی نہ بھری اور نہ نام و نشان بتایا۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ ”کوئی بادشاہ یا سردار غیر حاضر بھی ہے یا سب آ چکے؟“ جنوں نے عرض کی کہ ”جہاں پناہ! سب حضور میں آئے ہیں مگر ایک، مسلسل جادو، جس نے کوہ قاف کے پردے میں ایک قلعہ جادو کے علم سے بنایا ہے، وہ اپنے غرور سے نہیں آیا ہے۔ اور ہم غلاموں کو طاقت نہیں جو بزور اس کو پکڑ لاویں۔ وہ بڑا قلب مکان ہے۔ اور وہ خود بھی بڑا شیطان ہے“—

یہ سنکر ملک شہبال کو تیش آیا اور لڑاکی فوج جنوں اور عفرتیوں اور پریزادوں کی تعینات کی اور فرمایا۔ ”اگر راستے میں اس

شہزادی کو ساتھ لیکر حاضر ہو فبہا۔ والاّ نہ اس کو زیر و زبر کرکے مشکیں باندھ کر لے آؤ۔ اور اسکے گڑھ اور ملک کو نیست و نابود کرکے گدھے کا ھل پھروا دو۔،، وونہیں حکم ہوتے ھی ایسی کتنی فوج روانہ ہوئی کہ ایک آدھ دن کے عرصے میں ویسے جوش خروش والے سرکش کو حلقہ بگوش کرکے پکڑ لائے اور حضور میں دست بستہ کھڑا کیا۔ ملک شہبال نے ہرچند سرزنش کرکر پوچھا لیکن اس مغرور نے سوائے نانھ کے ھاں نہ کی۔ نہایت کو غصے ہوکر فرمایا کہ ''اس مردود کے بند بند جدا کرو۔ اور کھال کھینچ کر بھس بھرو۔،، اور بزیزاد کے لشکر کو تعّین کیا کہ کوہ قاف میں جاکر ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پیدا کرو۔ وہ لشکرِ متعینہ شہزادی کو بھی تلاش کرکے لے آیا۔ اور حضور میں پہنچایا۔ ان سب اسیروں نے اور چاروں فقیروں نے ملک شہبال کا حکم اور انصاف دیکھ کر دعائیں دیں اور شاد ہوئے۔ پادشاہ آزاد بخت بھی بہت خوش ہوا۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ ''مردوں کو دیوان خاص میں اور عورتوں کو بادشاھی محل میں داخل کرو۔ اور شہر میں آئینہ بندی کا حکم کرو اور شادی کی تیاری جلدی ہو۔،، گویا حکم کی دیر تھی—

ایک روز نیک ساعت اور مبارک مہورت دیکھ کر شہزادۂ بختیار کا عقد اپنی بیٹی روشن اختر سے باندھا۔ اور خواجہ زادۂ یمن کو دمشق کی شہزادی سے بیاھا۔ اور ملک فارس کے شہزادے کا نکاح بصرے کی شہزادی سے کردیا۔ اور عجم کے بادشاھزادے کو فرنگ کی ملکہ سے منسوب کیا۔ اور نیمروز کے بادشاہ کی بیٹی کو بہزاد خاں کو دیا۔ اور شہزادۂ نیمروز کو جن کی شہزادی حوالے

کی۔ اور چین کے شہزادے کو اس پیر مرد عجمی کی بیٹی سے (جو ملک صادق کے قبضے میں تھی) کتخدا کیا۔ ہر ایک نامراد بہ دولت ملک شہبال کی اپنے اپنے مقصد اور مراد کو پہنچا۔ بعد اس کے چالیس دن تلک جشن فرمایا۔ اور عیش و عشرت میں رات دن مشغول رہے۔

آخر ملک شہبال نے ہر ایک بادشاہزادے کو تحفے اور سوغاتیں اور مال اسباب دے دے کر اپنے اپنے وطن کو رخصت کیا۔ سب بہ خوشی و خاطر جمعی روانہ ہوئے۔ اور بہ خیر و عافت جا پہنچے۔ اور بادشاہت کرنے لگے۔ مگر ایک بہزاد خاں اور خواجہ زادہ یمن کا اپنی خوشی سے بادشاہ آزاد بخت کی رفاقت میں رہے۔ آخر یمن کے خواجہ زادے کو خانساماں اور بہزاد خاں کو میر بخشی شہزادۂ صاحب اقبال یعنی بختیار کی فوج کا کیا۔ جب تلک جیتے رہے عیش کرتے رہے۔ الہی! جس طرح یہ چاروں درویش اور پانچواں بادشاہ آزاد بخت اپنی مراد کو پہنچے۔ اسی طرح ہر ایک نامراد کا مقصد دلی اپنے کرم اور فضل سے بر لا، بہ طفیلِ پنجتن پاک، دوزادہ امام، چہار دہ معصوم، (علیہم الصلواۃ والسلام) کے۔ آمین یا اللہ العالمین۔

خاتمۂ کتاب میں

جب یہ کتاب فضل الہی سے اختتام کو پہنچی - جی میں آیا کہ اس کا نام بھی ایسا رکھوں کہ اسی میں تاریخ نکلے - جب حساب کیا تو بارہ سو پندرہ ھجری کے آخر سال میں کہنا شروع کیا تھا - باعث عدم فرصت کے بارہ سو سترہ سنہ کی ابتدا میں انجام ہوئی - اس فکر میں تھا کہ دل نے کہا باغ و بہار اچھا نام ھے۔ کہ ہم نام و ہم تاریخ اس میں نکلتی ھے - تب میں نے یہی نام رکھا - جو کوئی اس کو پڑھیگا گویا باغ کی سیر کرے گا - بلکہ باغ کو آفت خزاں کی بھی ھے - اور اس کو نہیں - یہ ہمیشہ سرسبز رھیگا۔

مرتب ہوا جب یہ **باغ و بہار**
تھے سنہ بارہ سو سترہ در شمار

کرو سیر اب اسکی تم رات دن
کہ ھے نام و تاریخ **باغ و بہار**

خزاں کا نہیں اس میں آسیب کچھ
ہمیشہ تر و تازہ ھے یہ بہار

مرے خون دل سے یہ سیراب ھے
اور لخت جگر کے ھیں سب برگ‌وبار

مجھے بھول جاوینگے سب بعدِ مرگ
رھے گا مگر یہ سخن یاد گار

اسے جو پڑھے یاد مجھکو کرے
یہی قاریوں سے مرا ہے قرار

خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف
کہ پھولونمیں پوشیدہ رہتا ہے خار

ہے انساں مرکب ز سہو و خطا
یہ چوکے گا ہر چند ہو ہوشیار

میں اسکے سوا چاہتا کچھ نہیں
یہی ہے دعا میری اے کردگار

تری یاد میں میں رہوں دم بدم
کٹے اس طرح میرا لیل و نہار

نہ پرسش کی سختی ہو مجھپر کبھو
نہ شب گور کی اور نہ روزِ شمار

تو کونین میں لطف پر لطف رکھ
خدایا بحقِ رسول کبار

فرہنگ

ممتاز حسین

فرھنگ

نشانات (ہ) برائے ھندی (اسمیں سنسکرت کے الفاظ شامل ھیں) (ف) برائے فارسی، (ع) برائے عربی، (ت) برائے ترکی

(الف)

الفاظ	ماخذ	معنی
آبدار	ف	پانی گھر یا آبدار خانے کا منتظم۔آبداری ۔آبدار کا عہدہ یا خدمت
آبشورہ	ف	لیمو کا شربت (اَفشُرہ)
آبھَرَن	ہ	زیورات
اُپرالا کرنا	ہ	حمایت کرنا
اُتاول	ہ	جلدی
اُٹاری	ہ	کوٹھا
اُٹھائی گیرا	ہ	آنکھ بچا کر چرانے والا ۔ اچکّا
اُچھلنا	ہ	اُنڈیلنا
اَچھوانی	ف	اجوائین اور سونٹھ کا وہ حریرہ جو زچّے کو دیا جاتا ہے
اَحدی	ف	سپاھی ۔ یہ سپاھی ھندوستان میں سرکش

فرہنگ

معنی	ماخذ	الفاظ
زمینداروں سے روپیہ وصول کرنے کیلئے بھیجے جاتے تھے جہاں جاتے بغیر وصول کئے وہاں سے نہ اٹھتے یہ چونکہ گھر بیٹھے کسی خاص وقت کیلئے تنخواہیں پاتے تھے اسلئے سست ہوگئے تھے مجازاً سست اور کاہل آدمی کو بھی کہتے ہیں		[illegible]
جھوٹا ۔ گھوڑوں کی جھوٹی گھاس۔ بے مصرف چیزیں ۔	ف	آخَور
ہمیشہ سے	ہ	اَدِیِ اَنِت
غالباً ترکی — پلنگ یا چھپر کھٹ کی ایک چادر جو کہ بستر کے نیچے برائے آرائش بچھائی جاتی ہے ۔ اسکے حاشئے تقریباً آدھ آدھ گز کے ، نیچے لٹکے رہتے ہیں۔ ان حاشیوں پرکارچوبی یا کلابتّو کا کام کیا ہوتا ہے		اَدقَچہ
سہارا	ہ	آدَھار
آدھی دمڑی ۔ ادّھی کا کپڑا ۔ ایک قسم کی نفیس ململ—	ہ	اَدّھی
	ع	آزَقہ
قوت لا یموت۔ راتب ۔ کھانا—	ع	آذَوقہ
آرتی اتارنا ۔ ہندؤں کے پوجا پاٹ کی ایک رسم	ہ	آرتی [illegible]
وہ تُرک عورت جو مردانہ لباس میں شاہی [illegible] محلات میں انتظامی کام کیا کرتی—	ف	اُردَابیگنی

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
آرزق	ع	نیلا—
آریب	ہ	آڑا ۔ ترچھا—
اِڑانا	ہ	جوتے کا ایڑی میں ڈالنا—
آسَن	ہ	استھان ۔ نشست
اَصاغِر	ہ	صغیر کی جمع محاورے میں غریب لوگ ۔ (اکابر و اصاغر)
آعیان	ع	شرفا—
آفتابہ	ف	اونچی ٹونٹی کاوہ لوٹا جسپر سرپوش بھی ہوتا ہے۔
اَکال	ہ	قحط—
اَگت	ہ	گیان ۔ (گیان اور اگت سے دریافت کیا)
اَلاق	ت	ایک قسم کی چھوٹی کشتی—
الامر فوق الادب	ع	عربی ضرب المثل ۔ (مہمان) کا حکم رسومات سے بالا ہے—
اَلبتّہ	ع	ضرور—
اَلتمغا	ع	شاھی سند—
اَلڑ بَلڑ	ہ	الر بلر ۔ بیکار باتیں—
اَلشں	ت	امیروں کا پس خوردہ—
اَلَنگ	ہ	جانب ۔ طرف ۔ فصیل ۔ وہ دیوار جو محافظت کیلئے کھڑی کیجائے

الفاظ	ماخذ	معنی
اَلّول کَلّول	ہ	کھیل کود—
اَنّ	ہ	اناج—
آنا کانی دینا	ہ	اغماض سے کام لینا—
اَن بوّل	ہ	گونگا—
اَنچِت	ہ	دفعتاً— انجانے
اِندرَاین	ہ	حنظل
اَنگا	—	دایہ۔ یہ لفظ غالباً ترکی هے۔ ,,دربار اکبری،، میں اتگا ملا لیکن انگا نہیں ملا۔ اُردو لغات میں اسکا تلفظ انگّا لکھا هوا هے
اَنوّٹھا	ہ	انوکھا—
اُوپچی	ت	مسلح سپاهی— پانچوں هتھیار لگائے هوئے سپاهی۔ پہریدار۔ سنتری
اَوسان	ہ	حواس—
اَوسَر	ہ	موقعہ۔ راگوں کاوقت۔ کہاوت۔ اوسر چوّکی ڈومنی گاوے تال بے تال۔ اوسر چُوکنا۔ بے سُرا هونا۔ یہ کہاوت ایسے موقع پر بولتے هیں جبکہ کسی ناخوشگواری کا احساس هوتا هے۔
اُونٹ چڑھے کتا کاٹے	کہاوت	ایسے موقع پر بولتے هیں جبکہ بیٹھے بٹھائے کوئی مصیبت مول لے—
اِیراد	ع	لانا۔ پیش کرنا—

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
آئینہ بندی کرنا	—	شہر کو سجانا اور چراغاں کرنا—
آینچنا	ہ	کھینچنا—

(ب)

الفاظ	ماخذ	معنی
باد کش	ف	پنکھا—
بادِیہ	ف	پیالہ ۔ جنگل ۔ صحرا—
بارِیدار	ف	دربان ۔ چوکبدار—
بازدار	ف	وہ شکاری جو باز سے شکار کھیلتے ہیں ۔ شاہی ملازم جسکے ذمے باز کی تربیت ہوتی
باشا	ف	ایک قسم کا چھوٹا باز—
بال باندھی کَوڑی آڑانا یا مارنا	محاورہ	نشانہ آڑانا ۔ ٹھیک نشانہ مارنا (فرہنگ آصفیہ)
بالا پوش	ف	پلنگ پوش—
باؤ بتاس	ہ	آسیب ۔ سایہ—
بَت کَہاؤ	ہ	فحوائے کلام۔ اندازِ گفتگو—
باؤلی	ہ	وہ کنواں جسمیں اترنے کے لئے سیڑھیاں ہوں—

الفاظ	ماخذ	معنی
بَجَھرا	ہ	ایک خاص قسم کا سرپوش یا ڈھکنا جس سے گھڑوں کو ڈھانکتے ھیں ـــ
بَجرا	ہ	انگریزی میں (Budgerow) ھو گیا ھے ایک متوسط درجے کی گول اور خوشنما کشتی جس میں بیٹھ کر امیر لوگ دریا کی سیر کرتے ھیں
بِچَھلنا	ہ	پھسلنا ـــ
بَدا	ہ	مقرر ـــ مقدر
بدَرَہ	ہ	تھیلی ـــ
بر قنداز	ف	برق انداز ـ توپچی ـــ
بِشیکھ	ہ	مقدر ـ (ان نینوں کا یہی بیسکھ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ)
بَکاول	ف	باورچی ـــ
بَکاولی	ف	کھانا پکانے کا سامان ـ ایک مخصوص قسم کا برتن ـــ
بُن	ف	جڑ ـــ
بَنات	ہ	بانات ـ ایک قسم کا اونی کپڑا ـــ
بَندِش	ف	سازش ـ ترکیب ـــ
بَندوڑ (نون غنہ)	ہ	نہایت ذلیل اور کم رتبے کی کنیز ـــ

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
بَندی خانہ	ف	قید خانہ —
بَندیوان	ف	قیدی —
بِوائی پھٹنا	ہ	سردی سے ہاتھ پیر کا پھٹنا ۔ (جسکی پھٹی نہ ہو بوائی ، کیا جانے پیر برائی—)
بُورانی	ف	ایک قسم کا رایتا ۔ اس میں بیگن کے قتلے تل کر ڈالے جاتے ہیں—
بوزنہ	ف	بوزینہ ۔ بندر —
بُوزہ فروش	ف	مئے فروس—
بوند کی بوند	ہ	معطّر —
بُھچَنپا	ہ	ایک قسم کی آتشبازی —
بَہری	ہ	مادۂ باز—
بِہری	ہ	چندہ—
بَھگَتیا	ہ	بھگت بنانے والا ۔ سوانگ بھرنے والا ۔ وہ لڑکا جو لڑکی کے لباس میں ناچتا ہے—
بَھگنا	ہ	بھائی—
بَہلیا	ہ	شکاری —
بَھنور کلی	ہ	لوہے یاپیتل کا وہ حلقہ یا ترپھلا جسے

الفاظ	ماخذ	معنی
		جانوروں کو نظربد سے بچانے کے لئے پہناتے ہیں
بھَونڈ پیَری	ہ	سبز قدم
بھَوئی	ہ	کَہار ۔ حماّل
بِھیچَک	ہ	ھکاّ بکاّ
بِھیدُو	ہ	بھیدی
بَیتال	ہ	بھوت
بے چوبہ	ہ	وہ خیمہ جس میں ڈنڈے نہ لگے ہوں۔
بِیڑھنا	ہ	بھیڑنا
بِیل	ہ	ایک قسم کا پھل۔ کہاوت۔ بیل پھوٹا رائی رائی ھوگیا۔ پکا بیل پھوٹتے ھی رائی رائی ھوجاتا ھے ایسے موقع پر بولتے ھیں جبکہ نااتفاق سے پھوٹ پڑجائے ۔ (جامع اللغات) ۔
بِیورا	ہ	خبر ۔ حال ۔ مژدہ ۔ بھیدِ ۔ فرق ۔ تفاوت۔

(پ)

پاچھنا	ہ	نشتر لگانا

فرھنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
پاکھر	ہ	گھوڑے کی زرہ یہ برگستواں کی شکل کا ھوتا ھے (آئین اکبری)
پال	ہ	چھوٹا خیمہ
پَت	ہ	عزت ۔ لاج
پَٹیلوں	ہ	پٹیلا کی جمع ۔ ایک قسم کی کشتی چوڑے پیندے کی جسپر تختے بچھا کر بیل اور گاڑی کو پار لگاتے ھیں ۔
پچھل پائی	ہ	چڑیل
پَر پَنچ	ہ	دھوکا دھڑی
پَرداز	ہ	آئینے کا چوکھٹا ۔ سجاوٹ
پَرتَل	ف	سوار کا سامان
پَرچھا	ہ	سفیدۂ صبح ۔ استعارتاً مجمعے کا چھٹنا
پَکھروٹا	ہ	چاندی یا سونے کا ورق
پَلاس	ہ	ایک قسم کا موٹا کپڑا ۔ ٹاٹ
پلشِت	ف	فاحشہ عورت
پَلوار	ہ	ایک قسم کی کشتی جسپر سامان لادا جاتا ھے۔ پلواری ۔ ملّاح
پَلیت	ہ	بھوت

الفاظ	ماخذ	معنی
پَن بَھتّا	ہ	چاول کا ایک میٹھا پکوان جو سلسَلاً ہوتا ہے۔
پَنڈت خانہ	ہ	بندی خانہ ۔ بندی خانہ کی بگڑی ہوئی صورت (جامع اللغات ۔ فرہنگ آصفیہ) ۔
پَنڈھلانا	ہ	پُھسلانا
پِنگھولا (نونِ غنّہ)	ہ	جُھولا
پَن سوئی	ہ	ایک قسم کی چھوٹی کشتی ۔ ڈونگا ۔ ڈونگی یہ لفظ انگریزی (Pinnace) سے ملتا جلتا ہے
پَو پھَٹے	ہ	صبح کے وقت
پھانکڑا	ہ	مسُٹنڈا ۔ مفت خور
پَھڑ	ہ	قمار خانہ ــ جہاں جوا کھیلا جائے
پُھساہندا، پُھسَہنڈا، پُھسانڈا	ہ	گندہ ۔ متعفّن ۔(نوراللغات، جامع اللغات، فرہنگ آصفیہ)
پُھونہار	ہ	پھوہار ۔ پھونہی
پِھیپھڑی	ہ	پپڑی ۔ منہ میں پھیپھڑی بندھنا ۔ ہونٹھوں کا خشک ہونا ۔ پیاس، خشکی ، یا کمزوری سے
پِھینچنا	ہ	بھینچنا
پیکان	ف	تیر کا سِرا

فرھنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
		(ت)
تاش	ہ	سونے کے تار سے بُنا ھوا کپڑا ۔ اطلس
تالیقہ	ع	فہرست
تَتّا	ہ	گرم (کسی بِرتے (فوت) پر تَتّا پانی ۔)
تَتری	ہ	فاحشہ عورت
تَحاشی	ع	خوفزدہ ۔ تحاشا ۔ خوف
تَصدیع	ع	تکلیف
تقیّد	ع	تاکید ۔ حکم
تکّش	ف	ترکش
تکینی	ہ	چھوٹا تکیہ ۔ (تکیہ، تکینی ۔ گل تکیہ)
تل	ع	ٹیلا
تلپّھنا	ہ	تڑپنا
تامی		ایک قسم کا ریشمی کپڑا
تنکی	ف	جھلی ھوئی روٹی
تورہ	ہ	وہ کشتی جسمیں سامان رکھکر کسی کی خدمت میں حاضر کرتے ھیں
تور	ہ	وہ جالی جو گہوارے یا میانے پر ڈالی جاتی ہے

الفاظ	ماخذ	معنی
تُوڑا	ہ	ایک ہزار روپیہ کی تھیلی
پِیکھنے کا کھیل	ہ	پتلیوں کا تماشا۔ پیکھنیا ۔ پتلیوں کا تماشا کرنے والا پیکھنا ۔ تماشا کرنا
تَـہ پوشی	—	عورتوں کا ،، انڈر ویر ،،
تَھل بِیڑا	ہ	مقصد براری کا ذریعہ ۔(تھل کے معنی میدان کے ہیں)— اس جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں کشتی لگائی جاتی ہے ۔ بندرگاہ
تِیہا	ہ	غصہ

(ٹ)

الفاظ	ماخذ	معنی
ٹَسَک	ہ	ٹھسک
ٹُنڈِیاں کسنا	ہ	ہاتھ پیچھے لیجا کر باندھنا
ٹَنگیانا	ہ	گھوڑے کو ایڑ دینا
ٹھاٹ	ہ	ڈھانچہ
ٹَھٹھ	ہ	بھیڑ
ٹَہل	ہ	روز گار
ٹَھور	ہ	جگہ
ٹِھیپ	ہ	وہ انگیٹھی جو ٹھکرے سے بنالی جاتی ہے

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
ٹِینٹ ۔ ٹینٹی	•	کَرَیل کا پھل

(ث)

ثابِت خانی	ف	مُسلّح سپاهی ۔ (جنہیں ثابت خاں نے بھرتی کیا تھا ۔ جامع اللغات)
ثانی الحال	ع	بار دیگر

(ج)

جاجَم	•	وہ چھَپی ہوئی چادر جو دری پر بچھائی جاتی ہے
جام	•	پہر ۔ اٹھوں جام
جامدانی	ف	کڑھا ہوا کپڑا
جُوھی ، جاھی	•	ایک قسم کی آتشبازی
جائی	•	بیٹی ۔ جایا ۔ بیٹا
جُرہ	ف	چھوٹا باز
جَس	•	شہرت
جوگا	•	مناسب ۔لائق ۔ (تم اپنے جوگا کام کرو)
جُوگنی	•	قسمت جگانے والی دیوی

الفاظ	ماخذ	معنی
جَونرے بھَونرے	ہ	تہ خانہ
جھلا بور	ہ	جواھرات سے جھلملاتا ھوا لباس ۔
جِھلَم	ہ	زنجیر کی وہ نقاب جو خود سے لٹکتی رھتی ہے ٹوپ جھلم کا ۔ وہ — ٹوپ جس میں جھا لگا ھوا ھو
جَھمک	ہ	چمک

(چ)

الفاظ	ماخذ	معنی
چار قَب	ف	صدری ۔ واسکٹ ۔ (چارقَب موتیوں کی ۔ موسوں سے مزین چارقب)
چار آئینہ	—	ایک قسم کی زرہ جسکے چار تختے مخمل وغیرہ سے مڑھکر سینے پیٹھ اور دونوں بازوؤں پر لگاتے تھے
چاؤ چوز	ہ	لاڈ پیار
چِپلاّ	ہ	شریر
چُپکَن	ہ	ایک قسم کی قبا ۔ سینہ کشادہ بالابر کا انگرکھا ۔ آستین لٹکتی رھتی گریبان نہ ھوتا
چِت	ہ	دھیان ۔ حافظہ

الفاظ	ماخذ	معنی
چَٹا بٹاّ	ہ	چھوٹے بچوں کا ایک کھلونا جس میں چُسنی اور لٹو پڑے ہوتے ہیں
چُٹلی ۔ چُٹلا	ہ	وہ فیتہ یا دھاگا جس سے چوٹا پچھلی طرف باندھا جاتا ہے ۔ مُباف (موباف)
چَرتّر	ہ	چلتر۔ اطوار۔ عورت کی چالاکی ۔ چَھل —
چَرغ	ف	ایک قسم کا باز
چَڑھواں جوتا	ہ	اٹھی ایڑی کا جوتا —
چَقا چاق	ت	چاقو چلنے کی آواز —
چَکار	ہ	یہ چور کا تابع مہمل نہیں بلکہ چورکا مترادف ہے ۔ چکار کے معنی چور کے ھیں ۔ چنانچہ چوری چکاری بھی بولتے ھیں —
چَکمک	ہ	چقماق
چِلّاّ	ہ	کمان کے تانت کا وہ حصہ جس سے تیر جوڑا جاتا ہے ۔ چلاّ کھینچنا ۔ عمل تسخیر کرنا
چَمّل۔چملا	ہ	بھیک مانگنے کا کاسہ
چَنگیر۔ چنگیری	ہ	ایک قسم کا گلدان۔ ایک گول سی تشتری جس میں پھول رکھتے تھے—
چُوبک	ف	چوب کا اسم تصغیر۔ ڈھول بجانے کی لکڑی—
چَوپڑ	ہ	چوسر ۔ چوسر کی بساط —

الفاظ	ماخذ	معنی
چوڈول	•	ڈولے کی ایک قسم ۔ غالباً چار کہاروں کے اٹھانے کی نسبت سے چوڈل کہتے ہیں ۔
چوجگی	•	چاروں جگوں کا ۔ بہت قدیم
چوکی (خانہ)	•	وہ مکان محل کے اندر جہاں بادشاہ کے درباری اپنی اپنی حاضر باشی پر حاضر رہتے
چوگھرا	•	ایک برتن جسمیں چارخانے بنے ہوتے تھے ۔ کھلوریاں، سپاریاں اور لونگ الائچی رکھنے کے لئے
چوگوشہ	ف	کشتی سامان اٹھانے کی ۔
چھول	•	سر چھول ۔ سر منڈا ہوا ۔ چھولنا ۔ مونڈنا
چھاپ	•	مہر
چھار	•	راکھ
چھب تختی	•	گات اور جسم کا تناسب۔ چھب تختی سے درست ہونا ۔ ڈیل ڈول سے درست ہونا چھب کے معنی ناز و ادا کے بھی ہیں۔ تختی غالباً تقطیع کی ہندوی صورت ہے
چھڑیاں	•	شاہ مدار کے عرس کا جلوس جسمیں جھنڈیاں لے کے لوگ اجمیر شریف جاتے تھے
چھاگل	•	مشکیزہ

معنی	ماخذ	الفاظ
وہ مسہری جسپر پردا پڑا ہوا ہو	ہ	چَھپر کھَٹ
شوخ رنگ کا	ہ	چُھچّھا
دَھول ۔ تھپڑ	ہ	چَھکڑ
اوجھل ہو جانا	ہ	چِھلاوا ہو جانا
پوتڑے دھونے والی دایہ	ہ	چُھو چھُو

(ح)

معنی	ماخذ	الفاظ
دربان	ع	حاجِب
کھانا	—	حاضری
اَجِنّا کو بلانا	—	حاضرات کرنا
(بلُبلا) شیشہ شراب رکھنے کا جو حباب کی شکل کا ہوتا تھا ۔	ف	حَباب

(خ)

معنی	ماخذ	الفاظ
تلا ہوا انڈا ۔	ف	خاگینہ
ایسا مارنا کہ بند بند ٹوٹ جائیں	—	خُرد خام کرنا

الفاظ	ماخذ	معنی
خریطہ	ع	تھیلی ۔ شاہی فرمان کی تھیلی ۔
خلط	ع	سودا ، صفرا ، بلغم ، خون ۔ ان چاروں رطوبتوں میں سے ہرایک خلط کہلاتی ہے
خورجی	ف	نہیلا
خوزادی	ف	نیچرل ۔ جیسا فطرت سے پیدا ہو۔بغیر بناوسنگار کے
خوگیر	ف	گھوڑے کی وہ گدی جو کاٹھی کے نیچے رکھی جاتی ہے۔ سامان لادنے کی زین ۔ اس میں الم غلم بھر دیا کرتے تھے۔
خمیں	ف	جمع خم کی ۔ گھڑے ۔ مٹکے

(د)

الفاظ	ماخذ	معنی
دھار مارنا	ہ	پیشاب کرنا ۔ دھارپرمارنا ۔ اظہار تحقیر ۔
داؤدی	۔	زرۂ داؤدی وہ زرہ جو کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے منسوب کی جاتی ہے ۔ آپ اکل حلال کے لئے زرہ بنایا کرتے تھے ۔ اس کام میں اللہ تعالی نے انہیں یہ معجزہ دیا تھا کہ لوہا ان کی انگلیوں میں موم ہو جاتاتھا ۔ گل داؤدی ایک قسم کا پھول۔ انار داؤدی ۔ ایک قسم کی آتشبازی

فرهنگ

معنی	ماخذ	الفاظ
موتیوں کی گوٹ یا جھالر	—	دُردامن
چاندی کا ایک سکہ چونّی کے برابر	ع	دِرم
مشاہرہ ۔ ماہانہ	ف	دَرماہا
سفر کرنا ۔ دِسا بمعنی طرف	ہ	دِسا کرنا
وہ نوٹ بک جسے ساتھ رکھا جائے	ف	دَستکی
گرفتار کرنا ۔ہندی محاورہ —		دَستگیر کرنا
ہمت کرنا ۔ (دل چلا کر کہا۔)	ہ	دِل چلانا
وہ چھوٹا سا تکیرا جو پلنگ یا چھپر کھٹ ۔ سامنے لگایا جاتا تھا —	ف	دَلدا پیشگیر
بٹوا ۔ تھیلی۔ یہ لفظ غالباً دلمہ سے بنا ہے۔ جب بیگن یا کریلے کو اندر سے خالی کر ۔ اس میں قیمہ وغیرہ بھرتے ہیں تو اسے دُلمہ کہتے ہیں۔ دُلمہ ترکی لفظ ہے	ہ	دُلمیاں
پیسے میں چار ہوتی تھی	ہ	دَمڑی
بہت دنوں کا	ہ	دِنی
شور و غل	ہ	دَند
حاملہ	ہ	دُوجی
آرپار	ہ	دُوسار

فرھنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
ھاپ	ہ	وہ فاصلہ جہاں تک آدمی ایک سانس میں دوڑ سکے
ھرا	ہ	مندر
ھراھَر	ہ	خلوتِ خاص
ھیز	ہ	جہیز۔ دان دھیز
یدارو	ہ	قبول صورت۔ رو قابل دیدار
یوارگیری	ف	وہ کپڑا جو دیواروں میں خوبصورتی کے لئے لگایا جاتا ہے۔
یوار گیر		وہ لیمپ جو دیوار میں لگایا جائے
ین لین		جُوا

(ڈ)

یانا	ہ	لگام پکڑ کر جانوروں کو ٹہلانا
نا	ہ	ڈگمگانا
ا۔	ہ	مجازاً لٹھ بند ملازم۔(کوتوال کے ڈنڈ ے)
کنا	ہ	گھسنا

الفاظ	ماخذ	معنی
ڈھلیت	ہ	فوجی جو ڈھال تلوار سے مسلح ہو۔ چوکیدار پولیس کا سپاھی۔

(ر)

الفاظ	ماخذ	معنی
راؤرا	ہ	ضمیر مخاطب ۔ ھندی میں آپ کا مترادف ہے
راہ دار	ف	شہر کی چوکی پر چنگی لینے والا
ردوّ بدل	ع	بحث و مباحثہ
رطل	ع	وزن بارہ آؤنس کے برابر
رطوبات	ع	ترکاری
رمق	ع	دم واپسیں
رو واس	ہ	رونے کا میلان
روبکار ہونا	ع	واقع ھونا
روپا	ف	چاندی
روکڑ	ہ	نقد روپیہ
روّنا	ہ	ڈیوڑھی کا وہ ملازم جو کہ عورتوں کا کام کاج کیا کرتا ھے

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
رُوہٹ	ہ	چہرے کی رونق
رِیندھنا	ہ	پکانا
رِیوڑی کا پھیر	ہ	ریوڑی کھانے کا ایک کھیل ـ ایک عدد مقرر کرکے اسے ضرب دیتے چلے جاتے تھے ـ اسطرح آدمی ریوڑی کھاتے کھاتے اکتا جایا کرتا اس سے ریوڑی کے پھیر میں آنا محاورہ بنا ـ مراد زیادہ تعداد سے ہے

(ز)

الفاظ	ماخذ	معنی
زار بزار	ف	زار و زار
زَرگر	ف	سُنار
زَغَند	ع	جَست ـ چوکڑی
زَنبور		چمٹا
زِہ	ف	(۱) دردِ زہ ـ (۲) کمان کی زہ ـ تانت
زِیر انداز	ف	وہ غالیچہ جو ہاتھ منہ دھونے کے وقت رؤسا کے سامنے بچھایا جاتا اور آفتابہ، سلفچی رکھا جاتا
زیرباد	-	مُلک برما

الفاظ	ماخذ	معنی
(س)		
ساقِ عروس	—	ایک قسم کی میٹھی روٹی
سامی	ع	اعلا
سبھ	ہ	سعد
ستوہ	ف	تکلیف
سدھ بدھ	ہ	ہوش اور عقل
سرآندیپ	ہ	ملک لنکا
سرا پردہ	ف	پردہ ۔ خیمہ
سراچہ	ف	خیمہ
سر براہ	ف	منتظم
سر پیچ	ف	پگڑی کے اوپر ایک چھوٹا ٹکڑا ۔ پگڑی کا ایک زیور ۔ سر پیچ کی طرح گوش پیچ بھی ہوا کرتا تھا
سرت	ہ	ہوش
سردوال	ف	چمڑے کی وہ پٹی جسے گھوڑے کے منھ پر چڑھاتے ہیں ۔ لگام اسی سے اٹکی رہتی ہے
سر زمین	ف	سرحد ۔ سلطنت

الفاظ	ماخذ	معنی
سَرواہ	ہ	سرواہا ۔ پگڑی ۔ سر سے سرواہ ۔ سر سے سرداری
سِرے پاؤ	ہ	سروپا ۔ خلعت
سَر غلاف		خنجر ۔ پیش قبض ۔
سُکھپال	ہ	ایک قسم کی پالکی
سِکھ	ہ	(بالکسر) مانگ۔ (نَکھ (ناخن) سِکھ سے درست ہونا) اردو میں عام طور سے نک سک بولتے ہیں
سَلاح	ع	اسلحہ
سِلَفچی ۔ سلپچی	ف	وہ برتن جس میں ہاتھ دھویا جاتا ہے
سَلَونا	ہ	نمکین
سَہائی	ہ	برداشت
سَہائی	ہ	مددگار
سِنجاف	ف	فارسی ۔ (سجاف) گوٹ ۔ ایک کم عرض کا کپڑا جسکی گوٹ بناتے ہیں
سُوفار	ف	تیر کا سرا ۔ پیکان
سَموچا	ہ	سالم ، پورا
سَہج	ہ	آسان
سیتل پاٹی	ہ	چٹائی
سِیانا	ہ	جھاڑ پھونک کرنے والا

الفاظ	ماخذ	معنی
سِیس	ہ	سَر
سَیلی	ہ	وہ دھاگہ جو فقرا گلے میں پہنتے ھیں —
سِیوڑا	ہ	جینی فقیر۔ جو کپڑا منھ پر اَھنسا کی خاطر لٹکائے رکھتا ھے —

(ش)

الفاظ	ماخذ	معنی
شاطر	ع	خبر لانے والا ۔ جاسوس ۔ مجازاً ۔ چالاک
شال باف	—	سرخ ریشمی کپڑا
شَبنم	—	باریک قسم کا ململ
شَتاّ	ع	شطاّح ۔ بیسوا۔
شَتَر	ہ	دشمن ۔ مِتر شتُر (دوست دشمن)
شَطرنجی	ع	ایک قسم کی دری جسپر خانے بنے رھتے ھیں
شُقّہ	ع	حُکم نامہ ۔ خط
شَلاق	ع	چھڑی سے مارنا ۔ ضربِ شلاق لگانا
شَلَک	ہ	توپوں یا بندوقوں کی باڑ۔
شہر یاری	ف	حکومت ۔ شہریار ۔ بادشاہ

الفاظ	ماخذ	معنی
(ص)		
صَندلی	ع	کرسی۔چوکی۔ایک خاص قسم کی اونچی تپائی جو مخروطی شکل کی ہوتی ھے
صُبح خیزا	ف	صبح خیزیا۔وہ اچکّا جو لوگوں کے اٹھنے سے پہلے علی‌الصباح چھوٹی موٹی چیز اٹھا لجائے
صافی نامہ	ف	خلاصی نامہ۔فارغ خطی
(ط)		
طباشیر۔تباشیر	ع	بنسلوچن۔ ایک میٹھی دوا جو بانس سے برآمد کی جاتی ھے
طویلہ	ع	گھوڑے کی پچھاڑی۔مجازاً اصطبل
(ع)		
عاَلمیان	ع	عالم کے لوگ
عِشق مُشک		محبت کی ملاقاتیں
عصَا بردار	ف	وہ شاھی محافظ جو ھاتھ میں عصا لیکر دربار میں حاضر رھتا تھا۔چوبدار

الفاظ	ماخذ	معنیٰ
عُمدہ	ع	رئیسِ معتبر
عُود سوز	ف	وہ برتن جسمیں عود جلایا جائے

(غ)

غَٹ	ہ	ہجوم ۔ جتّھا ۔ غول —
غُراب	ع	ایک قسم کا جہاز —
غَیبانی	ع	فاحشہ عورت

(ف)

فانوسِ خیال	ف	وہ فانوس جسکے اندر ہاتھی گھوڑے وغیرہ کا چکر بنا کر لگا دیتے ہیں اوروہ ہوا یا چراغ کے دھوئیں سے گردش کر کے بچوں کو بادشاہ کی سواری کا لطف دکھاتا ہے ۔ (فرہنگ آصفیہ)
فَندق	ف	سرخ رنگ کا ایک چھوٹا سا پھل

(ق)

قبچاق		ایک ریگستان کا نام ۔

فرهنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
قَراول	ع	اسکے کئی معنی ھیں۔ قراول دسته ۔ وہ دسته جو آگے چلتا ھے ۔ قراول پادشاھی ۔ بادشاہ کی محافظت کا دسته ۔ قراول ۔ بندوق کا شکاری جسے اردو میں قروَل کہتے ھیں ۔ قراول شکار کھلانے والے کو بھی کہتے ھیں —بہلیا
قُربان	ع	ترکش کا وہ تسمه جس میں کمان کے رکھنے کا خانه بنا هوتا ھے
قلب مکان	—	مضبوط قلعه ۔ ناقابل تسخیر قلعه (ڈنکن) قلب ۔ ھرات کے قلعے کا ایک بُرج۔ (جامع اللغات)
قِلماقنی	ت	قلماں ۔ ترکوں کی ایک قوم ۔ اس قوم کی عورت ۔ وہ عورت جو سپاھیوں کیطرح مسلح شاھی محلات میں چوکی پہرے کا کام کرتی تھی ۔ یہ برھنه تلوار لئے کھڑی رھتی —
قُورچی	ت	ھتھیار بند سپاھی

(ک)

الفاظ	ماخذ	معنی
کاجا	•	کاج - کارو بار ۔ کام کاج
کال	•	وقت ۔ موت ۔ قسمت

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
کامنی	ہ	خوبصورت
کاھلہ	ع	بیمار
کچکول	ف	کشکول ۔ بھیک مانگنے کا کاسہ
کرچھال	ہ	چوکڑی
کریال	ہ	آرام ۔ پرندے کا بے فکری میں اپنے پروں کو چونچ سے سنوارانا ۔ کریال میں غلیلا لگنا ۔ آرام میں خلل پڑنا
کستورا	ہ	سیب ۔ مشک نافہ۔ وہ ہرن جسکے ناف سے مشک نافہ نکلتا ہے ۔
کفِ دست	ہ	ہموار
کلال	ہ	کمہار
کلاونت	ہ	پیشہ ور گانے والا ۔ گویا
کلجھواں	ہ	سیاہ پڑ جانا
کنچنی	ہ	ناچنے والی
کندلا	ہ	خیمہ
کنشت	ہ	کلیسا ۔ مندر
کنولا	ہ	ایک قسم کی نارنگی
کوت	ہ	تخمینہ

الفاظ	ماخذ	معنی
کوٹ	ہ	کوٹ باندھ کر بیٹھنا ۔ پلتھی مار کر بیٹھنا کوٹ ۔ حلقہ ۔ قلعہ ۔
کوڑ	ہ	بے وقوف
کوکا	ہ	دودھ شریک بھائی ۔
کوکو پلاؤ	ہ	وہ پلاؤ جس میں کباب یا انڈے ڈالے جاتے ہیں
کہاسا	ہ	کہر
کھپرا	ہ	چوڑے پھل کا تبر۔
کھترا	ہ	گوشہ۔ کونا کھترا ۔میرامن کے یہاں کونا کٹھرا ہے ۔ (کٹھرا ۔ لکڑی کا بڑا اور چوڑا ظرف ۔ چھوٹا بازار ۔ محلہ ۔)
کھڑوا	ہ	بچوں کے ہاتھ پاؤں کا زیور
کھلوری	ہ	سونف اور گری وغیرہ جسے کھانا کھانے کے بعد دانت صاف کرنے کے لئے کھاتے ہیں ۔
کھنڈی	ہ	ایک جنگل کا نام ۔ بن کھنڈی
کھیسا	ہ	کیسہ
کھیلنا	ہ	ایک قسم کی کشتی (ڈنکن فاربس) ۔یہ لفظ اردو کی کسی لغت میں نہیں ملا
کھیل	ہ	خشک دانہ

الفاظ	ماخذ	معنی
کیتکی	ہ	ایک خشبو دار پودا ۔ جسکا پھول انڈے کی شکل کا ھوتا ھے اور درخت کیوڑے کے درخت سے مشابہ ھوتا ھے اسکا رنگ سفید زردی مائل ھوتا ھے
کیفی		دیوانہ ۔ مدھوش
کَول یا کولی	ہ	بغل ۔ دونوں ھاتھوں سے بغل میں لینا۔
(گ)		
گاؤ دیدہ		ایک قسم کی روٹی جو شکل میں گائے کی آنکھ کے مانند ھوتی تھی (فرہنگ آصفیہ)
گاؤ زبان	ف	ایک قسم کا پراٹھا جسے تنور میں پکایا جاتا ھے
گُپت	ہ	پوشیدہ
گجموتی	ہ	عمدہ قسم کا موتی ۔ بڑے بڑے موتی
گُزری	ف	وہ بازار جو شام کو رھگزر پر لگایا جاتا تھا
گِردا	ف	گول تنوری روٹی
گُرگا	ہ	ادنا غلام ۔ شاگرد پیشہ ۔ شریر ۔ شیطان
گزربان	ف	شہر سے باھر جانے والے راستوں کے پہریدار

فرھنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
گُزوبردار	ف	یہ لفظ اردو یا فارسی کی کسی بھی لغت میں نہیں ملا ۔ ممکن ہے کہ یہ گُرزبردار ہو صرف ڈنکن نے اسکے معنی لکھے ہیں وہ اسے ایک قسم کا ملازم بتاتے ہیں ۔
گُلابی	ف	شیشہ ۔ صراحی
گُل گلاب	ف	ایک قسم کی شراب
گُلبدن	ف	ایک قسم کا رشمی کپڑا ۔ نازک بدن
گَمت	ہ	ساتھ ۔ سنگھ
گَنجیا	ہ	گاڑی بان
گولی	ہ	مٹکا ۔ یہ زرا لمبوترا ہوتا ہے
گَوٗن	ہ	بوری ۔ کہاوت ۔ بیل نہ کودا کودے گوٗن یہ تماشا دیکھے کون۔ اس موقع پر بولتے ہیں جبکہ کوئی شخص خلاف توقع کوئی کام کرتا ہے۔ یا دخل در معقولات کرتا ہے ۔ یا الٹی شکایت کرتا ہے۔
گھالنا	ہ	تباہ و برباد کرنا۔
گھمَنڈ آنا	ہ	گِھر آنا بادل کا
گھماگھم	ہ	چَہل پہَل ۔ (گھما گھمی اور گہا گہمی دونوں صحیح ہیں)

الفاظ	ماخذ	معنی
گَھموری	- ہ	نیز دھوب

(ل)

لَپ	ہ	انجلی بھر
لَٹک	ہ	ناز و ادا
لَخلخا		چند خوسبو داز چیزوں کا مجموعہ (عنبر مسک عود وغیرہ) جسے مریض کو سنگھاتے ہیں اس ظرف کو بھی کہتے ہیں جس میں یہ خوسبو جلائی جائے۔
اَڑھنا		لڑھکنا
لَنبوت	ہ	ایک قسم کی لمبی کشتی - غالباً (Long Boat) کی بگڑی ہوئی صورت ہے
لَچکا	ہ	سیر و تفریح کی کشتی
لَوبھ	ہ	حرص
لَوز	ع	بادام - لوزیات - بادام کا حلوہ
لَنگری	ہ	تغاری - لگن
لَہر	ہ	لہریا - گوٹے اور لچکے وغیرہ کی وہ لہردار ٹنکائی جو دوپٹے پر کیجاتی ہے

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی
		(م)
ماسی پینا	ہ	حمایت کرنا
مٹی ڈالنا	ہ	چھپانا
مَحلی	ف	خواجہ سرا
مُحصِل	ع	تحصیل وصول کرنے والا۔ لگان وصول کرنے والا
مَحمودی	ع	ایک قسم کا ململ
مَخطوب	ع	منگیتر۔ منسوب
مُرچھانا	ہ	غش ہونا
مِرگ چھالا	ہ	ہرن کی کھال۔ مِرگ کے معنی ہرن کے ہیں
مَسہری	ع	مچھر دانی
مُشقاب	ع	وہ چھچھلا قاب جسمیں پلاؤ رکھکر لایاجاتا ہے
مُشرِف	ع	میرمنشی۔ محررِمال۔ نگراں اسکے فرائض میں جانوروں کا شمار، خرچ کی نگہداشت اخراج کی برآورد تیار کرنا۔ یہ افسر امرا کے گروہ سے منتخب ہوتا (آئین اکبری)
مُعلِّم	ع	جہاز رانی کا معلم - (Pilot)
مُغرّق	ع	سونے یا چاندی کا کام کیا ہوا

الفاظ	ماخذ	معنی
مُقیش	ت	سونے یا چاندی کے تار ۔ اسکا تلفظ مُقیش بھی ہے۔ ترکی میں مقیس ہے۔
مَل	ف	شراب
مَلاگیر	ہ	ملاگر پہاڑ کا صندل ۔ صندل کی ایک قسم ملاگیری رنگ۔ صندلی رنگ۔ سفیدمائل بہ سرخ
مَلین	ہ	غمگین
مَملوک	ع	زرخرید غلام
مِندیل	ع	سر کا رومال یا پگڑی
مَنڈَل	ہ	حلقہ
مَنڈھپ	ہ	مندر
مَنگل کوٹی		ایک قسم کا قالین جو منگل کوٹ سے بنکر آتا تھا۔
مور پنکھی	ہ	ایک قسم کی کشتی جسکے سامنے مور کی شکل بنی ہوتی ہے
مَونی	ہ	وہ فقیر جو چپ سادھے ہو
مَہت	ہ	مان مہت ۔ عزت و احترام
مَہتابی	ہ	ایک قسم کی آتشبازی ۔(چھایا ہوا وہ چبوترہ جہاں چاندنی کے نظارہ کیلئے بیٹھا جائے)

الفاظ	ماخذ	معنی
مُہورَت	ہ	سعد گھڑی
مِیانجی	ف	درمیانی آدمی۔ مفاہمت یامعاملہ کرانےوالاآدمی
مِیانہ	ف	ایک قسم کی زنانی سواری جو ڈھکی رہتی ہے ۔ محافہ ۔ ڈولا
مِتیا	ہ	پیالا ۔ کاسہ
مَیمُون		بندر
میوڑا		میؤ قوم کا ۔ وہ ملازم جو کہ میواتی ہوتا تھا اسے حقارت سے میوڑا کہتے تھے

(ن)

نافَرمانی	ف	نافرمان پھول کے رنگ کا ۔ اودے رنگ کا
نامچہ	ف	چھوٹی بیاض ۔ روز نامچہ ۔ ڈائری
نِپَٹ		بہت ۔ خوب
نٹ کَھٹ	ہ	چھل ۔ شوخی ۔ ہٹ دھرمی
نِجھانا	ہ	غور کرنا (نجھا کر دیکھنا)
نِدان		آخرکار
نَسقَچی	ت	شاہی محافظ

الفاظ	ماخذ	معنی
نَعلبندی	ف	خراج
نَکھ	ہ	ناض ۔ (نَکھ سِکھ سے درست)
نِکھٹّو	ہ	وہ شخص جو کچھ نہ کمائے ۔ ناکارا ۔ نکمّا ۔
نَمِشَ		یہ دودھ کے جھاگ سے بنائی جاتی ھے۔ اسکا ایک نام دلی میں دولت کی چاٹ بھی ھے
نِواڑا	ہ	ایک قسم کی کشتی جسے رؤسا سیر و تفریح کیلئے استعمال کرتے ھیں
نُورباقی	ف	ایک قسم کا عمدہ کپڑا
نَول	ہ	کرایہ
نِیمہ	ف	ایک قسم کا چھوٹا لباس ۔ جسے کرتے کے نیچے پہنتے تھے ۔ نیمہ آستین ۔ آدھی آستین کی جیکٹ کو کہتے ھیں اسے انگرکھے کے اوپر پہنتے تھے
نِیھ	ہ	محبت

(و)

الفاظ	ماخذ	معنی
واتیں	ہ	اسکے ساتھ

الفاظ	ماخذ	معنی
ورق الخیال		حشیش ۔ بھنگ
وینچھنا	ہ	کھال اُدھڑوانا

(ہ)

الفاظ	ماخذ	معنی
ہرج مرج	ہ	پریشانی
ہرنا	ہ	زین کا وہ پچھلا حصہ جو اٹھا ہوا ہوتا ہے۔ کاٹھی۔
ہریسا	ہ	گیہوں کو ابال کر کوٹ کر جو کھچڑا پکایا جاتا ہے۔ اس میں گوشت سالم رہتا ہے۔ حلیم میں گلا دیا جاتا ہے۔ اس میں گوشت گیہوں اور دال کے مقدار سے دگنا چھوڑا جاتا ۔ (آئین اکبری)
ہزاری بزاری	ف	خاص و عام
ہمیانی	ف	روپیئے کی وہ تھیلی جسے کمر میں باندھتے تھے
ہنکارنا	ہ	آواز سے بھگانا۔ سنکارنا۔ ہنکارا بھرنا۔ ہامی بھرنا ہوں ہاں کہنا
ہیاؤ	ہ	ہمت

فرہنگ

الفاظ	ماخذ	معنی

(ی)

یساول	ف	یساور ۔ گھڑ سوار محافظ
یتیم	ع	نوکر ۔ غلام ۔ یتیم بے کس

اختتامیہ

ان چند سطروں کی زحمت میں آپ کو ان چند ضروری باتوں کے لئے دے رہا ہوں جو مقدمے میں کہنے سے رہ گئی ہیں۔

اس کتاب میں بجز ایک لفظ ''نفس'' کے کہ وہ عربی زبان کے مطابق ''ص'' سے لکھا ہوا تھا اور ہم نے ''س'' سے بدل دیا ہے املا کے معاملے میں ہر جگہ پیروی اصل کتاب ہی کی گئی ہے۔ مثلاً ادنا، اعلا، معلا۔ آپ کو دونوں طرح سے لکھا ہوا ملے گا ایک تو مذکورہ صورت میں جو اردو زبان کے قواعد کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے اور دوسرے '' ادنیٰ، اعلیٰ، معلّیٰ'' کی صورت میں جو زیادہ رائج ہے۔ اسی طرح آپ 'نپش' کو کہیں 'ط' سے تو کہیں 'ت' سے لکھا ہوا پائیں گے۔ میرے خیال میں 'ت' ہی سے لکھنا صحیح ہے کیونکہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور متقدمین میں سے بھی اکثر لوگ 'ت' سے لکھتے رہے ہیں۔ اسکے علاوہ بہت سے الفاظ آپ کو اس طرح لکھے ہوئے ملینگے جیسے اس زمانے میں وہ لوگ بولتے تھے۔ مثلاً پانچسو کو پان سے، ماں کو ما، کنویں کو، کوئے، مذاق کو مزاخ (اگر یہ لفظ واقعی مذاق سے بنا ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مزاح سے مزاخ ہو گیا ہے)۔ اور جمعرات کو جمبرات۔ ہاں ایک لفظ کا املا محل نظر یقیناً ہے۔ ھامی بھرنا عام طور سے ہائے حطی سے لکھا جاتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہندی لفظ ہے، لیکن ہم نے اسے اسی طرح رہنے دیا ہے۔

اس کتاب میں آپکو صرف دو الفاظ ایسے ملیں گے، جو اصل کتاب کی پیروی محض میں نقل کئے گئے ہیں ورنہ ان کی صحت کے بارے میں سخت اشتباہ ہے۔ ایک ,, گذر بردار،، کہ ڈنکن نے اسے نہ صرف اپنے دوسرے اور چوتھے ایڈیشنوں میں برقرار رکھا ہے بلکہ دونوں ایڈیشنوں کی فرہنگ میں اس کے معنی بھی دے رکھے ہیں (تفصیل کے لئے اس کتاب کی فرہنگ ملاحظہ کیجئے)۔ یہ لفظ بہت سے نسخوں میں ,, گرز برداز،، لکھا ہوا ہے کہ وہی صحیح معلوم ہوتا ہے انہیں میں سے ایک نسخہ لفٹیننٹ کرنل رینکنگ کا تالیف کیا ہوا ہے جو فورٹ ولیم کالج کے بورڈ آف اکزامینرس کے سکریٹری تھے۔ ان کے تالیف کئے ہوئے نسخے کے تیسرے ایڈیشن میں جو اتفاقاً موجود ہے ,گرز بردار, ہی لکھا ہوا ہے۔ دوسرا لفظ کونا ,, کٹھرا،، ہے۔ میرے خیال میں یہ بھی درست نہیں ہے لیکن چونکہ ڈنکن نے اسے بھی اپنے دوسرے اور چوتھے ایڈیشنوں میں برقرار رکھا ہے اس لئے اس کو بھی ویسا ہی رہنے دیا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کونا کھترا یا کترا یا کتھرا ہے کہ کھترا یا کسرا یا کنھرا کونے کا مرادف ہے اور مترادفات ہی کے ساتھ اس طرح کے روز مرہ بنتے رہے ہیں۔ اور اسی طرح لوگوں کو بولتے سنا ہے چنانچہ رینکنگ کے تالیف کئے ہوئے نسخے میں اسے کونا کترا ہی لکھا گیا ہے۔ اسکے علاوہ بہت سے ہندوستانی ایڈیشنوں میں بھی یا توکھترا ہے یا پھر کتھرا ہے۔ ایک جگہ میر امن کا ایک مصرعہ غیر موزوں ہے ع ,,اور لخت جگر کے ہیں، سب برگ و بار—،، چونکہ یہ مصرعہ تمام نسخوں میں یکساں طور پر اسی طرح لکھا ہوا ہے اس نے اسے بھی اسیطرح رہنے دیا گیا ہے—

اب مزید اس کتاب کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا، لیکن اس موقع سے فایدہ اٹھاتے ہوئے مجھے چند احباب اور بزرگوں کا شکریہ ضرور

ادا کرنا ھے۔ سب سے پہلے تو جمیل الدین عالی صاحب کا شکریہ ادا کرنا ھے جنھوں نے ڈنکن فاربس کا دوسرا ایڈیشن بغرض اشاعت اردو ٹرسٹ کو ودیعت کیا، یہ نسخہ فورٹ ولیم کالج کلکتے کے پہلے مطبوعہ نسخے سے کیوں زیادہ احسن ھے اسکے وجوہ دیباچے میں بتلائے جا چکے ھیں۔ یہاں اس کا اظہار کر دینا کچھ غیر مناسب نہ ہوگا کہ ادھر حال ھی میں ،، نیا ادارہ،، والوں نے لاھور سے ڈنکن فاربس کے تالیف کئے ھوئے چوتھے ایڈیشن کی نقل شایع کی ھے، اور جا بجا میر امن کی زبان کی اصلاح بھی کر دی ھے، مثلاً اسکے مولف نے ،، دیدارو،، کو غلط بتلاتے ھوئے ،، دیدہ رو،، کر دیا ھے اے سبحان اللہ ،، دیدہ رو،، کی کیا ترکیب ھے۔ خیر اس سے ھمیں کیا بحث۔ ھم نے تو اس ایڈیشن کو صرف اس لئے نہیں لیا کہ وہ Expurgated ھے۔ یعنی اس میں سے بعض جگہ کی عبارتیں خارج کر دی گئی ھیں۔

عالی جی کے شکریہ کے بعد کہ وہ اپنے کو دوھوں میں یونہی مخاطب کرتے ھیں ساھد احمد صاحب دھلوی کا شکریہ ادا کرنا بے حد ضروری ھے۔ نہ صرف اس خیال سے کہ انہوں نے اس کتاب کا پروف دوبار پڑھا ھے بلکہ اس لئے کہ انہوں نے بہت سے الفاظ کی تحقیق کے سلسلے میں بعض بڑے مفید مشورے بھی دئے ھیں۔ پھر جس مستعدی اور انہماک کے ساتھ وہ کام کرتے ھیں اس سے ان کے کام کی عزت اور زیادہ بڑھ جاتی ھے۔ رہ گئیں چھاپے خانے کی غلطیاں جنکا اندراج غلطنامے میں ھے، انہیں تو بہر حال ھونا ھی چاھئے تھا۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تو ھے نہیں جبکہ عالم فاضل لوگ کتابت کا کام شوقیہ کیا کرتے تھے اور مصنفین کی غلطیاں بھی درست کر دیا کرتے تھے، اس کتاب کا پروف چار بار پڑھا گیا پھر بھی غلطیاں رہ گئیں۔ اس کا سبب یہ ھے کہ پروف پڑھنا نظر کی ایک مخصوص

تربیت کا کام ہے خیر میں تو اس سے نابلد ہوں ہی، لیکن شاہد احمد صاحب بھی اتنے پختہ کار نہیں کہ ان کی نظر سہو نہ کر جائے۔ پھر اسکی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ کہ پروف میں درست کیا گیا ہے وہ صحیح چھپے گا بھی۔ اگر کوئی حرف ٹوٹ گیا، کوئی نقطہ اڑ گیا، یا پھر کوئی نقطہ کہیں سے اڑ کر کسی دوسرے حرف پر آن بیٹھا تو پروف والا بھلا کہانتک انہیں ہنکاتا پھرے گا۔ آخر میں میں اپنے بزرگ مولوی عبدالحق صاحب اور اردو کالج کے مہتمم کتب خانہ مولوی رشید صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاھتا ہوں جنکے کتب خانوں سے میں مستفیض ہوا ہوں۔

ممتاز حسین

غلطنامه

مقدمهٔ مولف

غلط	صحیح	صفحه	سطر
ماخذ	مأخذ	۱۳	سرخی
اهمت	اهمیّت	۳۰	سُرخی
آی	آتی	۳۱	۱۳
مقفے	مُقفّےٰ	۳۱	۲۲
حتی	حتّٰی	۴۱	٦
خوْجه	خواجه	۴۲	۹
اجنا	آجِنّا	۴۷	۸
کرے	کَرتے	۵۱	۱۴
متبنی	مُتَبنّٰی	۵۲	۲۱
اروئے	آردوئے	۵٦	۲
رُحب	رجب	۵٦	۱۰
ٹھینٹھ	ٹھیٹھ	۵۷	۵
ٹھینٹھ	ٹھیٹھ	۵۷	۱۵

غلطنامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
مرکب	مرّکب	٦٠	٣
مقفی	مَقفّٰی	٦٠	٢٠
جھاڑنا	جھاڑنے	٦٥	٣
بھگانا	بھگانے	٦٥	٣
ھوا	ھوئے	٦٥	٣
پاس باغ	بائیں باغ	٦٨	٩
	اصل کتاب		
مہہ	مہ	٢	١
بھی	یہی	٩	١٩
ناقض	نافص	١١	٢٠
گذراں	گذران	١٣	١٨
ب	اب	١٥	٢٠
میرے	مرے	١٩	٦
کھوے	کَھولے	٣٢	٢٢
کہہ	کہ	٣٦	١٠
ہ	میں	٤٠	١
لاویں	لاوے	٤٨	١٣
تحفہ علت	تحفۂ علت	٥٥	١٣

غلطنامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
کوے	کوّے	۵۵	۲۱
بللی	بلّی	۵۶	۹
نلے	بِلّے	۵۶	۱۵
		۶۴	۲۰
دل ہر اضطرار	دل پُر اضطرار	۶۵	۱۰
ىن بھىا	پَن بھتّا	۷۶	۱۰
کںجیو	کیجو	۷۸	۱۱
مرصع	مُرَصّع	۸۷	۱۲
حلبی	حَلَبی	۸۸	۵
نیمم	تبسّم	۹۰	۱۲
ظل	ظلّ	۹۳	۱۰
مشابہہ	مشابہے	۹۴	۳
مرصع	مُرصّع	۹۴	۲۰
مرصع	مُرصّع	۹۵	۱
اپ	اب	۹۹	۱
ور	اور	۱۰۱	۱
گننبد	گنّبد	۱۰۲	۱۲
مرصع	مُرصّع	۱۰۲	۱۹

غلطنامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
معلق	مُعَلّق	۱۰۳	۲۰
ه	هر	۱۰۶	۳
کلی	کَلّی	۱۰۶	۲۰
بڑاؤ	جڑاؤ	۱۰۷	۴
مقطع	مُقَطّع	۱۰۷	۱۰
چلا	چِلّا	۱۰۷	۱۱
چلے	چِلّے	۱۰۹	۲۱
ٹهسے	ٹَهسّے	۱۱۰	۲۳
چلے	چُلّے	۱۱۱	۴
جاوئے گا	جاونگا	۱۱۹	۱۴
شبیهه	شبیہ	۱۲۳	۶
اشراف المخلوقات	اشرف المخلوقات	۱۲۶	۲
مجوز	مُجَوّز	۱۲۶	۲۲
کهاے	کَهانے	۱۲۷	۱
هی	بهی	۱۲۹	۲
جوگنی	جُوگنی	۱۲۹	۱۵
فرمئے	فرمائے	۱۳۰	۱۸

غلطنامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
چاھئے	چاھئیے	۱۳۸	۱۲
سلیماں	سلیمان	۱۴۶	۲۱
بی‌لی	بی‌بی	۱۵۳	۱۲
برداروں	برادروں	۱۵۶	۷
ساتھ	ھاتھ	۱۶۴	۹
ناندی	باندی	۱۶۶	۱۰
اُس کے	اس کی	۱۷۷	۱۵
یہ	یے	۱۷۹	۱۷
کہ	کَہ	۲۰۷	۹
گلانی	گلابی	۲۱۰	۱۸
رکھکر	رَکھ کے	۲۱۸	۴
یہاں	یاں	۲۱۸	۵
انشا اللہ	انشاء اللہ	۲۱۹	۱۳
تقاوت	تفاوت	۲۲۸	۱
حاکر	جاکر	۲۳۳	۲
ے اختیار	بے اختیار	۲۳۶	۱۷
انگا	اَنکا	۲۴۰	۲۳

غلطنامه

غلط	صحیح	صفحه	سطر
مرصع	مُرَصّع	۲۴۱	۱۰
شقے	شُقّے	۲۴۲	۱۳
ملائمیت	مَلایمت	۲۴۶	۱۳
مُرَکب	مُرَکّب	۲۵۰	۵

فرهنگ

نونّ غنـه	نون غنّـه	۱۰	۴
گَل داؤدی	گُل داؤدی	۱۸	۱۸
انار داؤدی	اَنار داؤدی	۱۸	۱۹
رَدوّ بدل	رَدّوبدل	۲۱	۴
رتّق	رَتَق	۲۱	۷
سَردوَال	سَرَدوال	۲۳	۱۲
شاطر	شاطِر	۲۵	۴
صَندلی	صَندَلی	۲۶	۱
مغّرق	مُغَرّق	۳۴	۱۶
[illegible]	نَسَقچی	۳۶	۱۵
[illegible]نا	وینچهنا	۳۸	۲
[illegible]یسا (ه)	مهربسم (ع)	۳۸	۶